مکتبہ بیت السلام
MAKTABA BAITUL-SALAM

مواعظ حسنہ

حصہ دوم

تالیف
حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ
مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ
سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث یو، پی

حقوق العباد
حقوق الوالدین و اولاد
نکاح و حقوق الزوجین
اسلامی معاشرہ
اتفاق و اتحاد
زکوۃ
کسب حلال
روزہ
عید الفطر
عید الاضحیٰ
محرم الحرام، تعزیہ
خشیت الٰہی
گناہ و توبہ
قرآن مجید
اخلاق و کردار

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ بیت السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنااخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ بیت السلام
MAKTABA BAITUL SALAM

مواعظ حسنہ

حصہ دوم

تالیف
حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ
مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ
سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث یو، پی

مکتبہ بیت السلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ
حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مواعظ حسنہ (حصہ دوم)

تالیف : حضرت مولانا عبد الرب صاحب گونڈوی

تقریظ : مولانا عبد المبین منظر صاحب رحمہ اللہ

طابع وناشر : مکتبہ بیت السلام مئوناتھ بھنجن (یو۔پی) الہند

سال اشاعت : اگست ۲۰۱۲ء

صفحات :

ملنے کے پتے

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph. (O) 0547-2222013, Mob 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

- اسلام ورلڈ فریسر ٹاؤن بنگلور
- مکتبہ المعارف بھنڈی بازار ممبئی
- دکن ٹریڈرس حیدر آباد
- دار الکتب الاسلامیہ دہلی
- مکتبہ الاثر حیدر آباد
- مکتبہ مسلم، بربر شاہ سری نگر کشمیر
- مکتبہ دار السلام سری نگر
- السنۃ بک سینٹر محمد علی روڈ ممبئی
- ھدیٰ بک سینٹر حیدر آباد
- القرآن پبلی کیشنز، میسومہ بازار سری نگر
- فیضی بکڈپو ٹولی چوکی حیدر آباد
- عمری بک ڈپو، اشوک نگر ممبئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
تقریظ	۶
خطبۂ نبویؐ	۷
حقوق العباد	۸
• حقوق	۲۶
• رشتے داروں کے حقوق	۲۹
• پڑوسیوں کے حقوق	۳۲
• محتاجوں کے حقوق	۳۵
• غیر مسلموں کے حقوق	۴۰
حقوق والدین و اولاد	۴۷
• اولاد کے حقوق	۶۱
نکاح و حقوق الزوجین	۷۳
• نکاح	۷۴
• تعدد ازدواج	۷۷
• جہیز	۷۸
• بارات	۸۴
• حقوق الزوجین	۸۶
اسلامی معاشرہ	۹۴
• سلام	۱۰۵

مضامین	صفحہ نمبر
• غیبت	۱۱۱
• طعن و تشنیع	۱۱۸
• غصہ	۱۲۲
• کبر	۱۲۷
• حسد	۱۳۰
اتفاق و اتحاد	۱۳۵
زکوٰۃ	۱۷۱
• اسراف	۱۸۰
• مقاصد زکوٰۃ	۱۹۵
• نصابِ زکوٰۃ	۲۰۰
• مصارف زکوٰۃ	۲۰۱
• آدابِ زکوٰۃ	۲۰۴
کسب حلال	۲۰۷
• سود	۲۱۷
• رشوت	۲۲۴
• تجارت	۲۲۶
روزہ	۲۳۸
• رمضان المبارک	۲۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

• سحری	۲۴۶
• افطار	۲۴۷
• تراویح	۲۴۸
• شب قدر	۲۴۸
• اعتکاف	۲۴۹
• مقصد روزہ	۲۶۰
• ''احتیاط''	۲۶۸
• ہمدردی کا مہینہ	۲۶۸
• صدقۃ الفطر	۲۶۹
• صبر کا مہینہ	۲۷۰
عید الفطر	۲۷۳
عید الاضحیٰ	۳۰۲
• حضرت ابراہیمؑ	۳۰۳
• قربانی	۳۲۲
محرم الحرام	۳۲۶
• تعزیہ	۳۳۵
• نوحہ و ماتم	۳۴۶
• مرثیہ خوانی	۳۵۱
• مقام صحابہؓ	۳۵۱
• ڈھول تاشہ	۳۵۳
• فاتحہ و نذر و نیاز	۳۵۴
• درود	۳۵۵
خشیت الٰہی	۳۶۰
گناہ و توبہ	۳۸۵
قرآن مجید	۴۱۷
• انسانی حقوق	۴۲۴
• جامعیت	۴۲۹
• حفاظت	۴۳۲
• صداقت	۴۳۷
• قرآن اور ہماری ذمہ داریاں	۴۴۶
• تلاوت	۴۵۰
• ایک شبہ کا ازالہ	۴۵۱
• اے وائے بر حال ما	۴۵۷
اخلاق و کردار	۴۶۰
• سچائی	۴۶۵
• ایفائے عہد	۴۶۸
• شرم و حیا	۴۷۱
• کبر	۴۷۴
• حسد	۴۷۷
• زبان کی حفاظت	۴۷۸
• نرم خوئی و عفو و درگذر	۴۷۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مؤلف

لیجئے مواعظ حسنہ کی دوسری جلد (جو سابقہ چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلدوں پر مشتمل ہے) حاضر ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز مدد اور اس کی توفیق کا نتیجہ ہے کہ پہلی جلد کی اشاعت کے چند ہی مہینوں بعد ہم اس کی دوسری جلد کو بھی منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ مواعظ کا یہ مجموعہ، طلباء مدارس، ائمہ مساجد، خطباء اور مبلغین کے لئے بہت ہی کارآمد اور مفید ثابت ہو رہا ہے اور اس کی عوامی افادیت کو اربابِ فکر و نظر نے بھی تسلیم کیا ہے اور ہر مطالعہ پسند طبقہ نے اسے قدر شناسی کی نگاہوں میں جگہ دی ہے۔

اس مجموعہ کی اشاعت میں بارہا ایسے مواقع بھی آئے جب ہمیں مایوسی اور محرومی سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر ہر قدم پر ہماری مدد اور رہنمائی فرمائی۔

وہ محسن کتابیں جن سے مواد حاصل کرنے میں مدد لی گئی، یہ ہیں:

قرآن مجید، صحاح ستہ، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ثنائی، تفہیم القرآن، خطبات اسلام، خطبات مدراس، اسلام ایک نظر میں، اخبار اہل حدیث، ترجمان، مولوی اور الرسالہ وغیرہ۔

اس کی تیسری جلد کی طباعت شروع ہو چکی ہے۔ امید ہے یہ چند مہینوں کے بعد ہی منظر عام پر آجائے گی۔

عبدالرب گونڈوی
ناظم معہد السنۃ گینسڑی، ضلع بلرامپور، یو. پی. الہند

یکم اگست ۲۰۰۰ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تقریظ

از: حضرت مولانا عبدالمبین منظر رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدر جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی

مولانا عبدالرب ایک ابھرتے ہوئے ہونہار خطیب ہیں۔ آپ کا طرزِ خطابت منفرد اور جداگانہ ہے۔ آپ کی تقریر انتہائی مربوط ہوتی ہے، زبان عام فہم، سلیس اور اندازِ بیان بہت دلکش ہوتا ہے اس کے علاوہ قرآنی آیات، احادیثِ رسولؐ، چھوٹے چھوٹے دلآویز واقعات، اہم مقولے، مؤثر مثالیں اور موزوں اشعار پوری ہوشمندی اور مہارت کے ساتھ مناسب موقع پر پیش کرتے رہتے ہیں جس سے تقریر بہت دلپذیر بن جاتی ہے۔

آپ کی دلبند و دل پسند خطابت وتقاریر کا شہرہ پہلے ضلع گونڈہ وبستی میں ہوا، پھر وہاں سے بڑھ کر دور دراز مقامات تک پہنچ گیا اور اب تو کوئی مشہور ومعروف جلسہ ایسا نہیں جہاں بار بار مدعو نہ کئے جاتے ہوں۔ کیوں نہ ہو آپ ایک شہرت یافتہ، باعمل اور کثیر التصانیف عالم حضرت مولانا شکر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ پہلے آپ نے اپنے والد بزرگوار کی تمام تصانیف کی اشاعت کی اور انہیں مفت تقسیم کی اور اب الحمد للہ موصوف نے خود اپنی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا ہے، چنانچہ آپ ''حقوق و معاشرت''، ''حقیقتِ آخرت'' اور ''نماز مسنون'' جیسی مفید کتابیں تالیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ آپ اپنی تقریروں کو بھی کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں جس کی پہلی جلد کا مسودہ میرے سامنے ہے، یقیناً یہ بڑی جرأت اور ہمت کا کام ہے جس کے لیے وہ پوری قوم کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو قائم ودائم رکھے۔ آمین

عبدالمبین

۲۰ر جون ۱۹۸۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبۂ نبوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ. فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ وَ كُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ. [1]

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اسی پر ایمان لاتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کی برائیوں اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بیشک جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور تمام راستوں سے بہتر راستہ محمد (ﷺ) کا ہے اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو دین میں اپنی طرف سے بڑھائے جائیں اور دین میں جو کام نیا نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

---

[1] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جامع خطبہ ہے جسے آپؐ ہر وعظ کے شروع میں پڑھا کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حقوق العباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ. اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ.

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا — کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا — خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولاء کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں — کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حضرات! یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں پر بے شمار احسانات کئے ہیں۔ اور ہمیں ان گنت نعمتیں عطا کی ہیں۔ زندگی بخشی، زندگی گذارنے کے لئے بے انتہا وسائل و ذرائع بخشے، بے پناہ صلاحیتیں اور قوتیں عطا فرمائیں، اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف ٹھہرایا۔ لیکن انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت، اور انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اسلام ہے۔

اللہ رب العزت نے اسے اپنی تمام نعمتوں کا اتمام قرار دیا ہے کیونکہ یہ اللہ کی نعمتوں کا صحیح مصرف بتاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوی نعمتیں تبھی حقیقی نعمت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہیں جب انھیں اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے۔ ورنہ یہی نعمتیں دنیا و آخرت کے عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

اسلام کے معنیٰ ہیں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا، خود کو شعوری طور پر اس کے سپرد کر دینا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو لوگ خود کو اللہ کی بندگی میں دیدیں در حقیقت وہی مسلم ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ آدمی جزوی طور پر اسلام کے بعض اصولوں کو اپنا لے، یعنی کچھ کاموں میں وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور کچھ کو اس کی فرمانبرداری سے الگ کر لے۔

جب آدمی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا پورا وجود اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور جب اسے کسی سے نفرت ہو جاتی ہے تو اس کا پورا وجود اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

اس طرح جب کوئی شخص سچے دل سے اسلام کو اپناتا ہے تو وہ اس کے پورے وجود مسلم بن جاتا ہے۔ وہ کہیں اور کسی حال میں بھی اسلام سے الگ نہیں ہوتا۔

مسلمان وہی ہے جو اپنی زندگی کا سارا نظام اسلام کو سامنے رکھ کر بنائے نہ کہ اس سے الگ ہو کر۔ مسلمان کی زندگی ایک پابند زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے۔ مگر اس آزادی کے باوجود وہ اپنے اللہ کی آقائی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو پابند بنالیتا ہے کہ وہ آزادانہ عمل نہ کرے بلکہ اس کے حکم کے مطابق کرے۔ اسلام جن تعلیمات پر مشتمل ہے۔ اصولی حیثیت سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق اللہ، دوسرے حق العباد

جہاں تک حق العباد کا تعلق ہے۔ اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو ایک کنبہ و خاندان قرار دیتا ہے، سب کی جان، مال اور آبرو کو حرام ٹھہراتا ہے، سب کو انصاف و رواداری کا یکساں مستحق قرار دیتا ہے، اور سب کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے، اسلام بندوں کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔

وہ ماں باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسافروں، غلاموں، غرضیکہ سب انسانوں کے حقوق کو بیان کرتا ہے اور ان حقوق کی ادائیگی کو لازم ٹھہراتا ہے۔

وہ بتاتا ہے کہ انسان کی نیکیاں اور عبادت گذاریاں اکارت ہو جائیں گی اگر اس نے بندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہوگا، اور بندوں کی حق تلفیاں اس وقت تک معاف نہ ہوں گی جب تک صاحب حق اسے خود نہ معاف کر دے۔

اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر نگراں بنالیں۔ اللہ کی پکڑ کا اندیشہ ان پر اتنا طاری ہو کہ ایک حق دار کا حق ادا کرنے کی خاطر اگر ان کا اپنا سارا اثاثہ اور پوری زندگی کی کمائی دینی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں، اگر ایک آدمی اپنا جائز مطالبہ لے کر ان کے سامنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑا ہو جائے تو فوراً اسے مان لیں خواہ مطالبہ کرنے والا کتنا ہی بے زور اور مجبور ہو۔

اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان، اللہ کے بندوں سے معاملہ کرنے میں اسی فیاضی اور وسعت ظرف سے کام لے جس طرح اس کا خدا اس کے ساتھ کر رہا ہے۔

یعنی جب کسی سے کوئی تلخی پیش آجائے، یا کسی سے ان بن ہو جائے، یا کسی طرز عمل سے دل میں غصہ پیدا ہو جائے، تو وہ طریقہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کا انداز ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اور کسی کی غلطی کی وجہ سے اپنی مہربانیاں اس سے اٹھا نہیں لیتا۔ یہی حال مومن کا بھی ہونا چاہئے۔

اس کے بارے میں کوئی شخص ایسی بات کہہ دے جس سے اسے تکلیف پہنچ جائے۔ یا کوئی ایسا سلوک کر دے جو اس کے لئے شکایت کا سبب ہو تو محض اس وجہ سے اس کی طرف سے اپنے دل کو برا نہ کر لے۔ بلکہ غلطی کو نظر انداز کر کے اور شکایت کو بھلا کر اس سے معاملہ کرے۔

عام طور پر لوگوں کا خلاق اس کے تابع ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے اور کیا کیا ہے؟ مسلمان وہ ہے "جو کسی نے کیا کہا اور کسی نے کیا کیا" جیسی باتوں سے اوپر اٹھ کر لوگوں سے معاملہ کرے۔

اس کا اخلاق اللہ کے حکم کے تحت بنا ہو نہ کہ رد عمل کی نفسیات کے تحت۔

تقویٰ کی رُوح یہی ہے کہ آدمی دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، اسی کے ساتھ اسے یہ کھٹکا بھی لگا رہتا ہو کہ دوسروں کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرنا خود اپنے بارے میں بہتر سلوک نہ کئے جانے کے خطرہ مول لینا ہے۔ کیونکہ آخر کار سارا معاملہ خدا کے یہاں پیش ہونا ہے، جہاں نہ لفظی تاویلیں کسی کے کام آئیں گی۔ اور نہ کسی کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ معاملہ کے متعلق کوئی بات چھپا سکے۔

غیر مومن، یعنی وہ شخص جس کا دل ایمان جیسی قیمتی چیز سے خالی ہو، ایک بے حس انسان ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والا شخص ایک حساس انسان ہوتا ہے۔

مومن کی حساسیت صرف خدا یا اس کی مقدس چیزوں ہی میں ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تمام مخلوقات کے معاملہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مومن کا سابقہ جب کسی انسان سے پیش آتا ہے۔ خواہ وہ کمزور ہو یا طاقت ور۔ تو وہ ایک محتاط قلب کے ساتھ اس کے وہ تمام حقوق ادا کرتا ہے جو اللہ نے ایک انسان کے لئے دوسرے انسان پر مقرر کیے ہیں۔

وہ جب کسی جانور کو اپنے استعمال میں لاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مہربانی اور ہمدردی کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتا ہے، حتی کہ موذی جانوروں کو مارتے وقت بھی وہ ان کو تکلیف دے کر مارنا اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا۔

اس کی حساسیت اس میں رکاوٹ بن جاتی ہے کہ وہ کسی درخت کو خواہ مخواہ کاٹے اور کسی پھول کو بے ضرورت مسلے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ بندوں کی مدد کرنے والا اللہ کی مدد سے محروم نہیں رہتا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور آپؐ پر قرآن کا نزول شروع ہوا، اس وقت آپؐ غار حرا میں تھے کہ حضرت جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آئے اور کہا:

اِقْرَاْ ۔ پڑھو، آپؐ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِی "میں پڑھا نہیں ہوں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ نے مجھے پکڑ لیا اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔

پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَاْ "پڑھو"

میں نے پھر کہا۔ مَا اَنَا بِقَارِی. "میں پڑھا نہیں ہوں"

اس نے مجھے پکڑا اور دوبارہ اسی طرح دبوچا کہ اس کا دبوچنا میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ.

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ ساری باتیں سکھائیں جسے وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ قرآن کی سب سے پہلی آیتیں ہیں جو آپؐ پر اتریں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد آپؐ اپنی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ آئے اس وقت آپ کا دل کانپ رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ ''مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ''

چنانچہ آپ کو چادر اڑھا کر لٹا دیا گیا۔

جب آپ کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی تو آپؐ نے اپنی سن رسیدہ بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا: ''ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے سہارا لوگوں کو کمانے کے قابل بناتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اور مصیبت کے وقت پریشان حالوں کی مدد کرتے ہیں''

معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے بندوں کی خبر گیری کرتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں رہتا ہے۔

یعنی اللہ کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کرنا انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اس لئے جو شخص چاہے کہ وہ خدا کی مدد سے محروم نہ رہے اسے چاہئے کہ وہ بندوں کا ہمدرد اور غم گسار بنے۔

اللہ سے ڈر کی علامت یہ ہے کہ آدمی انسان سے ڈرنے لگے۔ اس معنیٰ میں نہیں کہ جو شخص طاقت ور ہو یا اس سے کوئی مفاد وابستہ ہو اس سے ڈرا جائے، یہ تو دنیا پرستی بلکہ شرک ہے۔ انسان سے ڈرنے کا مطلب صاحب حقوق سے ڈرنا ہے۔ یعنی یہ سمجھ کر معاملہ کرنا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کا خدا کھڑا ہوا ہے اور وہ ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا ہے جس کی حق تلفی کی جائے۔

جو شخص ایک کمزور صاحب حق کو اس بنا پر نظر انداز کر دے کہ اس کی طرف سے کسی نقصان کا خطرہ نہیں، یا اس کی طرف سے کوئی وکالت کرنے والا نہیں، وہ یقیناً خوف خدا سے خالی ہے۔

دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوئے یا پیدا ہوں گے، سب کے سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے حقیقت کے مطابق زندگی یہ ہے کہ ہر آدمی دوسرے کا خیر خواہ ہو اور دوسروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرے۔

ہر آدمی کے اندر ضمیر ہے۔ یہ ضمیر انصاف کو پسند کرتا ہے اور ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔

اب صحیح زندگی یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے درمیان اس طرح رہے کہ ہر آدمی ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔

موت آدمی سے وہ چیزیں چھین لیتی ہے جو دنیا میں اسے حاصل تھیں، اس لئے بہترین اور بامقصد زندگی یہ ہے کہ دنیا کی اونچ نیچ کو وقتی خیال کیا جائے، ہر آدمی کو یکساں طور پر خدا کا بندہ سمجھا جائے، خواہ وہ بظاہر چھوٹا ہو یا بڑا۔

اسی طرح، ایک آدمی کے سامنے حق آتا ہے۔ وہ اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اس کا انکار کردے، مگر وہ سوچتا ہے کہ ''بالآخر ایک دن ایسا آنے والا ہے جب کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ماننے پر مجبور ہوں گا'' یہ سوچ کر وہ اس حق کو آج ہی مان لیتا ہے، جس کو وہ کل ماننے پر مجبور ہوگا۔

گویا بندوں کی خیر خواہی وہی شخص کر سکتا ہے اور ان کے حقوق وہی ادا کر سکتا ہے جسے اس بات پر کامل یقین ہو کہ ایک دن اسے اللہ کے روبرو کھڑا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کا سب سے پہلا انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو تمام جنوں اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔

یہ سجدہ صرف آدم علیہ السلام کی ذات کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے تمام انسانوں کے نمائندہ فرد تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ.

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے''

اس نے یہی نہیں کہ اللہ کے حکم کے مطابق آدم کو سجدہ نہیں کیا، بلکہ سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس انکار کی وجہ پوچھی: مَا مَنَعَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ''اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا'' تو اس نے جواب دیا: اَنَا خَیْرٌ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِّنْهُ ''(اس لئے کہ) میں اس سے بہتر ہوں۔'' خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ. ''(اے اللہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔''

یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ جو آگ پیدا کیا گیا ہے وہ اس مخلوق کے آگے سجدہ کرے جو مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. ''اس نے انکار کر دیا اور بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔''

ابلیس اللہ کا منکر نہیں تھا، وہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ اللہ کی عبادت سے جی نہیں چراتا تھا، وہ اللہ کے آگے سجدہ کرنے سے انکاری نہیں تھا،

بلکہ وہ اتنا بڑا عابد وزاہد تھا کہ بعض روایات کے مطابق اس زمین کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں بچا ہے جہاں ابلیس نے اللہ کو سجدہ نہ کیا ہو، لیکن ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

آخر وہ کون سا سجدہ تھا جس کے نہ کرنے سے ابلیس راندۂ درگاہ ہو گیا؟ وہ تھا اللہ کے بندے کے سامنے جُھکنا۔

چونکہ ابلیس نے اللہ کا حکم پا کر اللہ کے بندے کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا، اس لئے اس کی پوری زندگی کی عبادت وریاضت خاک میں ملا دی گئی۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے آگے جھکنا اور اللہ کے بندوں سے اکڑنا، اللہ سے جڑنا اور اللہ کے بندوں سے کٹنا، یہ اللہ کو ماننا نہیں بلکہ اس کا انکار کرنا ہے، یہ اس کی اطاعت نہیں بلکہ نافرمانی ہے۔

اسلام کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ حق اللہ اور حق العباد۔ اسلام کی نظر میں دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک گنہ گار عورت کا گذر ایک کنویں پر ہوا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک پیاسا کتا مارے پیاس کے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ عورت کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے اپنی جوتی کو ڈول بنایا اور ڈوپٹہ کے ذریعہ کنویں سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلا دیا۔ تو خدا نے اس نیکی کے صلے میں اس کے سارے گناہوں کو معاف کر دیا اور اس کی بخشش ہو گئی۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بنی اسرائیل کی ایک عبادت گذار عورت نے ایک بلی پال رکھی تھی، کسی بات پر ناراض ہوکر اس نے بلی کو بند کردیا اور بھوکا پیاسا رکھا، اللہ نے اس جرم میں اسے جہنم میں داخل کردیا۔

کس قدر قابل عبرت ہے یہ حدیث۔

جب ایک کتے کے ساتھ حسن سلوک سے اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہوتا ہے کہ برائیوں کو نیکیوں کے خانے میں ڈال دیتا ہے اور بدترین گنہ گار کی بھی بخشش ہوجاتی ہے، تو پھر کسی بندے سے اچھا سلوک کرنے پر وہ کس قدر خوش ہوتا ہوگا؟

اور جب بلی جیسے جانور کو تکلیف دینے سے وہ اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ نیکیوں کو برائیوں کے خانے میں ڈال دیتا اور ایک عبادت گذار کی عبادت گذاریاں بھی اسے دوزخ میں جانے سے نہیں روک پاتیں، تو پھر کسی بندے کے ساتھ بُرا سلوک کرنے پر وہ کس قدر ناخوش ہوتا ہوگا؟

مسلم کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں سے فرمائے گا! اے میرے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ لوگ کہیں گے: خدایا تو سارے جہان کا مالک ہے، تجھے ان چیزوں کی کیا ضرورت؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فلاں شخص بیمار تھا تم نے اس کی عیادت نہیں کی، فلاں شخص بھوکا تھا تمھارے پاس آیا تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا، فلاں پیاسے نے تم سے پانی مانگا تم نے اسے پانی نہیں پلایا، اگر تم ایسا کرتے تو تم مجھ کو وہاں پاتے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت کرنا خود اللہ سے غفلت کرنا اور اس سے منہ موڑنا ہے۔

اللہ کے یہاں اس کے بندوں کی اتنی اہمیت ہے کہ جو شخص دوسروں کے قصور معاف کردیتا ہے اس کے حق میں یہ فعل صدقہ لکھا جاتا ہے۔

البدایہ والنہایہ میں ایک واقعہ آتا ہے۔

ایک واقعہ:

ابوعبس بن حبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں کو ابھارا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے صدقہ دیں۔

لوگ اپنی وسعت کے مطابق لائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کے اصحاب میں علبہؓ بن زید انصاری تھے، ان کے پاس کچھ نہیں تھا، وہ رات کو اٹھے، نماز پڑھی اور رو رو کر اللہ سے کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ لَيْسَ عِنْدِىْ مَا اَتَصَدَّقُ بِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتَصَدَّقُ بِعِرْضِىْ عَلٰى مَنْ نَالَهٗ. ”خدایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے میں صدقہ کروں۔ اے اللہ تیرے بندوں میں سے جس کسی نے میری عزت لی ہو تو میں اس عزت کا صدقہ کرتا ہوں، یعنی معاف کرتا ہوں۔“

صبح کو لوگ جمع ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَيْنَ الْمُتَصَدِّقُ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ ”آج کی رات صدقہ دینے والا کہاں ہے۔“

سوال کرنے پر علبہ بن زیدؓ اٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَبْشِرْ فَوَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدْ كُتِبَتْ فِى الزَّكٰوةِ الْمُتَقَبَّلَةِ ”تم کو خوش خبری ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہارا یہ عمل قبول کئے ہوئے صدقہ میں لکھ لیا گیا۔“

قرآن پاک میں جہاں بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد بندوں کے حقوق کا ذکر ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ”اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور عزیزوں، یتیموں، غریبوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ہم نشین ساتھیوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی لاشریک بندگی کا حکم دینے کے فوراً بعد بندوں سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ تفصیل کے ساتھ اس کی فہرست بھی بتائی ہے۔ اس فہرست میں والدین، اعزہ، یتیم، غریب، پڑوسی، ساتھی، مسافر اور غلام سبھی شامل ہیں۔

گویا دین حق دو چیزوں کا نام ہے۔ اللہ کی لاشریک بندگی اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک۔

سورۂ بقرہ میں دین کی بنیادی باتیں بتاتے ہوئے ایمان کے فوراً بعد بندوں کی خدمت کا ذکر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ”نیکی تو اس شخص کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب اور نبیوں پر۔ اور مال کو اس کی محبت کے باوجود عزیزوں یتیموں، غریبوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو دے۔ اور غلاموں (کی رہائی) میں خرچ کرے۔ اور نماز قائم کرے، اور زکوۃ دے اور جب عہد کرے تو اسے پورا کرنے والا ہو۔“

یہاں بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر نماز اور تمام اعمال صالحہ سے پہلے ہے، اس سے بندوں کے حقوق کی غیر معمولی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

سورۂ بلد میں بندوں کی خدمت اور ان سے حسن سلوک کا ذکر ایمان سے بھی پہلے ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ. اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ. يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ. اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ. ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ. اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ. ”پس اس نے دشوار گذار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کی تلقین کی۔ یہی لوگ ہیں دائیں طرف والے“

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی، ان کی خدمت اور ان کے ساتھ بہتر سلوک، غیر معمولی اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ اور بہت سی نیکیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

جن لوگوں میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ ایمان اور صبر جیسی نیکیوں کا بھی پا لیتے ہیں۔

جو دل بندوں کے لئے پسیجتا اور ان پر ترس کھاتا ہے وہ قلب سلیم ہے۔ وہ ہمہ وقتی طور پر اللہ کے سامنے جھک جانے اور حق کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص سنگ دل ہے، جو بندوں کو مصیبتوں میں مبتلا دیکھتا ہے اور اس کا دل نہیں نرم ہوتا وہ انسان نہیں حیوان ہے، اس کے سینے میں دل کے بجائے پتھر ہے، ایسے دل میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان نہیں سما سکتا، وہ دنیا کا پرستار ہے۔ اور دنیا پرست انسان خدا پرست نہیں بن سکتا۔

قرآن مجید کی سورۂ لیل میں ارشاد ہوا: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى. الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى. وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى. إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى. وَلَسَوْفَ يَرْضَى. ''اور وہ جہنم سے بچالیا جائے گا جو اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا۔ جو (بندوں کو) اپنا مال دیتا رہا تا کہ خود اس کا (اپنے نفس) کا تزکیہ ہو۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لئے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔''

دراصل جو لوگ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتے ہیں اور جن کو یہ یقین ہے کہ انھیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے، وہ بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں، کیونکہ آخرت کا کھٹکا جن دلوں میں جتنا زیادہ تیز ہوتا ہے اتنا ہی وہ بھلائی اور خدمت کے کاموں میں بے چین رہتے ہیں۔ بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں اس جذبہ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ. أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ.

''اور جو لوگ جو دیتے ہیں، جو کچھ بھی دیتے ہیں اور ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ وہی لوگ بھلائیوں میں باہم مسابقت کرتے ہیں اور وہی اسے پائیں گے''

واقعات میں آتا ہے کہ ایک بار خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ آج رات ہم ذرا سویرے اٹھیں گے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جائیں گے۔

بات یہ تھی کہ مدینہ میں ایک معذور بڑھیا تنہا اپنے گھر میں رہتی تھی۔ اس کے گھر میں جھاڑو دینے والا اور پانی بھرنے والا کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں بڑھیا کا پانی بھر دیتے اور اس کے گھر جھاڑو دے دیا کرتے تھے۔

آج فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی دانست میں بہت سویرے اٹھے، بڑھیا کے گھر پہنچے، دیکھا، جھاڑو پھیری ہوئی ہے، پانی بھرا ہوا ہے۔ اچانک محسوس ہوا کہ کوئی سایہ کھسکتا ہوا آرہا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ دیکھا تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو ثواب کے لالچ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے پہنچ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''میں ابوبکر صدیقؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔''

یہ اللہ کے محبوب اور اس کے مقرب بندوں کا کردار ہے۔

اس کے برعکس ان لوگوں کا کردار ہے جو خدا کے مغضوب، اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ ان کے کردار کے اہم ترین پہلو دو ہیں۔

اللہ پر ایمان نہ لانا۔ اور بندوں پر رحم نہ کھانا۔

قرآن مجید کی سورۂ حاقہ میں دوزخیوں کے متعلق بتایا گیا ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ. ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ. ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوْهُ. اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ. ''اسے پکڑو، اسے طوق پہنادو، پھر دوزخ میں ڈال دو، پھر اسے ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو، یہ شخص خدائے برتر و بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور غریبوں کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا نہیں تھا''

الغرض، بندوں کے حقوق پہچاننا اور ان کو ادا کرنا، دین کا اہم ترین جزو ہے۔ اس سے وہی شخص غفلت کرسکتا ہے جو خدا فراموش ہو اور جس کے دل سے جزا و سزا کا تصور نکل چکا ہو۔

اسلام نے بندوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی تاکید کی ہے وہ صرف اس کے مومن بندوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہدایت تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مسلمان کے دل میں ہر انسان کے لئے رحم کا جذبہ ہونا چاہئے۔

ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ ''رحم کرنے والوں پر خدائے مہربان رحم فرمائے گا۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

بخاری میں روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ. ''اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری ہی میں یہ حدیث بھی آئی ہے: مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ. ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

ترمذی میں روایت ہے:

لَاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ. ''وہ بدبخت ہی ہے جس کے دل سے رحمت سلب کر لی جاتی ہے۔'' حالی مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر   نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے آفت گذر جائے سر پر   پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

حق العباد کی ایک اور پہلو سے بڑی اہمیت ہے۔

شرک کو چھوڑ کر کہ وہ نا قابل معافی جرم ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جس حق تلفی کو چاہے گا معاف کر دے گا، لیکن وہ بندوں کی حق تلفیوں کو معاف نہیں فرمائے گا، جب تک بندے خود نہ معاف کر دیں۔ یا ان کے حقوق ادا نہ کر دیے جائیں۔

بیہقی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اعمال ناموں کے (غلط) اعمال تین طرح ہوں گے۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے گا جیسے شرک، دوسرے قسم کے اعمال وہ ہوں گے جن پر مواخذہ کئے بغیر اللہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے، یہاں تک کہ وہ (آخرت میں) ایک دوسرے سے (اپنے حقوق کا) بدلہ نہ چکا لیں۔

تیسرے قسم کے اعمال وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ زیادہ پرواہ نہ کرے گا، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے غفلت ہے جو بندوں نے کیں، ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو درگذر فرما دے گا''

آخرت میں روپیہ پیسہ، جائیداد وغیرہ، سامان نہ ہوگا کہ بندوں کی حق تلفیوں کی تلافی کے لئے ان کو دیا جا سکے۔ صرف نیکیاں ہوں گی۔

چنانچہ ظالم کی نیکیاں مظلومین کو ان کی حق تلفیوں کے بدلے میں دے دی جائیں گی۔ اور جب نیکیاں ان میں تقسیم ہو کر ختم ہو جائیں گی، تو مظلوم کی برائیاں ان کی طرف منتقل کر دی جائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی اور انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

بخاری میں روایت ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کسی نے اپنے بھائی پر اس کی آبرو کے سلسلے میں کوئی ظلم کیا ہو، یا اس کی کوئی اور شے اس کے پاس ہو تو اسے چاہئے کہ اس سے (معافی مانگ کر) حلال کر لے، اس دن کے آنے سے پہلے جب کہ دینار ہوگا نہ درہم۔ اگر ظالموں کی نیکیاں ہوں گی تو حق تلفیوں کے بقدر اس سے لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔''

مسلم میں روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا:

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: مفلس وہی ہے جس کے پاس نہ دینار و درہم ہو، نہ کوئی جائیداد یا سامان، آپؐ نے فرمایا: ''میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے اعمال کے ساتھ آئے گا، مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ تو ہر شخص (مظلوم) کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ پھر ان کے مطالبات ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اس پر ان کے گناہوں کو ڈال دیا جائے گا پھر اسے دوزخ میں ڈھکیل دیا جائے گا''

ان احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک گناہ وہ ہے جس کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔

وہ گناہ جس کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہے، توبہ و استغفار سے معاف ہو سکتا ہے۔ مگر جس گناہ کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، وہ اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کی ادائیگی نہ ہو جائے۔ یا صاحب حق خود ہی معاف کر دے۔

جو لوگ راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں وہ شہید کہلاتے ہیں۔

ایسے لوگ اللہ کے بہت ہی محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ مت کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمران کی زندگی کا شعور تمھیں نہیں ہوتا"

لیکن اگر کوئی شخص راہ خدا میں اپنی جان قربان کردے اور اس پر کسی کا حق باقی رہ جائے تو وہ شہادت جیسا عظیم مقام پانے کے باوجود معاف نہ ہوگا۔

مسلم کی روایت کے مطابق، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے، اور آپؐ نے فرمایا:

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل اعمال ہیں" ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: "یا رسول اللہ! اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری خطائیں بخش دی جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا" ہاں، اگر تم اللہ کے راستے میں مارے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیچھے ہٹنے والے نہ ہو، تو تم بخش دیے جاؤ گے،، کچھ دیر کے بعد آپؐ نے پوچھا تم نے کس طرح کہا تھا؟" اس نے اپنا وہی سوال دہرایا۔

آپؐ نے دوبارہ جواب دہراتے ہوئے فرمایا: "ہاں اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کیے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو اور خالص اللہ کے لئے لڑنے والے ہو، آگے بڑھنے والے، پیچھے ہٹنے والے نہیں ہو تو تم بخش دیے جاؤ گے۔ لیکن اگر تمھارے اوپر قرض ہے تو وہ نہیں معاف ہوگا، کیونکہ ابھی جبرئیل نے مجھے بتایا ہے۔،،

دوسروں کی حق تلفی یا کسی پر ظلم وہ بُری لعنت ہے جو انسان کے تمام نیک اعمال کے اکارت کرنے کا سبب بن جائے گی۔ مسلم شریف میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ایک بار حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپؐ نے یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا:

اِعْلَمْ یَا اَبَا مَسْعُوْدُ "اے ابو مسعود جان لو"

لیکن غصہ کی شدت کی وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سن سکے۔ یہاں کہ آپؐ ان کے قریب پہنچ گئے اور فرمایا: "اے ابن مسعود! جان لو کہ تمھیں اس غلام پر جتنی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے"

یہ سن کر انھوں نے فوراً کہا: یارسول اللہ! میں نے اس غلام کو اللہ کی رضا کیلئے آزاد کردیا۔"

آپؐ نے فرمایا: "اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمھیں چھو لیتی۔"

کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب قانونی طور پر اپنے مملوک کے ساتھ زیادتی کی یہ سزا ہے تو دوسروں پر ظلم وزیادتی کی کیا سزا ہوگی؟

فرض کیجئے، آپ کہیں جا رہے ہیں، راستہ میں آپ نے دیکھا کہ ایک ظالم اور طاقت ور شخص کسی بے گناہ اور کمزور آدمی کو بُری طرح پیٹ رہا ہے، اور اس کے اندر مدافعت کی سکت نہیں ہے، اب یقینی طور پر آپ کو مظلوم پر رحم آئے گا اور ظالم کے خلاف آپ کے دل میں نفرت کے جذبات اتنے شدید ہوجائیں گے کہ آپ کا جی چاہے گا کہ آپ اسے کچا چبا جائیں۔

حالانکہ اس کمزور انسان کو آپ نہیں پہچانتے، نہ اس کے ساتھ آپ کی کوئی رشتہ داری ہے، اس کے ساتھ آپ کا کوئی معاہدہ نہیں ہے، وہ آپ کے گاؤں کا رہنے والا بھی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کو مظلوم پر رحم اور ظالم پر غصہ آئے گا۔

مگر اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کا خالق وپالنہار ہے،

اسے اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے جتنی محبت ایک ماں کو اپنے بچے کے ساتھ نہیں ہے پھر جب اس کے کسی بندہ پر ناحق ظلم ہوگا تو کیا وہ ظالم پر ناراض نہیں ہوگا؟ اور اس کی ناراضگی ظالم کی بربادی کا سبب نہیں بن جائے گی؟

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچو''

کسی فارسی شاعر نے اس فرمان رسول کی بہت عمدہ تشریح کی ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن — اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

''مظلوم کی آہ اور بددعا سے بچو، کیونکہ جب اس کے منہ سے بددعا نکلتی ہے تو قبولیت فوراً اس کے استقبال کے لئے آسمان سے اتر آتی ہے۔''

یعنی مظلوم کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

نظام الملک طوسی سلطنت سلجوقیہ کا کامیاب ترین وزیر اعظم تھا، اور نے دو سلجوقی حکمراں، الپ ارسلاں اور ملک شاہ کے زمانہ میں نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ حکومت کا نظام سنبھالا۔ اور اس کے مرتے ہی سلجوقی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔

اس نے جو مختلف کارنامے انجام دیئے ان میں سے ایک مشہور کارنامہ نظامیہ کا قیام تھا وہ اپنے لئے انتظامیہ اور عدلیہ کے لئے اسی مدرسے سے تربیت یافتہ افراد حاصل کرتا تھا اور آج بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی نصاب درس نظامیہ کے نام پر تمام عربی مدارس میں رائج ہے۔

نظام الملک نے طریق حکومت پر ایک کتاب لکھی ہے۔اس کتاب میں اس نے لکھا ہے:

اَلْمُلْکُ یَبْقٰی مَعَ الْکُفْرِ وَ لَا یَبْقٰی مَعَ الظُّلْمِ. ''حکومت کفر کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے مگر وہ ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔'' اس پر کسی شاعر نے کہا۔

ظالم ہو تو مومن کی حکومت کو تباہی عادل ہو تو کافر کی بھی رہ جاتی شاہی

یہ اصول بادشاہ کے لئے بھی صحیح ہے اور ایک عام آدمی کے لئے بھی۔

ہر آدمی کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے۔ کسی کا دائرہ کار بڑا ہوتا ہے کسی کا چھوٹا۔

جو شخص کامیابی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرہ میں ظلم کرنے سے بچے، اگر اس نے دوسروں پر ظلم کرنے سے اپنے کو نہیں بچایا تو یقینی طور پر وہ اللہ کی پکڑ کی زد میں آجائے گا۔

اللہ کی سنت ہے کہ آدمی کے دوسرے جرموں کی سزا تو آخرت میں دی جاتی ہے، مگر جو شخص ظلم کرے اور ناحق دوسروں کو ستائے اس کی سزا اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔

ظلم کرنے والا اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا، خواہ جلدی پکڑا جائے یا دیر میں۔ اور ظالم کو اسی دنیا میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے: مَنْ ضَحِکَ ضُحِکَ ''جو کسی پر ہنسے گا اس کی بھی ایک دن ہنسی اڑائی جائے گی''

ایک شاعر نے اس حقیقت کی ترجمانی یوں کی ہے۔

زمانہ ہنس رہا ہے آج بسمل میرے رونے پر نہ جانے کس کے رونے کی اڑائی تھی ہنسی میں نے

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملے کہ کسی کا حق یا کسی کا بوجھ اس کے اوپر نہ ہو۔

ایک شخص نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے بتائیے کہ علم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''علم کی باتیں اس سے زیادہ ہیں کہ میں تمھیں لکھوں۔ مختصر یہ کہ تم اللہ سے اس طرح سے ملو کہ تم نے اپنی زبان کو دوسروں کی عزت پر حملہ کرنے سے روکا ہو۔ تمہاری پیٹھ ان کے خون سے ہلکی ہو، تمہارا پیٹ ان کے مال سے خالی ہو، اور تم نے خود کو مسلمانوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت سے باندھ رکھا ہو"

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صاحب حق، اپنا حق وصول کرنے کے لئے سختی سے پیش آتا ہے۔ ایسی حالت میں صاحب حق کی سختی کو برداشت کرنا بھی برکت کا باعث ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے آپؐ سے اپنے اس قرض کا مطالبہ کیا جو آپؐ کے ذمہ تھا۔ اس نے تقاضہ کرتے ہوئے کہا: "اگر آپ نے میرا قرض نہ ادا کیا تو میں آپ کے ساتھ سختی کروں گا"

صحابہؓ نے اس اعرابی کو ڈانٹا اور کہا: "تجھ پر افسوس ہے، کیا تو نہیں جانتا کہ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟

اس نے کہا: اِنِّی اَطْلُبُ حَقِّیْ. "میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ صاحب حق کے ساتھ کیوں نہ ہوئے؟"

پھر آپؐ نے خولہ بنت قیس کے پاس آدمی بھیج کر کہلایا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو۔ ہمارے پاس کھجوریں آئیں گی تو ہم ادا کر دیں گے۔

چنانچہ آپؐ نے ان سے کھجوریں لے کر اعرابی کو دے دیں۔ اور اس کو کھانا بھی کھلایا۔

اعرابی نے کہا: "آپ نے میرے ساتھ وفا کی، اللہ بھی آپ کے ساتھ وفا کرے گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جو حق کو خندہ پیشانی سے ادا کرتے ہیں"

پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس امت کو بابرکت نہیں کرتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا زحمت نہ لے سکے"

مسلمان کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ خود کو دوسروں پر ظلم کرنے اور دوسروں کی حق تلفی سے بچائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا کوئی بھی عمل ظالم کو تقویت پہنچانے کا سبب نہ بنے۔ اس لئے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق جو حشر ظالم کا ہوگا وہی حشر اس کا بھی ہوگا جو ظالم کی مدد کرے۔

دارمی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَہٗ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ. "جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص ظالم کے ساتھ چلے تا کہ اسے سہارا پہنچائے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ ظالم ہے، تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہوگیا"

کسی کو ناحق ستانا، کسی کو بلاوجہ ذلیل کرنا و بے عزت کرنا، کسی کی بربادی کے منصوبے بنانا، اس زمین پر سب سے بڑا سنگین جرم ہے۔ جو لوگ اس طرح کے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں ان کو اس دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے سخت عذاب ہے خواہ وہ بزعم خود اپنے کو کتنا ہی بڑا مسلمان سمجھتے ہوں۔ کتنی سنگین ہے یہ صورت حال۔

لیکن اس کے باوجود آدمی دوسروں کو ستاتا ہے۔ بلاوجہ دوسروں کو ذلیل و بے عزت کرتا ہے۔

مگر ظالم صرف وہی نہیں ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے دوسروں پر ظلم کیا ہو۔ بلکہ وہ لوگ بھی یکساں طور پر ظالم ہیں جنھوں نے ظالم کو شہ دی ہے، جنھوں نے قدرت رکھنے کے باجود ظالم کا ہاتھ نہ پکڑا ہو، جو ظالم کے ظلم کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اس سے راضی رہے ہوں۔

اللہ کے یہاں ان میں سے ایک (ظالم) کا جو انجام ہوگا وہی دوسرے (ظالم کے ساتھی) کا بھی ہوگا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مظلوم کی مدد کرو اور ظالم کی بھی"

صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو ہماری سمجھ میں آتی ہے۔ بھلا ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟

آپؐ نے فرمایا: "مظلوم کی مدد یہ کہ اس پر ظلم نہ ہونے دو اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھو۔"

حقوق:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز انسان کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے، انسان کو فطری طور پر لگاؤ ہوتا ہے۔ اور اس لگاؤ کا تقاضہ ہے کہ اس کی ترقی و حفاظت کی کوشش کی جائے۔ اس سے وہ فائدہ اٹھایا جائے جس کے لئے قدرت نے اسے بنایا ہے، اس کو اس طرح استعمال کیا جائے جس طرح استعمال کرنے کی اللہ نے ہدایت دی ہے، اسے ان موقعوں پر صرف کیا جائے جن پر صرف کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے، اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچے۔ انہی ذمہ داریوں کا نام حق ہے۔

یعنی اللہ نے کسی کو زمین کا کوئی حصہ عنایت فرمایا، اور اس نے اس میں کچھ بویا، اور اللہ نے اس میں برکت دی، اور اس سے ہری بھری کھیتی تیار ہوئی، تو انسان کا فرض ہے کہ اس کا حق یوں ادا کرے کہ جنھیں یہ نعمت نہیں ملی ہے انھیں اپنی کمائی کا کچھ حصہ ضرور دے اور اس نعمت کو بے موقع خرچ کر کے ضائع نہ کرے کیونکہ یہ کام اس کے حق کے منافی اور اس کی نفع رسانی کو نقصان پہچانا ہے۔

جب انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے تو ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے تعلق سے اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔ جمادات کے سلسلہ میں بھی کہ انھیں بے موقع اور بلاوجہ نہ صرف کیا جائے، نباتات کے سلسلہ میں بھی کہ ان کو نشو ونما کا موقع دیا جائے، اور بلاوجہ انھیں نہ کاٹا جائے، حیوانات سے متعلق بھی کہ ان کو بے سبب تکلیف نہ دی جائے۔ اور انسانوں سے متعلق بھی کہ ہر ضرورت میں ان کی مدد کی جائے۔ انھیں ناحق نہ ستایا جائے، ضرورت پڑنے پر ان کی مدد سے غفلت نہ کی جائے۔ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے، کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے، اور ان کے لئے وہی پسند کیا جائے جو اپنے لئے پسند کیا جاتا ہے۔ انسانیت کے باہمی حقوق کیا ہیں؟

ان کا تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے، انسان کے علاوہ اس کائنات ارضی کی دوسری جاندار چیزوں کے حقوق کے متعلق مزید وضاحت ضروری ہے۔ تاکہ توضیح مقصد کے لئے مفید ہو۔

انسانوں کے علاوہ دوسری جاندار اور بے جان چیزوں کے دو حقوق انسان پر فرض کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ جس غرض وغایت کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں ان سے وہی کام لیا جائے،

دوسرا یہ کہ ان کی قدرتی نشو نما اور ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے، بلکہ ان کے لئے مناسب اسباب فراہم کر کے ان کے لئے غذا اور آرام کی فکر کی جائے۔

اس لئے کہ جب دنیا کی ساری چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو ضروری ہے کہ انسان ان سے وہی کام لے جس کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔ اور ان کی بقاو تحفظ کے لئے قدرتی اسباب مہیا کرے تاکہ وہ اپنے وقت مقررہ تک انسانوں کو نفع پہنچا سکیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان چند اشارات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے، وہ صرف انسانوں تک ہی نہیں بلکہ تمام جاندار اور بے جان چیزوں تک پھیلا ہوا ہے۔

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اندر یہ صفت نہ پیدا ہو جائے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم و جان اور مال و ملکیت کے وہ تمام معاملات جسے انسان اپنے جسم جان اور مال و ملکیت کے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔

لیکن اسلام نے انسانی تعلقات میں دوری و نزدیکی کی ترتیب رکھی ہے، ہر ایک کے حقوق متعین کر دئے ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ درجہ مقرر کر دیا۔

مثلاً، ایک حیوان کے مقابلے ایک انسان کی مدد، ایک اجنبی شخص کے مقابلے ایک دوست کی مدد، غیروں اور بے گانوں کے مقابلے میں ایک عزیز کی مدد، اور ان عزیزوں میں بھی قرابت کی دوری اور نزدیکی رکھی گئی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مدد صرف حق کے ساتھ ہے۔

اگر کوئی عزیز ترین آدمی بھی باطل پر ہو تو اس کے مقابلے میں اس شخص کی مدد فرض ہے جو حق پر ہو، چاہے وہ غیر اور بیگانہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے کہ جو مدد محض قرابت داری اور عزیز داری کی بنا پر غلط طور پر کی جائے اس کا نام تعصب ہے جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے۔

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی اور اپنی دولت کو صرف اپنے لئے مخصوص نہ رکھے، بلکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں، اپنے پڑوسیوں اور دوسرے حاجت مند لوگون کے حقوق بھی ادا کرے۔

اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی، حق شناسی اور حق رسانی کی روح جاری ہو، اور ہر رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کا معاون، اور ہر مستطیع انسان اپنے پاس کے محتاج انسان کا مددگار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں میں پائے،

معاشرہ میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص ان سب انسانوں کے حقوق اپنی ذات پر ادر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مال پر محسوس کرے جن کے درمیان وہ رہتا ہے۔

ان کی خدمت کرے تو یہ سمجھ کر کرے کہ ان کا حق ادا کر رہا ہے، نہ یہ کہ احسان کا بوجھ ان پر لاد رہا ہے، اگر کسی کی خدمت سے معذور ہو تو اس سے معافی مانگے اور اللہ سے فضل طلب کرے۔ تا کہ وہ بندگان خدا کی خدمت کرنے کے قابل ہو۔

رشتہ داروں کے حقوق :

اولاد، والدین اور میاں بیوی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں قرآن حکیم و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اور ہمہ گیر حسنِ سلوک کی ہدایت اور تاکید فرمائی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ نساء میں و بالوالدین احسانا کے بعد ہی و بذی القربیٰ کے الفاظ آئے ہیں۔

یعنی جس طرح والدین کے ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق حسن سلوک کرنا چاہیے اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ بھی کرنا چاہیے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ ''قرابت داروں کو ان کا حق دیتے رہو''

دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى. ''بلا شبہ اللہ تعالی حکم دیتا ہے عدل کا، احسان، اور قرابت داروں کو ان کا حق دینے کا''

''قرابت داروں کو ان کا حق دینا،، یہ لفظ بہت عام ہے۔ کیا چیز دی جائے؟ کب دی جائے؟ بطریق وجوب دی جائے یا بطریق استحباب؟ کس کو دی جائے؟ ہر مفہوم اس میں داخل ہے۔

رشتہ داری میں جتنی قربت ہوا تنی ہی اس کی پاسداری ضروری ہے۔ اگر کسی کو نان ونفقہ کی ضرورت ہے تو اس کی یہ ضرورت پوری کی جائے۔ اگر وہ قرض دار ہے اور قرض کی ادئیگی سے مجبور ہے تو اس کا قرض ادا کیا جائے۔

اگر کچھ بھی ممکن نہ ہو تو میل ومحبت، خندہ پیشانی سے گفتگو، مساوات کا برتاؤ، دلجوئی اور وقت پر ہر طرح کی ہمدردی کی جائے۔

اقارب میں باہم ہدیے اور تحفہ کی چیز بھی اسی میں داخل ہے۔

ملاقات کرنا، دعوت دینا اور قبول کرنا، عیادت اور تعزیت کرنا اور ضرورت پر مدد کرنا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی میں داخل ہے۔

رشتہ دار کے ساتھ اچھے سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے ۔جس کا مطلب ہے خونی رشتوں کو جوڑنا اوران کی پاسداری کرنا،

گویا صلہ رحمی یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ جو نیکی کرنا بھی انسان کی استطاعت میں ہو اس سے دریغ نہ کرے۔

اور قطع رحمی یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ برا سلوک کرے، یا جو بھلائی کرنا اس کے لئے ممکن ہو، اس سے پہلوتہی کرے۔

قرآن مجید نے اس کی بڑی تاکید کی ہے، اور اسے ایک طرح سے انسانیت اور دینداری کی ایک بنیادی اینٹ قرار دیا ہے۔ اور احادیث رسول نے اسے ایمان کا لازمہ بتایا ہے۔

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے''

بخاری ہی کی روایت ہے۔''رحمی رشتے کاٹنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔''جو شخص چاہے کہ اس کی روزی اور عمر میں زیادتی ہو اسے چاہیئے کہ رشتہ داری کو اچھی طرح نبھائے''

اسلام میں صدقات و خیرات کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔

لیکن قریب کے مستحق لوگوں میں صدقہ کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

طبرانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے محمد کی امت !اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس آدمی سے اللہ تعالی کوئی صدقہ قبول نہیں کرے گا جس کے ضرورت مند رشتہ دار ہوں اور ان کے بجائے دوسروں کو دے۔''

ایک اور روایت میں آپؐ نے بتایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ تعالی اس کی طرف نہیں دیکھے گا،،

صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے یا ضرورت پر ہماری مدد کرے، ہم اسی کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ تم اچھا سلوک کرنے والے کے ساتھ ہی اچھا سلوک کرو بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اس کے ساتھ تم صلہ رحمی کرو۔''

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اسلام کے دشمنوں یعنی منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ تہمت سراسر جھوٹ اور بے بنیاد تھی۔

اس فرضی داستان کو گھڑنے اور اس کو پھیلانے میں مسطح نامی ایک صحابی بھی شریک تھے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، ان کو ضرورت مند سمجھ کر وہ انہیں کچھ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ان کی معصوم صاحبزادی پر جھوٹی تہمت لگانے میں مسطحؓ بھی شریک ہیں تو انھوں نے مسطحؓ کی امداد بند کردی۔

اس پر قرآن مجید کی سورہ نور کی آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل واستطاعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کی مدد نہ کریں گے، ان کو چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کردیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

یعنی اگر تمہارا کوئی رشتہ دار معاشی اعتبار سے ضرورت مند ہے تو اس کے اس اخلاقی جرم کی وجہ سے اس کی مالی امداد بند نہ کرو۔ بلکہ اس کے جرم سے درگزر کرتے ہوئے اس کی امداد جاری رکھو۔

تمام انسان باعتبار پیدائش ایک ہیں۔ بالآخر ایک عورت اور ایک ہی مرد سب کے ماں باپ ہیں۔

اس لحاظ سے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کو اپنا سمجھے اور سب کے سب ایک مشترک گھرانے کے افراد کی طرح مل جل کر انصاف اور خیر خواہی کے ساتھ رہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ان میں جو رحمی رشتے ہیں، ان میں نسلی اتحاد اور زیادہ قریبی ہو جاتا ہے، اس لئے رحمی رشتوں میں حسن سلوک کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

انسانوں کے درمیان اس باہمی سلوک کی اہمیت صرف اخلاقی اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ یہ خود آدمی کا اپنا ذاتی مسئلہ بھی ہے۔ کیونکہ تمام انسانوں کے اوپر عظیم و برتر خدا ہے، وہ آخر میں سب سے حساب لینے والا ہے، اور دنیا میں ان کے عمل کے مطابق آخرت میں ان کی ابدی مستقبل کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس لئے آدمی کو چاہئے کہ انسان کے معاملہ کو صرف انسان کا معاملہ نہ سمجھے، بلکہ اسے اللہ کا معاملہ سمجھے۔

وہ اللہ کی پکڑ سے ڈرے اور اپنے آپ کو اس عمل کا پابند بنائے جو اس کو اللہ کے غضب سے بچانے والا ہو۔

حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو شخص رحم کو جوڑے گا، میں اس سے جڑوں گا۔ اور جو شخص رحم کو کاٹے گا، میں اس سے کٹوں گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے تعلق کا امتحان بندوں سے تعلق کے معاملہ میں لیا جاتا ہے۔

وہی شخص اللہ سے ڈرنے والا ہے جو بندوں کے حقوق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے۔

وہی شخص اللہ سے محبت کرنے والا ہے جو بندوں کے ساتھ محبت میں اس کا ثبوت دے۔

یہ بات عام انسانی تعلقات میں مطلوب ہے۔ مگر رحمی رشتوں سے حسن سلوک کے معاملہ میں اس کی اہمیت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اللہ کے حقوق کے بعد ہی اس کا دوسرا نمبر ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق:

انسانیت اور اس کے تمدن کی بنیاد باہمی اشتراک عمل اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور تعلقات پر قائم ہے۔

اس دنیا میں ہر انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر ایک شخص بھوکا ہے تو دوسرے شخص کا فرض ہے کہ اپنے کھانے میں سے اسے بھی کھلائے، اگر ایک شخص بیمار ہے تو جو تندرست ہے اس کی تیمارداری کرے۔ ایک پر اگر کوئی مصیبت آجائے تو دوسرا اس کا شریک اور ہمدرد بنے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر انسان بظاہر جسمانی اور مادی حیثیت سے جتنا ایک دوسرے سے الگ اور بجائے خود مستقل ہے، اخلاقی حیثیت سے فرض ہے کہ وہ اتنا ہی زیادہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہو، اور ایک دوسرے کے وجود سے اتنا ہی پیوستہ ہو۔

اسی لئے ہر مذہب نے اور خصوصاً اسلام نے ان دونوں پر جو ایک دوسرے کے قریب آباد ہوں، آپس کی محبت اور حسن سلوک کی ذمہ داری رکھی ہے۔ کیونکہ وقت ضرورت تمام لوگوں سے پہلے پڑوسی ہی ایک دوسرے کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کو انہی سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ بھی زیادہ رہتا ہے جو ایک دوسرے سے زیادہ قریب رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے باہمی تعلقات خوشگوار اور ایک دوسرے سے ملائے رکھنا ایک سچے مذہب کا فرض ہے۔ تاکہ برائیوں اور تکلیفوں کا سدّ باب ہو کر یہ پڑوس دوزخ کے بجائے جنت کا نمونہ ہو۔ اور ایک دوسرے کی محبت اور مدد پر بھروسہ کر کے آدمی گھر سے باہر نکلے۔ اور بغیر کسی فکر و اندیشے کے گھر میں قدم رکھے۔

اسلام نے ان ہی اصولوں کو سامنے رکھ کر ہمسائیگی کے حقوق کی دفعات بتائی ہیں۔

وحی الٰہی نے ہمسایہ کے پہلو بہ پہلو ایک اور قسم کے ہمسایہ کو جگہ دی ہے، جس کو عام طور پر ہمسایہ اور پڑوس نہیں کہتے، مگر وہ ہمسایہ کی طرح اکثر ساتھ ہوتا ہے۔

جیسے ایک سفر کے چند رفیق، ایک مدرسہ کے چند طلبہ اور اساتذہ۔ ایک کارخانہ کے تمام کاریگر، ایک استاذ کے تمام شاگرد، ایک تجارت میں شریک تمام لوگ، وغیرہ،

درحقیقت یہ بھی ایک طرح کی ہمسائیگی ہے۔ اور اس کا دوسرا نام محبت و رفاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھی اور مسافر سے''

ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصد سب کا ایک ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

اور پڑوسیوں میں ان کو ترجیح دی جائے گی جن کے ساتھ پڑوس اور ہمسائیگی کے علاوہ محبت و رابطہ اور دوسرا تعلق بھی موجود ہو، جیسے قرابت داری، رشتہ داری یا مذہب وغیرہ۔ پڑوسی چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کے ساتھ اچھی طرح معاملہ کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جبرئیل مجھے پڑوسی کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہو چلا کہ اسے وارث بنا دیں گے''

بخاری ہی میں وہ حدیث ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی علیہ وسلم نے تین بار قسم کھا کر فرمایا: ''خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں'' کسی نے پوچھا، کون یا رسول اللہ!

فرمایا: ''جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں''

مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے پڑوسی کے متعلق یہ بھی فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو وہ جنت میں نہ جائے گا''

حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی کو ستاتا ہے اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

الادب المفرد میں واقعہ آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! فلاں عورت رات بھر نمازیں پڑھتی ہے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتی ہے اور صدقہ بھی کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف بھی پہنچاتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا ''وہ دوزخی ہے''۔

پھر کچھ لوگوں نے عرض کیا: ''فلاں عورت صرف نمازیں پڑھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے، کچھ کپڑے بھی خیرات کر دیتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی''

فرمایا: ''وہ جنتی ہے''

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس وقت تک بندہ مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الادب المفرد میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے لئے بہتر ہو۔

اور اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے لئے بہتر ہو۔"

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یہ مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے یہ کام اچھا کیا یا برا کیا؟" آپؐ نے فرمایا: "جب تم اپنے پڑوسی سے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو سمجھو کہ تم نے اچھا کام کیا۔ اور جب اپنے پڑوسی سے سنو، کہ تم نے برا کام کیا تو سمجھ لو کہ تم نے برا کام کیا ہے"

ہر پڑوسی اپنے پڑوسی کے مال و متاع اور عزت و ناموس کا امین و محافظ ہوتا ہے۔

اس لئے اگر اس نے خیانت کی تو اس کا یہ جرم دوسروں کے ساتھ جرم کرنے سے دس گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

الادب المفرد میں یہ حدیث آئی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے زنا کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے کہا وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: "لیکن پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔"

پھر چوری کے بارے میں دریافت کیا۔

صحابہؓ نے عرض کیا: "حرام ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا "پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔"

الادب المفرد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے"

محتاجوں کے حقوق:

جو شخص اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت رکھتا ہے، وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوگا کہ انسان کے اوپر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبادت گذار بندہ بنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا حق بندوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اس حسنِ سلوک کا آغاز اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے۔

اور پھر رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے گذر کر ان تمام انسانوں تک پہنچ جاتا ہے جن سے عملی زندگی میں سابقہ پیش آئے۔

ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان جب بھی کوئی معاملہ پڑے تو وہاں اپنے بھائی کے ساتھ ایک ہی برتاؤ درست ہے اور وہ وہی ہے جو انصاف اور خیر خواہی کے مطابق ہو۔

اس معاملہ میں انسان کا اصل امتحان، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، بالفاظ دیگر کمزور افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔

کیونکہ جو طاقت ور ہے اس کا طاقت ور ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ مگر کمزور آدمی کے ساتھ حسن سلوک کے لئے اس قسم کا اضافی محرک نہیں ہے۔

اس لئے سب سے زیادہ حسنِ سلوک جہاں مطلوب ہے وہ کمزور لوگ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہر چیز کی نفی ہو جاتی ہے وہاں خدا ہوتا ہے۔

غریب اور محتاج کے ساتھ وہی شخص اچھا سلوک کرے گا جو فی الواقع اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہو۔ کیونکہ وہاں کوئی دوسرا محرک موجود ہی نہیں ہے۔

مثلاً ایک شخص کسی دولت مند اور خوشحال انسان کی خدمت میں لگا رہتا ہے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں پیش پیش رہتا ہے، تو یہاں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اس دولت مند آدمی سے کسی دنیاوی یا مادی فائدہ کی امید میں ایسا کر رہا ہو۔

مگر چونکہ غریب اور معذور آدمی سے کسی مالی یا کسی دوسرے دنیاوی فائدہ کی امید نہیں ہوتی اس لئے جو شخص اس کے ساتھ ہمدردی کرے گا محض رضائے الٰہی کے لئے کرے گا۔

اسلام نے خصوصی طور پر ان انسانوں کے ساتھ رحمت و شفقت کی تاکید کی ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے معذور ہیں۔ جیسے فقراء، مساکین وغیرہ۔

یعنی وہ لوگ جو اپنی معیشت کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔

فقراء کا لفظ حاجت مندوں کے لئے عام ہے، خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپا کی وجہ سے اعانت کے محتاج ہو گئے ہوں۔ یا کسی عارضی سبب سے سر دست مدد کے محتاج ہوں۔ جیسے یتیم بچے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ، یا وہ لوگ جو وقتی حوادث، جیسے سیلاب یا آتش زدگی وغیرہ کے شکار ہو گئے ہوں۔

مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ایسے افراد کی مدد کی تاکید فرمائی ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں اور تنگ حال ہوں، مگر ان کی غیرت اور خود داری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہ دیتی ہو، اور نہ ان کے ظاہری حالات ایسے ہوں کہ کوئی شخص انھیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

قرآن اور احادیث رسولؐ میں اس طرح کے لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے، اور ان سے غفلت کے بدترین نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

مثلاً جب جہنمیوں سے سوال ہوگا کہ تم کس جرم کی پاداش میں جہنم میں داخل کئے گئے؟ تو ان کا جواب ہوگا:

لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ''ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے''

وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ''اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''

اس سے معلوم ہوا کہ نمازی ہونا اور غرباء کی خبر گیری کرنا، دونوں مومن اور موحد ہونے کی علامتیں ہیں۔ اگر چہ خود کسی غریب اور محتاج کو کھانا کھلانا بھی ایک بڑی نیکی ہے۔

لیکن بوقت ضرورت کسی حاجت مند کی دوسری ضرورتیں پوری کرنا بھی ایسا ہی نیک عمل ہے جیسا بھوکے کو کھانا کھلانا،

مثلاً کسی کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں، یا کوئی بیمار ہے اور علاج کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں، یا کوئی قرضدار ہے اور قرض خواہ اسے پریشان کر رہا ہے اور قرضہ کی ادائیگی کی استطاعت وہ نہیں رکھتا، تو ایسے لوگوں کی مدد کرنا کھانا کھلانے سے کم درجے کی نیکی نہیں ہے۔

کیونکہ کسی کمزور اور معذور کی مدد کے لئے دوڑنا اللہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت ہے۔

بیہقی میں روایت ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مدینہ کی مسجد میں معتکف تھے ایک شخص ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر آپؓ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس کا سبب پوچھا۔

اس نے جواب دیا: ''فلاں شخص کا قرض میرے اوپر ہے اور میں وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا میں اس قرض خواہ سے بات کروں؟

اس نے کہا ضرور۔

وہ فوراً مسجد سے نکل کر چلنے لگے۔ اس آدمی نے کہا: ''آپ تو اعتکاف میں ہیں''

انہوں نے کہا: نہیں، میں بھولا نہیں ہوں، میں جانتا ہوں کہ میں حالت اعتکاف میں ہوں، لیکن میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے، اور ابھی یہ گویا کل کی بات ہے، (یہ کہہ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے) کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت کے لئے چلے اور اس میں پوری کوشش کرے، تو اس کا یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے بڑھ کر ہے۔''

غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنا متقیوں کی صفت ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں متقیوں کے بارے میں فرمایا:

وَكَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ. وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ. وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ''وہ راتوں کو کم سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے تھے۔ اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لئے''

یعنی ایک طرف تو وہ اپنے رب کا حق یوں ادا کرتے تھے کہ راتوں کو جاگ کر اس کی عبادت کرتے تھے، اور رات کے پچھلے پہر میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تھے۔

دوسری طرف بندوں کے ساتھ ان کا یہ معاملہ تھا کہ اللہ نے انھیں جس رزق سے نوازا تھا وہ اسے صرف اپنا یا اپنے بال بچوں ہی کا حق نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انھیں ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ ہمارے اس مال میں ہر اس بندۂ خدا کا حق ہے جو ہماری مدد کا محتاج ہے۔ اس طرح وہ اپنا فرض سمجھ کر محتاجوں کا حق ادا کرتے تھے۔

پھر ان کا یہ نیک سلوک صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ نہیں تھا جو سائل بن کر اپنی ضروریات ان کے سامنے رکھتے تھے۔ بلکہ جس انسان کے بارے میں انھیں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اپنی روزی کمانے سے معذور ہے، اس کی مدد کے لئے بے چین ہو جاتے تھے۔

کوئی شخص جس کا روزگار چھوٹ گیا ہو، یا جس کی کمائی اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو، یا کوئی شخص کسی آفت کا شکار ہو گیا ہو اور خود اپنے نقصان کی تلافی نہ کر سکتا ہو، کوئی بچہ جو یتیم ہو گیا ہو، کوئی بیوی جس کا سہاگ اجڑ چکا ہو اور جس کا کوئی سہارا نہ ہو، کوئی معذور جو اپنی روزی کمانے کے لئے جدو جہد نہ کر سکتا ہو، غرض کوئی حاجت مند ایسا نہیں تھا جس کی حالت کا علم انھیں ہو جائے اور وہ اس کی مدد سے غفلت کریں۔

بہر حال جو شخص جتنا کمزور، غریب، محتاج اور پریشان حال ہے، اتنا ہی وہ خیر خواہی، ہمدردی، توجہ اور اعانت کا مستحق ہے۔

مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کی مدد کرنے اور انھیں سہارا دینے میں کسی قسم کی غفلت نہ کرے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلسَّاعِیُ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمَسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَحْسِبُہٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ کَالصَّائِمِ لَایُفْطِرُ. ''بیواؤں اور غریبوں کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والے کی طرح ہے، اور میرا خیال ہے، آپؐ نے یہ فرمایا، وہ شب بیداری کرنے والے کی طرح ہے جو کبھی نہیں تھکتا۔ اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے''

بخاری ہی کی روایت ہے کہ یتیم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ لَہٗ وَلِغَیْرِہٖ فِی الْجَنَّةِ ھٰکَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَھُمَا شَیْئاً. ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا۔ یتیم اس کا رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ جنت میں اس طرح قریب ہوں گے، اور آپؐ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں میں ذرا فاصلہ رکھا''

یتیم کی کفالت اور اس خبر گیری کرنے والے کا مقام کتنا بلند ہے۔

اس کے برعکس یتیم کا مال ہڑپ کرنے والوں کا حشر بڑا دردناک ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔ ”جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔“

غیر مسلموں کے حقوق:

بندوں کے حقوق کے سلسلے میں یہ بات واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ اس کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ہر انسان، انسان ہونے کی وجہ سے انصاف، ہمدردی، مدد، اور حسن سلوک کا مستحق ہے۔

قرآن مجید نے شریفانہ اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے اس بات کی تخصیص نہیں کی کہ اس طرح کا اخلاقی برتاؤ صرف مسلمانوں تک محدود رکھنا چاہئے۔

بلکہ مسلمان کو تمام انسانوں کے ساتھ، خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہوں، نیک سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

مثلاً جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ غیر عورتوں کو نہ گھورو بلکہ نگاہیں نیچی کر کے چلو، وہاں صرف مسلمان عورتوں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس حکم میں مسلم اور غیر مسلم عورتیں سبھی شامل ہیں۔

اسی طرح یہ حکم کہ ”دوسروں کا مال ناحق نہ کھاؤ“ اس میں یہ تخصیص نہیں کہ مسلمان کا مال تو ناجائز طریق سے نہ کھاؤ مگر غیر مسلموں کا مال ہضم کر جایا کرو۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ محض اختلاف مذاہب کی بنا پر کسی انسان سے دشمنی کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

سورۂ انعام میں ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ ”جولوگ اللہ کے سوا جن دوسری چیزوں یا دوسرے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں برا مت کہو، ورنہ یہ لوگ نادانی میں اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔“

غیر مسلموں کے معبودوں میں پتھر کے بت اور انسان سبھی شامل ہیں۔ وہ ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔

مسلمان انہیں قابل پرستش نہیں سمجھتا کیوں کہ وہ خدائے واحد کا عبادت گذار اور صرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔

لیکن غیر مسلموں کے معبودوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ ہونے کے باوجود اسلام نے اس سے منع کیا ہے کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا جائے۔

اسی طرح قرآن کریم کی تعلیم یہ بھی ہے کہ اسلام دنیا میں کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ وہ پیغام ہے جو ابتدائے پیدائش سے اللہ نے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں تک اپنے رسولوں کی معرفت بھیجا ہے۔ لیکن جو پیغام رسول لاتے رہے وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ کہیں اس کے محو ہونے کے اسباب ارضی یا سماوی حادثات تھے۔ کہیں یہ انسانی دستبرد سے بگڑا اور کہیں امتداد زمانہ سے بھلا دیا گیا۔

بالآخر خدا کا وہی پیغام ایک آخری اور مکمل ایڈیشن یعنی قرآن کی شکل میں انسان کو دے دیا گیا اور اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا گیا کہ وہ مستقبل کے آخری لمحہ تک نہ مٹ سکتا ہے اور نہ بھلایا جا سکتا ہے۔

جہاں تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس کے پاس وہی کتاب موجود ہے جو اس کے رسول نے دی تھی۔

وہیں تاریخ اس بات کی بھی شہادت دیتی ہے کہ قرآن کریم حرف بحرف وہی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دیا تھا۔

لیکن قرآن پر ایمان لانے والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات پر بھی ایمان لائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب خدا کی طرف سے بھیجے گئے رسول تھے۔

اس طرح رسولوں کی صداقت پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لیے پہلی اور لازمی شرط ہے۔

جب یہ بات بلا شبہ واضح ہوگئی کہ ہر قوم میں خدا کے رسول آتے رہے ہیں اور ان رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے تو اگر کوئی قوم اپنے کسی بزرگ کے متعلق یہ کہے کہ وہ خدا کا رسول اور ایشور کا دوت تھا، تو ہمیں اس کی عزت کرنی چاہیے۔

کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ان ہی رسولوں میں سے ہو جس کی صداقت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس کی تعلیمات یا حالات قرآن کی تعلیمات اور اس کے معیار پر پورے نہ اتریں تو دو صورتوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ بانی مذہب اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا یا اس کے متعلق بعد میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنے والوں نے رنگ آمیزی سے کام لیا ہے اور اس کی تعلیمات میں تحریف کردی ہے۔ چونکہ آج حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دونوں میں سے کون سی صورت درست ہے؟ اس لئے احتیاط کی بنا پر یہی مناسب ہے کہ ان سب بانیان مذہب کی عزت کی جائے۔ البتہ ان کی طرف منسوب کی ہوئی غلط باتوں کو صحیح نہ سمجھا جائے۔

مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معاملہ میں بھی عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

پرانی ضرب المثل ہے کہ "محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔" یہ جذبات و خواہشات کے پتلے انسان کا فتویٰ ہے۔

لیکن قرآن کریم کے نزدیک، جو اللہ کا قانون ہے، محبت اور دشمنی کے جذبات اصول پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ. وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. "اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

اسی قرآنی قانون کا نتیجہ ہے کہ بارہا مسلم قاضیوں نے مسلمان اور غیر مسلم کے مقدمہ میں غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا کیوں کہ یہی عدل کا تقاضہ تھا۔

مسلمان پر جس طرح دوسرے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اسی طرح ان غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت بھی فرض ہے جو مسلمانوں کے زیر معاہدہ ہوں۔

بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِداً لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. "اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم زیر معاہدہ (رعایہ) کو قتل کرے گا وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔"

یہی نہیں کہ غیر مسلم کے ساتھ انصاف کی تاکید کی گئی ہے بلکہ زیادتی اور بدسلوکی کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ ''اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتے۔ تم برائی کو بہتر سے بہتر روش کے ذریعہ دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جس سے دشمنی تھی وہ (ایک دن اچانک) تمہارا گہرا دوست بن گیا ہے۔''

موجودہ دور میں قومیت اور وطنیت کے جذبے نے انسانوں کو خونخوار بھیڑیا بنا دیا ہے۔

دوسری قومیں تو دشمنوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنا جانتی ہی نہیں، دوسروں کو برباد کئے بغیر ان کی دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہی نہیں ہوتی۔

لیکن قربان جایئے اسلام کے کہ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور عدل و انصاف کی تاکید کی ہے۔

اسلام کی تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ جب مسلمانوں کو حکومت ملی تو انہوں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ انتہائی رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا۔

عہد فاروقی میں جب یروشلم فتح ہوا تو مسلمانوں نے بحیثیت فاتح مغلوب سے جو معاہدہ کیا تھا وہ اس طرح تھا:

''یروشلم کی غیر مسلم رعایا کی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیبوں اور ہر چیز جو ان کی ملکیت میں ہے، کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کی زمینوں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔ ان کے کلیساؤں کو نہ تو منہدم کیا جائے گا اور نہ انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کے اوقاف اور ان کے وقار کو بحال رکھا جائے گا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں ہر قسم کی آزادی ہوگی اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔''

اسلام نے غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ مگر مذہب کے معاملے میں ان کے ساتھ زبردستی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

کیونکہ مذہب قبول کرنے کا تعلق دل سے ہے اور دل کو عمدہ اخلاق اور بہترین نصیحت سے بدلا جا سکتا ہے، زبردستی نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ. ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔''

بلکہ اسلام نے رواداری اور مذہبی آزادی کی اس حد تک تعلیم دی ہے کہ جنگ کے دوران بھی اگر دشمن قوم کا کوئی فرد تمہارے قابو میں آجائے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں بتایا گیا:

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ. ''اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آکر پناہ لے تو اسے پناہ دو تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے۔ اس کے بعد اپنی حفاظت میں اس کو اس کی جگہ پہنچا دو۔''

رہا مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کا معاملہ، تو اس کے لئے قرآن مجید نے یہ طریقہ سکھایا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. ''لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے طریقہ پر بلاؤ اور ان سے احسن طریقے سے مباحثہ کرو۔''

یعنی یہ نہ ہو کہ تم مخالف کی دیکھا دیکھی آپے سے باہر ہو جاؤ۔ تم پر طیش کا غلبہ ہو جائے اور سخت کلامی پر اتر آؤ اور ان کے مذہب اور پیشوانِ دین کی توہین و تذلیل کرنے لگو۔

اس سلسلے میں تو یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ مذاہب و پیشوایان دین تو الگ رہے، پتھر کے بتوں کو بھی برا نہ کہو۔ اس لئے کہ ان کے پوجنے والے اپنی بے علمی اور ناسمجھی سے تمہارے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

اگر کسی کی گمراہی اور ضلالت بیان کرنی ہو تو بغیر جوش میں آئے اس کی قباحت بیان کرو اور اسلام کی صداقت اور اس کی خوبیوں کو واضح کر دو۔ اب مقابل کو اختیار ہے کہ چاہے حق کو مانے یا انکار کر دے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ حق اللہ اور حق العباد۔

اور اسلام کی نظر میں دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

لیکن دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ انسانی حقوق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی درجہ وار تفصیل بیان کرتا ہے۔

اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب میں انسان اور حیوان کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں قائم کیا گیا ہے۔

مثلاً بودھ کی تعلیمات میں انسان اور حیوان کے درمیان اور پھر انسانوں میں اہل ملک، قوم، قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

پھر سرے سے رشتہ دار اور قرابت کی اس میں کوئی دفعہ ہی نظر نہیں آتی۔

اسی طرح ہندو قانون میں ایک جانور (گائے) اور ایک انسان کا قتل برابر کا درجہ رکھتا ہے اور ایک جانور اپنی کسی منفعت رسانی کے باعث انسان کی ماں کا درجہ پا سکتا ہے۔

یہودیت اور عیسائیت میں تمام قرابت داروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے برترانہ حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسرے قرابت داروں اور رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے اور حسب ترتیب ہر ایک کی وضاحت کی ہے۔ اس ترتیب کا فلسفہ یہ ہے کہ جس کا درجہ بڑھ کر ہے اس کے ساتھ تعلقات کی وابستگی دہری، تہری ہوتی ہے۔

مثلاً ایک شخص ہے جو ایک وقت میں ایک ہی کی مدد کر سکتا ہے۔ اس کی ایک غریب ماں ہے، ایک غریب اور بیمار باپ ہے، ایک کمزور اور محتاج بھائی ہے، اسی طرح اس کا رشتہ دار بھی ہے، اسی صورت حال سے اس کا ایک پڑوسی بھی دوچار ہے، اسی حال میں اس کا ایک ہم محلّہ بھی ہے اور اسی حالت میں اس کا ایک ہم وطن بھی ہے تو اس کو کس کی امداد کرنی چاہئے؟

یہی وہ مواقع ہیں جن پر تدریجی تعلقات کی ترتیب کا سوال پیش آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلقات کے دہرے تہرے حقوق پہلے ماں کے ہیں، پھر باپ کے، پھر بھائی کے، پھر رشتہ داروں اور قرابت داروں کے، پھر پڑوسی کے اور پھر ہم محلّہ کے، اور اسی ترتیب سے ان کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

یہ نیکی نہ ہوگی کہ کوئی شخص اپنی بیمار ماں یا معذور باپ کو چھوڑ کر اپنے بیمار اور غریب پڑوسی کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو یہ ایثار نہیں بلکہ ظلم ہوگا۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے او پر مزید زحمت گوارہ کر کے دونوں کے حقوق کو ادا کرے۔ اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔

شریعت محمدی نے اسی فطری ترتیب کو قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں بتایا گیا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ.

''والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو۔''

سورۂ بقرہ میں یوں ارشاد ہوا:

قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ. ''کہہ دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔''

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حقوق والدین واولاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ.
اَمَّا بَعْدُ. اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ۚ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصٰلُہٗ
فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ.

حضرات! اللہ رب العالمین ہی ہمارا منعم حقیقی ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا، ہمیں سالم اعضاء عطا فرمائے، طاقت وقوت دی، سماعت وبصارت کی دولت سے نوازا، عقل وفہم عطا فرمائی۔ وہی ہے جو بیماری میں صحت، پریشانی میں عافیت، مصیبت میں صبر اور دکھ درد میں آرام دیتا ہے۔ وہ مالک ہمیں حکم دیتا ہے:

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ. ''کسی کی بندگی نہ کرو سوائے اس کے۔''

اب ہمیں اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کرنی ہے، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا اور ادا کرنا ہے، آقا کی سپرد کی ہوئی خدمتوں کو انجام دینا ہے اور اپنے اختیارات اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو حاکم اصلی کے قانون اور اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور فرمانبرداری کا مطلب ہے کہ انسان کی ساری زندگی اور زندگی کا ایک ایک شعبہ اللہ کی بندگی میں بسر ہو، وہ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقتی بندہ سمجھے، اس کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اس کی عبادت سے خالی نہ ہو اور وہ جو بھی کرے اس کی شریعت کے مطابق کرے۔

اس کا سونا جاگنا، اس کا کھانا پینا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا لین دین کرنا، اس کی تجارت و زراعت، اس کی گفتگو اور بات چیت اللہ کے قانون شرعی کی پابندی میں ہوں۔

یہ نہیں کہ اپنے اوقات سے تھوڑا سا وقت اس کی عبادت کے لئے الگ کر لیا اور اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھوڑے سے وقت میں عبادت کے چند مخصوص مراسم ادا کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ میں نے اللہ کا حق ادا کر دیا۔ اب میں آزاد ہوں کہ اپنی زندگی کے معاملات کو جس طرح چاہوں انجام دوں۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ملازم، جسے آپ نے رات دن کے لئے نوکر رکھا ہو اور جسے پوری تنخواہ دے کر آپ اس کی پرورش کر رہے ہوں، وہ بس صبح شام آ کر آپ کو جھک جھک کر سلام کر لیا کرے۔ اور اس کے بعد آزادی کے ساتھ جہاں چاہے جائے یا جو جی چاہے کرے۔

اسی طرح جو شخص دنیا اور اس کے معاملات سے الگ ہو کر اپنا سارا وقت صرف نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، قرآن پڑھنے اور تسبیح پھرانے میں صرف کر دیتا ہے۔ ان کے علاوہ اور جتنے احکام ہیں انہیں پس پشت ڈال دیتا ہے اور جن جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں سب کو پامال کر دیتا ہے، نہ اس کے اخلاق ٹھیک ہیں نہ معاملات درست ہیں، نہ وہ چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے نہ بڑوں کا ادب، نہ اسے حلال و حرام کی تمیز ہے نہ جھوٹ اور غیبت سے پرہیز ہے۔

ایسے شخص کی مثال اس نوکر کی سی ہے جسے آپ نے اپنی دوکان یا اپنے کارخانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ مگر وہ دوکان اور کارخانہ اور اس کے کاروبار کو چھوڑ کر آپ کے سامنے ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔

صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک آپ کو مالک مالک پکارتا رہتا ہے اور کارخانہ اور دوکان کے متعلق آپ نے اسے جو ہدایات دی ہیں انہیں بس پڑھتا اور دہراتا رہتا ہے۔ اور آپ کی ہدایت کے مطابق ان کی اصلاح و ترقی کے لئے کوئی بھی کام نہیں کرتا، ایسے نوکر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. ’’اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘

یعنی اے ایمان والو! میرے کل احکام کو بجالاؤ۔ کل ممنوعات سے بچ جاؤ، کل شریعت پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اپنی پوری زندگی اسلام کے تحت لے آؤ تمہارے طور طریقے وہی ہوں، اسلام نے جن کی تعلیم دی ہے، تمہارے سعی و عمل کے راستے سب کے سب اسلام کے تابع ہوں، تمہارے تمام معاملات ان ہی خطوط پر انجام پائیں جو اسلام نے کھینچ دیے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصوں میں تقسیم کر کے بعض میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں سے یہ فرمایا: اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ. ''اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔'' وہیں اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا: وَبِالْوَالِدَیْنِ اَحْسَانًا. ''اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

اس لئے بندے کا فرض ہے کہ اللہ کی لاشریک بندگی کرے کیوں کہ اسی نے اس کو پیدا کیا ہے اور حقیقتاً اس کے والدین ہی اس کی ایجاد کا ذریعہ بنے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ ہی والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ لقمان میں یوں ارشاد ہوا:

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ. ''میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا بھی احسان مند رہو۔''

ماں باپ کا احسان مند رہنا اس لئے ضروری ہے کہ وہی دنیا میں اولاد کی تربیت اور پرورش کرتے ہیں، انسان جب ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو ماں اس کے حمل کے زمانہ سے ولادت تک طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتی ہے۔

پھر جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو دودھ پلاتی ہے اور بول و براز سے اس کو پاک صاف کرتی اور اس کی ایذاؤں کو برداشت کرتی ہے۔ اور اس پر اپنے آرام و راحت اور جان و مال قربان کر دیتی ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح باپ بھی اس کو نہ صرف دل سے محبوب رکھتا ہے بلکہ اس کے کھانے پینے کی تمام ضروریات مہیا کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کرتا ہے اور اس کا سارا بوجھ اپنے سر رکھتا ہے۔

اس لئے ماں باپ کے بڑے حقوق ہیں۔ اور اسلام نے ان کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

والدین کی عزت، ان کی خدمت و اطاعت حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یکساں طور پر ضروری قرار دی گئی ہے۔

اور ان کا درجہ اللہ کے بعد انسانی رشتوں میں سب سے بڑا بتایا گیا ہے اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت اور خدمت کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

توریت میں توحید کی تعلیم کے بعد ہی والدین کی تکریم اور خدمت کی تاکید کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتہا یہ ہے کہ توریت نے قانونا یہ حکم نافذ کیا کہ ”جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے اسے قتل کر دیا جائے گا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل میں بھی والدین کے سلسلے میں اسی قسم کے احکام ہیں۔

نبوت محمدی کا وجود ہی اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوا ہے۔

اس نے توریت وانجیل کی طرح نہ صرف والدین کی عزت اور ان کی خدمت اور دلجوئی کی تاکید کی ہے بلکہ اس مسئلہ کے ہر گوشہ کو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔

اس نے سب سے پہلے ماں باپ کی مشترکہ حیثیت کی تفصیل بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ ماں باپ میں سب سے پہلا درجہ ماں کا ہے۔ عورت کی فطری کمزوری، اس کی بے چارگی، وضع حمل اور اولاد کی پرورش کی مشقتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنا، ماں کی بڑائی اور اس کی خدمت و فرمانبرداری کرنے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ. ”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ماں نے تو اسے تھک تھک کر (اپنے پیٹ میں) اٹھایا اور دو برس میں دودھ چھوٹا، تو میری اور اپنے والدین کی شکر گذاری کیا کر (یاد رکھ) اور میری طرف لوٹ آنا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی مزید تاکید فرمائی ہے۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا: ”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟“

فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔ پوچھا، اس کے بعد؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ پوچھا: اس کے بعد؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: ”میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ہجرت پر بیعت کروں اور میں نے اپنے ماں باپ کو روتے ہوئے چھوڑا ہے۔“

آپؐ نے فرمایا: ”اپنے ماں باپ کی طرف واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ جس طرح تم نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں رلایا ہے۔"

ابو یعلیٰ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: "میں راہِ خدا میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں مگر مجھے اس پر قدرت نہیں ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ہے؟ اس نے کہا: "میری ماں ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک میں اللہ کو پانے کی کوشش کرو، جب تم ایسا کرو گے تو تم حاجی ہو، تم عمرہ کرنے والے ہو، تم مجاہد ہو۔"

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا: "میری حسن محبت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "تمہاری ماں۔" پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: "تمہاری ماں۔" پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: "تمہاری ماں۔" پوچھا پھر کون؟ فرمایا: "تمہارا باپ۔"

ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی خوشی والدین کی خوشی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔"

ابن ماجہ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟" فرمایا: "تیری جنت و دوزخ وہی دونوں ہیں۔"

اور بیہقی کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: "ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، نفلی نماز، روزہ، صدقہ، حج، عمرہ، غرض تمام چیزوں سے افضل ہے۔"

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "جو آدمی اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ ماں باپ اس سے خوش ہوتے ہیں، اس کے لئے دو دروازے جنت کی طرف کھل جاتے ہیں اور اگر صرف ماں یا صرف باپ زندہ ہو اور وہ اس سے خوش رہے تو ایک دروازہ جنت کی طرف کھل جاتا ہے۔ اور اگر اس حالت میں صبح کرے کہ والدین اس سے ناراض ہوں تو اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر صرف ماں یا صرف باپ ناراض ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور یہ حکم ہر حالت میں ہے۔ خواہ اس کے والدین اس کے ساتھ انصاف کرتے ہوں یا بے انصافی اور ظلم کرتے ہوں۔"

بیہقی ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ارشاد فرمایا: ''جو سعادت مند لڑکا اپنے والدین کو مہربانی کی نظر سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر پر حج مبرور لکھتا ہے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: ''اگر چہ روزانہ سو مرتبہ دیکھے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں اللہ کی ذات بہت بڑی اور پاک ہے۔''

جامع صغیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

نسائی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: ''میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، مجھے مشورہ دیجئے۔'' آپؐ نے پوچھا: ''کیا تیری ماں ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''ہاں ماں تو ہے۔'' فرمایا: ''اسی کے پاس رہ، جنت اس کے پاؤں کے نزدیک ہے۔''

احمد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص رزق کی کشادگی اور عمر کی زیادتی کا خواہش مند ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟'' آپؐ نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا: ''ہاں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔''

طبرانی میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں نماز پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور زکوٰۃ دیتا ہوں۔ مجھے کیا اجر ملے گا؟''

آپؐ نے فرمایا: ''تو قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا بشرطیکہ تو ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔''

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بڑے بڑے گناہوں میں ایک بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے۔''

لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے فرمایا: ''دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے ماں باپ کو گالی دینا۔ کیوں کہ جب تم دوسرے کے ماں باپ کو برا کہو گے تو وہ یقیناً اس کے بدلہ میں تمہارے ماں باپ کو برا کہے گا۔''

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر فرمایا، آمین۔ پھر دوسری سیڑھی پر قدم رکھ کر فرمایا، آمین۔ پھر تیسری سیڑھی پر قدم رکھ کر فرمایا، آمین۔

جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو صحابہؓ نے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! آج ہم نے ایک نئی بات دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا بات دیکھی؟''

صحابہؓ نے عرض کیا: ''آج آپ نے خلاف معمول منبر پر چڑھتے ہوئے ہر سیڑھی پر آمین کہا۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی۔'' میں نے کہا آمین۔

پھر میں نے جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے فرمایا: ''ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔'' میں نے کہا: آمین۔

پھر جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل نے کہا: ''ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ بن جائے۔'' اس پر میں نے کہا: آمین۔

ان تعلیمات سے اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ والدین کی خدمت و اطاعت بہت بڑی نیکی ہے اور ان کے حقوق سے غفلت کرنا اللہ کی شدید ترین ناراضگی کا سبب ہے۔

لیکن حقوق کے معاملہ میں اسلام نے سب سے پہلے ماں کو اہمیت دی ہے۔ اور ماں کی یہ اہمیت بالکل فطری ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ انسان اپنے وجود میں سب سے زیادہ جن ہستیوں کا ممنون ہے وہ اس کے ماں اور باپ ہی ہیں۔

لیکن اس معاملہ میں باپ کی کوششیں چند قطروں اور چند لمحوں سے زیادہ کی نہیں ہوتیں۔

مگر ماں ہی وہ ہستی ہے جس نے بچے کو اپنا خون پلا پلا کر بڑھایا اور نو مہینے تک ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کر کے اپنے پیٹ میں رکھا اور وضع حمل کے ناقابل برداشت تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔

پھر اس نوزائیدہ مضغۂ گوشت کو دودھ کی شکل میں اپنا خون پلایا اور اس کی پرورش و پرداخت میں اپنی راحت کو قربان کر دیا۔ اپنا ہر آرام ترک کر دیا اور اپنی ہر خوشی نچھاور کر دی۔

ان باتوں کے پیش نظر کیا انسان اپنے وجود میں ماں سے بڑھ کر بھی کسی کا محتاج ہے؟

اس لئے شریعت مطہرہ نے اپنی تعلیمات میں ماں کو جو برتر از برتر مقام عنایت فرمایا ہے وہ بجا طور پر اس کی سزاوار ہے۔

ماں کے ساتھ جو دوسری ہستی اس کی تولید و تکوین میں شریک ہے، وہ باپ ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی نشوونما اور پرورش میں ماں کے بعد سب سے زیادہ باپ ہی کی جسمانی و مالی کوششیں شامل ہیں۔

اس لئے بچہ جب عہد طفلی سے گذر کر سن شعور اور سن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی اس حاصل شدہ قوت کا شکرانہ ماں باپ کی خدمت کی صورت میں ادا کرے۔

چنانچہ اسلام نے پہلے آسمانی صحیفوں کی طرح والدین کی عزت اور خدمت کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کی اطاعت، ان کی دلدہی اور ہر طرح سے ان کی مدد کو فرض قرار دیا۔ اور یہاں تک تاکید کی کہ ان کی کسی بات پر اف نہ کرو، ان کے سامنے ادب سے جھکے رہو اور انہی کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی سمجھو۔ اور اس بات کو نہ بھولو کہ انہوں نے تمہاری خاطر کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں، تمہاری خاطر کتنی راتیں جاگ جاگ کر گذار دیں، تم ذرا سا بیمار ہوئے اور وہ بیچارے گھنٹوں تمہاری خدمت میں لگے رہے، تم ذرا سی تکلیف میں مبتلا ہوئے تو وہ تمہاری اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے خود ہزاروں تکلیفیں اٹھانے کو تیار ہو گئے۔ انہوں نے تمہاری خاطر کبھی دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا، انہوں نے تمہیں خوش و خرم رکھنے کے لئے خود کیسے کیسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنج وغم برداشت کیے، تمہاری ذرا سی پریشانی انہیں کس قدر پریشان کر دیتی تھی، تمہاری ذرا سی تکلیف سے انہیں کس قدر تکلیف پہنچتی تھی، تمہارے چہرے کی ہلکی سی افسردگی ان کی تمام خوشیوں کو غموں میں بدل دیتی تھی اور تمہاری آنکھوں سے گرے ہوئے آنسو کا ایک قطرہ ان کے دل پر نہ جانے کتنی چنگاریاں گرا دیتا تھا۔

والدین اکثر حالات میں کمزور اور محتاج ہوتے ہیں اور اولاد طاقتور۔ اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک کا محرک کوئی مفاد نہیں ہوتا بلکہ صرف حق شناسی ہوتا ہے۔

اس طرح والدین کے حقوق ادا کرنے کا معاملہ آدمی کے لئے اس بات کا سب سے پہلا امتحان بن جاتا ہے کہ اس نے اللہ کے دین کو قول کی سطح پر اختیار کیا ہے یا عمل کی سطح پر؟

اگر وہ والدین کی کمزوری کے بجائے ان کے حقوق کو اہمیت دے اور اگر اپنے دوستوں اور اپنے بیوی بچوں کی محبت اس کو والدین سے دور نہ کرے تو گویا اس نے اس بات کا پہلا ثبوت دے دیا کہ اس کا اخلاق اصول پسندی اور حق شناسی کے تابع ہوگا نہ کہ مفاد اور مصلحت کے۔

قرآن مجید میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنے کی تاکید بارہ مختلف آیات میں کی گئی ہے۔

حسن سلوک میں ادب، تعظیم، رضا جوئی، اطاعت اور خدمت سب داخل ہیں۔

والدین کے اس حق کو قرآن مجید نے ہر جگہ توحید کے حکم کے بعد ہی بیان کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم حق انسان پر اس کے والدین کا ہے۔

سورۂ بقرہ میں یوں ارشاد ہوا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ ''یاد کرو، بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔''

یہ آیت گو اس حکم کا اعادہ ہے جو توریت کی آیات میں ہے، لیکن توریت کی طرح صرف والدین کی عزت اور ان سے ڈرنے کے محدود الفاظ نہیں ہیں بلکہ نیکی کرنے کا وسیع معنی استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے اندر ہر قسم کی مدد، خدمت، اطاعت اور عزت کا مفہوم پیدا ہے۔

سورۂ نساء میں توحید کے حکم اور شرک سے ممانعت کے بعد ہی والدین کے ساتھ بھلائی کی تاکید کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. ''اور اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''

کفار مکہ نے اپنے وہم وخیال اور قدیم رسم ورواج سے حلال وحرام کی ہزاروں رسمی اور خیالی باتیں پیدا کر لی تھیں۔

انہیں خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. ''اے محمد! ان سے کہو، آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا کیا پابندیاں عائد کی ہیں، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

یعنی تمہارے خود ساختہ حلال وحرام کے قیود درست نہیں ہیں، آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ حرام چیزیں کیا ہیں؟ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہ آنا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ کی توحید کے بعد ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ دی جاتی ہے کہ ان سے اف بھی نہ کرو۔ ان کے ساتھ عاجزی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ، بڑھاپے میں ان کی خدمت اور ناز برداری کرو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. ''تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام سے بات کرو اور نرمی اور شفقت کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

اللہ کی دائمی اور غیر متبدل شریعت میں شرک سے زیادہ بری کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر بھی اگر کسی کے ماں باپ مشرک ہوں تو اس حالت میں بھی ان کی خدمت سے باز رہنا روا نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ شرک پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں تو ان کی یہ بات قبول نہ کی جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. ''اور اگر تیرے ماں باپ زور زبردستی سے یہ کہیں کہ اللہ کے ساتھ اس کو شریک کر جس کے لئے تیرے پاس کوئی سند نہیں ہے، تو ان کا کہنا مت مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق رہ۔''

یعنی اگر تمہارے ماں باپ بت پرست ہوں اور تمہیں بھی بت پرستی کی دعوت دیں تو ان کی اس بات کو نہ مانو لیکن ان کی خدمت اور حسن سلوک میں کوئی کمی یا فرق نہ آنے پائے۔

اپنے ماں باپ کے لئے ایمان پر خاتمہ اور ان کی مغفرت کی دعا کرنا حضرات انبیاء کرام کا شیوہ رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ اگر چہ بت پرست تھا پھر بھی انہوں نے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ. ''اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنے والدین کے حق میں یہی دعا کی تھی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ. ''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔''

جو لوگ والدین کی خدمت کرتے ہیں، ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ان نیکیوں کے بدلے ان کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اپنی خوشنودی کی لازوال دولت عطا کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ احقاف میں ارشاد ہوا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ.

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے، ماں نے تکلیف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا، اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھٹنا تیس مہینوں میں پورا ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر ہوئی تو کہنے لگا، پروردگار! مجھے ایسی توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے تو راضی ہو۔ اور میری اولاد کو بھی نیک کردے۔ میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں تیرا فرماں بردار ہوں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں ہم قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگذر کریں گے، بہشت والوں میں، سچا وعدہ (پورا ہوتا) جوان سے کیا جاتا تھا۔"

چند واقعات:

طبرانی میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز واقعہ منقول ہے۔ یہ ایک نیک سیرت اور بزرگ صحابی گذرے ہیں۔ جب یہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپؐ نے چند صحابہ جیسے حضرت بلال، حضرت صہیب رومی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ علقمہ کو کلمہ شہادت کی تلقین کریں۔

جب یہ حضرات ان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق انہیں کلمہ شہادت کی تلقین کی تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ علقمہ کی زبان سے کلمہ نہیں ادا ہو رہا ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے اس حیرت انگیز صورت حال کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔

آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا علقمہ کی ماں زندہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ باپ کا انتقال ہو چکا ہے، البتہ ماں زندہ ہے۔ آپؐ نے علقمہ کی ماں کو اطلاع دی کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان کی بوڑھی ماں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف نہ فرمائیں میں خود حاضر ہو رہی ہوں۔ جب وہ آپؐ سے ملیں، تو آپؐ نے پوچھا: "علقمہ کی ماں سچ سچ بتاؤ، علقمہ کا کیا حال ہے؟"

اس نے کہا: "یارسول اللہ! علقمہ بڑا نمازی، بڑا روزہ دار اور بڑا خیرات کرنے والا ہے، البتہ میں اس سے ناراض رہتی ہوں۔"

آپؐ نے ناراضگی کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے بتایا: "وہ میری نافرمانی کرتا ہے اور مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیتا ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے فرمایا: ''بس تمہاری ناراضگی کی وجہ سے ہی علقمہ کی زبان نہیں کھل رہی ہے اور اگر اسی حال میں اس کی موت ہوگئی تو اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا، اگر تو اس کی خطا معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔'' لیکن اس نے انکار کر دیا۔

تب آپؐ نے نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ لگاؤ اور علقمہ کو اس آگ میں ڈال دو۔

یہ سن کر ماں گھبرا گئی اور اس نے حیرت سے دریافت کیا کہ میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

بوڑھی ماں بولی: ''یا رسول اللہ! میں ناراض ہونے کے باوجود یہ گوارہ نہیں کر سکتی کہ میرا بیٹا آگ میں ڈالا جائے۔

آپؐ نے فرمایا: ''اگر تیری ناراضگی کی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس سے بھی تیز آگ (دوزخ) میں اسے جلنا ہوگا۔ اگر تو چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور اسے جہنم سے نجات مل جائے تو تو اس سے راضی ہو جا اور اس کی غلطیاں معاف کر دے۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، علقمہ اپنے روزہ، نماز اور خیرات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک تو اس سے ناراض رہے گی۔''

یہ سن کر بڑھیا ماں نے کہا: ''میں آپ کو اور تمام لوگوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے علقمہ کی خطائیں معاف کر دیں۔ اتنا ہونا تھا کہ فوراً علقمہ کی زبان کھل گئی اور کلمہ شہادت جاری ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماں کی ناراضگی کی وجہ سے ان کی زبان بند تھی اور اس کی رضامندگی سے کھل گئی۔''

علقمہ کے کفن و دفن سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی ماں پر اپنی بیوی کو ترجیح دے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی نفلی عبادت قبول کرے گا، نہ فرض عبادت، اِلّا یہ کہ وہ توبہ کرے اور ماں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور اسے خوش رکھے۔''

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''بار الٰہا! مجھے اس سے ملا جو جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، شہر کے فلاں بازار میں جاؤ، وہاں ایک قصاب ہے جو گوشت بیچنے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاروبار کرتا ہے، اس کا حلیہ اس طرح ہے، وہی جنت میں تمہارا رفیق ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی دوکان کی طرف گئے اور سورج غروب ہونے تک وہیں کھڑے رہے۔

دوکان بند کرنے کے بعد قصاب نے گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں ڈالا اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ آج رات تم مجھے اپنا مہمان رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ضرور۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ اس کے گھر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ قصاب نے گوشت پکایا اور ایک زنبیل اٹھایا۔ اس میں سے ایک بہت ضعیف بڑھیا نکلی جو کبوتر کے بچے کی طرح تھی۔ قصاب نے روٹی میں بھگویا ہوا شوربہ اسے پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئی۔ پھر اس نے اس کے کپڑے دھوئے اور خشک کر کے پہنائے، پھر اسے زنبیل میں رکھ دیا۔ بڑھیا کے ہونٹ ہلنے لگے وہ کچھ کہنے لگی، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے قصاب سے پوچھا یہ کون ہے اور کھانے کے بعد وہ کیا کہہ رہی تھی؟

اس نے کہا: یہ میری ماں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ ایک دعا تھی جو وہ مجھے روزانہ دیتی ہے۔ وہ میرے لئے دعا کر رہی تھی کہ بیٹا اللہ تعالیٰ تجھے جنت نصیب فرمائے اور جنت میں تو حضرت موسیٰ کا رفیق بنے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''مبارک ہو، میں موسیٰ ہوں اور اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ تو جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جس کا نام جریج تھا۔ ایک دن وہ اپنے عبادت خانہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں نے اسے بلایا لیکن چونکہ وہ نماز میں تھا اس لئے اس نے جواب نہیں دیا۔ پھر دوبارہ اس کی ماں نے پکارا تب بھی اس نے جواب نہیں دیا۔ آخر اس کی ماں نے بددعا کر دی۔ ''یا اللہ! جریج جب تک کسی زنا کار عورت کا منہ نہ دیکھ لے نہ مرے۔''

ایک روز ایک فاحشہ عورت آئی اور اس نے جریج کو بہکانا چاہا لیکن وہ اس کے فریب میں نہیں آیا۔ آخر کار وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس سے اس کا حمل ٹھہر گیا۔ جب اس نے لڑکا جنا تو کہنے لگی یہ جریج کا نطفہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر قوم کے لوگ اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے جریج کے عبادت خانے کو توڑ دیا اور طعنہ دیا کہ یہ عابد بننے کا ڈھونگ کرتا ہے اور در پردہ اس طرح کے گھناؤنے جرم میں مبتلا ہے۔

جریج اس اندوہناک صورت حال سے بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا۔ اس کے بعد بچے کے پاس آیا اور پوچھا: ''اے بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟''

بچے کو اللہ نے قوت گویائی دی اور وہ بول پڑا: ''میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔''

تب لوگ شرمندہ ہوئے اور انہوں نے جریج کے عبادت خانے کو پھر سے بنوا دیا۔

کسی فارسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

دم مزن ہرگز خلاف مادراں　　　تا کہ مانی دور از شر زماں

''ماں کے حکم کے خلاف ہرگز دم مت مارو، تاکہ زمانے کے شر سے محفوظ رہو۔''

اولاد کے حقوق:

جس طرح اولاد پر والدین کے حقوق ہیں اس طرح والدین پر اولاد کے بھی حقوق ہیں۔

دوسری آسمانی کتابوں میں اولاد کے حقوق کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

گویا اسلام سے پہلے والدین کو اپنی اولاد پر غیر معمولی اور لامحدود اختیارات حاصل تھے مگر والدین پر اولاد کا کسی قسم کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ اسے والدین کی عظمت اور ان کے بلند مرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

لیکن شریعت محمدیؐ نے حقوق کے معاملہ میں بڑوں اور چھوٹوں میں کوئی تفریق نہیں برتی۔ اس نے جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے حقوق کو تسلیم کیا اسی طرح بڑوں پر بھی چھوٹوں کے مناسب حقوق عائد کیے اور ان کی ادائیگی کی تاکید کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت چھوٹے سے فقرے میں وہ اصول بتا دیا جو ان تمام حقوق کا نہایت جامع متن ہے۔ ان حقوق کی جس قدر تشریح کی جائے، یہ متن ان سب پر محیط ہے:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا. ''جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

''بڑے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور چھوٹے، بڑوں کا ادب و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لحاظ کریں۔''

یہ وہ اصول ہے جس پر اسلام نے چھوٹوں اور بڑوں کے باہمی حقوق کی بنیاد قائم کی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر جماعت میں چھوٹوں، بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں، بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری، تلخی اور آزردگی نہ پیدا ہوگی۔

آج کے دور میں ان تعلقات میں جو خرابیاں، دوریاں، غلط فہمیاں اور تلخیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ صرف اس لئے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کسی قوم و جماعت میں اگر یہ ترازو بے نظام ہو جائے تو بڑے سے بڑے قوانین اور دلائل کا انبار بھی اس کو برابر نہیں کر سکتے۔

والدین پر اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ جب اللہ نے انہیں یہ نعمت دی ہے اور ان کو اولاد کی زندگی کا واسطہ بنایا ہے تو وہ بالقصد ان کے نقش زندگی کو مٹانے کا سبب نہ بنیں بلکہ قوت واستطاعت کے مطابق ان کی پرورش اور نشو ونما کے تمام امکانی ذرائع مہیا کریں۔

اولاد، والدین کے سکون و راحت کا باعث اور ان کی تمناؤں کا مرکز ہوتی ہے۔ بڑھاپا میں اسے سب سے بڑا سہارا سمجھا جاتا ہے، خاندان اور قبیلہ کی بے شمار امیدیں اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ قوم و جماعت کا بہترین سرمایہ ہوتی ہے۔

اس لئے ہر ماں باپ کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس کی جسمانی نشو ونما اور اخلاقی تربیت کی فکر کریں، اسے جہالت، کمزوری، بزدلی اور ہر قسم کی غلط روش سے بچائیں۔

یہی سبب ہے کہ اسلام نے حمل کو بالقصد ضائع کرنے (اسقاط) کو گناہ قرار دیا اور پیدا ہونے کے بعد اس کو مار ڈالنے کی جاہلانہ رسم کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

قدیم زمانہ میں عربوں کے سفاکانہ مراسم میں سب سے زیادہ بے رحمی اور سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کا مار ڈالنا اور بچیوں کا زندہ درگور کر دینا تھا۔ یہ وحشت ناک کام والدین اپنی مرضی سے کرتے تھے۔

اس رسم کے جاری ہونے کے مختلف اسباب تھے۔ ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے بچوں کو دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آستانوں پر ذبح کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چڑھا دیتے تھے یا منت مانتے تھے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو بچے کی قربانی دیں گے۔

یہ قابلِ نفرت رسم نہ صرف عرب بلکہ بہت سی بت پرست قوموں میں رائج تھی۔ رومۃ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کا بالکل اختیار تھا اور اس قتل کی کوئی باز پرس نہیں تھی۔ اس طرح اولاد کشی کا کثرت سے رواج تھا۔

قرآن مجید نے نہ صرف عرب بلکہ دنیا کی تمام قوموں کے اس عقیدہ کو سراسر باطل قرار دیا ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں ارشاد ہوا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ. ''اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لئے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تا کہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے، لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔''

اسی سورۃ میں یہ بھی بتایا گیا:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ. ''یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا۔''

اس ہولناک گناہ کے ارتکاب کا دوسرا سبب عربوں کا عام فقر و فاقہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہوئی تو اس کے خورد و نوش کا سامان کرنا پڑے گا، اس کی آمدنی میں اس کی اولاد بھی شریک ہو جائے گی، کھانے والے منہ کمانے والے ہاتھ سے زیادہ ہو جائیں گے اور ان کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں گی۔

اس لئے وہ اولاد کے خون سے ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہو جایا کرتے تھے۔

اسلام نے اس بے رحمی اور سنگ دلی کی سخت مذمت کی اور اسے سنگین جرم قرار دیا اور یہ بتایا کہ ہر بچہ اپنا رزق اور اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے۔ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوچنا اللہ کی رزاقی پر بہت بڑی بے اعتمادی ہے کہ جس بچے کو اس نے پیدا کیا وہ اسے بھوکوں مار دے گا۔

اور یہ بھی بتایا کہ کوئی انسان کسی انسان کو نہیں کھلاتا بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر جاندار کی روزی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا میر ساماں ہے۔

اس نے قرآن مجید کی سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. ''اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔''

قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں عربوں کو یہ تعلیم دی گئی:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا. ''اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ دراصل ان کا قتل ایک بہت بڑا جرم ہے۔''

قرآن کی اس آیت نے ان تمام معاشی بنیادوں کو قطعی منہدم کر دیا ہے جس پر قدیم زمانے سے آج تک مختلف زمانوں میں قتل اولاد کی تحریک اٹھتی رہی ہے۔

قدیم زمانہ میں افلاس کا خوف قتل اولاد اور اسقاط حمل کا محرک تھا۔

اور یہی چیز موجودہ دور میں منع حمل کی شکل میں ہے جس کے لئے تمام ممکنہ ذرائع آزمائے جارہے ہیں لیکن اسلام انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ کھانے والوں کو گھٹانے کی تدبیریں کرنے کے بجائے وہ اپنی قابلیتیں اور صلاحیتیں ان تعمیری کوششوں میں صرف کرے جن سے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق رزق میں افزائش ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت جس کا ذکر ابھی ہوا، انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ اسی خدا کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین پر بسایا ہے۔

جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دیتا رہا ہے اسی طرح بعد کے آنے والوں کو دے گا۔

تاریخی تجربات بھی یہی بتاتے ہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں میں آبادی جس قدر بڑھتی گئی اسی طرح معاشی ذرائع بھی وسیع ہوتے گئے۔

اس لئے قتل اولاد چاہے وہ اسقاط کی شکل میں ہو یا منع حمل کی شکل میں، اللہ کے تخلیقی انتظام میں انسان کی بے جا دخل اندازی ہے۔

قتل اولاد کے جرم کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن نے اسے شرک کی ممانعت کے پہلو بہ پہلو جگہ دی ہے۔ سورۂ انعام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ ان عربوں نے خود ساختہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر بہت سی چیزیں حرام کر لی ہیں، انہیں بتاؤ کہ وہ اصلی چیزیں کیا ہیں جو انسان پر حرام ہیں؟

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ ''اے محمدؐ! ان سے کہو، آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں انہیں بھی دیں گے۔''

ایک بار ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''شرک'' پوچھا گیا: ''پھر کون؟'' آپؐ نے بتایا: ''والدین کی نافرمانی'' پھر عرض کیا گیا: ''اس کے بعد؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔''

ان ہی تعلیمات نے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ رزق کی کنجی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی وہی سارے جہان کا خالق ہے اور ہر بچہ آسمان سے اپنا رزق لے کر آتا ہے۔

اس ایمان و یقین نے اس ہولناک جرم کا ہمیشہ ہمیش کے لئے خاتمہ کر دیا اور سرزمین عرب اس لعنت سے بالکلیہ طور پر پاک ہو گئی۔

اولاد کشی کی ایک صورت جو سب سے زیادہ وحشت ناک تھی، وہ لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا تھا کیوں کہ عربوں کو لڑکوں سے پھر بھی مستقبل میں کچھ توقعات وابستہ تھیں کہ وہ معاشی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں گے، دشمن کا مقابلہ کریں گے اور خاندان وقبیلہ کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب بنیں گے۔

لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے لئے باعث شرم و عار تھا۔ وہ معاشی لحاظ سے بھی بوجھ تھیں اور ان کی حفاظت بھی کرنی پڑتی تھی۔ اس لئے ان کے قتل کا رواج زیادہ تھا۔

جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا۔ وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا۔ رفتہ رفتہ حالت اس حد تک پہنچ گئی کہ اس شرم و عار کو پردۂ خاک میں چھپا کر باپ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے لگے۔

قرآن مجید کی سورۂ نحل میں عربوں کی اس گھناؤنی حالت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ. ''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ وہ بس خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کسی کو کیا منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے۔''

عرب عام طور پر لڑکیوں کو بلا اور مصیبت سمجھتے تھے۔

نبوت محمدیؐ نے اس بلا اور مصیبت کو ایسی رحمت بنا دیا کہ وہ نجات اخروی کا ذریعہ بن گئیں۔ وہ حقیر ہستی جو پہلے شرم و عار کا موجب تھی، عہد محمدیؐ میں آ کر عزت و سعادت کا وسیلہ بن گئی۔ کیوں کہ اسلام نے اس بات کی تعلیم دی کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا، انہیں عمدہ تعلیم و تربیت دے کر اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی گھر والی بن سکیں، بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں لڑکیوں کے متعلق لوگوں کے عام تصور کو جس طرح بدلا ہے اس کا اندازہ آپؐ کے ان بیش قیمت ارشادات سے ہوتا ہے جو احادیث میں منقول ہیں: مثلاً

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے: ''جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔''

مسلم کی روایت ہے: ''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا۔ یہ فرما کر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔

ابوداؤد میں حدیث ہے: ''جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔''

بخاری میں روایت ہے: ''جس کے یہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے، وہ اس کے لئے جہنم کے عذاب سے بچاؤ کا سبب بنیں گی۔''

بخاری ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہؓ بن جعشم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے فرمایا: ''میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''ضرور بتایئے یارسول اللہ! فرمایا: ''تیری وہ بیٹی جو (طلاق پاکر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لئے کوئی کمانے والا نہ ہو۔''

اسلام نے ایک طرف تو بچوں کو خود ان کے ماں باپ کی طرف سے ہونے والے ظلم وستم سے بچایا۔ دوسری طرف اولاد کے بارے میں والدین کے صحیح اور فطری جذبات کی رعایت کی، ان کی پیدائش پر خوشی منانے کا شائستہ طریقہ سکھایا اور ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بہت ہی جامع اور مکمل ہدایات دیں۔ چنانچہ اس نے یہ تعلیم دی کہ بچہ ہونے پر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے۔ بچے کے کان میں اذان وتکبیر کے بہت سے مقاصد ہیں۔

اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ خوشی کے اس موقع پر اللہ کا نام لیا جائے اور اس کی بڑائی بیان کی جائے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا اعلان کیا جائے کہ بچے کے ماں باپ مومن اور مسلم ہیں اور اپنے بچے کو بھی وہ مومن اور اللہ کا فرمانبردار بنانا چاہتے ہیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے ماحول کو شیطانی اثرات سے پاک کیا جائے۔

اور چوتھا مقصد یہ ہے کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے اللہ کی عظمت وکبریائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور انسان کے بندہ ہونے کی آواز پہنچے۔ کیا عجب کہ یہ آواز غیر شعوری طور پر بچے کے دل ودماغ پر اثر انداز بھی ہوتی ہو۔

اولاد کے بارے میں شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھا جائے تا کہ اس کا بہتر تعارف ہو، بے ڈھنگا یا بے معنیٰ نام رکھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ ایسا نام بھی نہ رکھا جائے کہ جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے اپنے نام سے کوفت ہونے لگے، ایسا نام بھی نہ رکھے کہ غیر اللہ کا بندہ کہلائے، جیسے عبدالنبی، عبدالمسیح، عطاء مصطفیٰ، فضل رسول وغیرہ۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَآئِکُمْ فَاَحْسِنُوْا بِاَسْمَائِکُمْ.

''قیامت کے روز تمہیں تمہارے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا لہٰذا اپنے (اور اپنی اولاد وغیرہ کے) اچھے نام رکھو۔''

اس سلسلے میں بعض آداب بھی بتائے گئے ہیں کہ پیغمبروں اور صالحین کے نام رکھے جائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ نام تو بہت پسندیدہ ہیں جن سے بندگی اور عبدیت کا اظہار ہو جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو بدل کر اچھا نام رکھ دیتے تھے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا نام برّہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا نام عاصیہ تھا، آپ نے ان کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

غرضیکہ جو بھی ایسا نام ہوتا جس سے اللہ کی رحمت سے دوری اور نفس کی بڑائی معلوم ہوتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام بدل کر عمدہ نام رکھ دیا کرتے تھے۔ مثلاً

ایک شخص کا نام حرب (لڑائی) تھا، آپؐ نے اس کا نام سلم (صلح) رکھ دیا۔

ایک جگہ کا نام شعب ضلالہ (گمراہی کی گھاٹی) تھا، آپؐ نے اس کا نام شعب ہدیٰ (ہدایت کی گھاٹی) رکھ دیا۔

ایک آدمی کا نام عاصی (نافرمان) تھا، آپؐ نے اس کا نام بدل کر مومن رکھ دیا۔

ایک زمین ایسی تھی جس میں کوئی چیز نہ اگتی تھی، لوگوں نے اس کا نام عفرہ (بنجر زمین) رکھ دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر خضرہ (سرسبز و شاداب) رکھ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ سرسبز ہو گئی۔

اولاد کی پیدائش کے موقع پر ساتویں دن جانور ذبح کرنا اسلامی سنت ہے۔ اولاد اگر لڑکا ہے تو اس کی طرف سے دو جانور اور اگر لڑکی ہے تو ایک جانور۔ اسی کو عقیقہ کہا جاتا ہے۔ یہ اولاد کے ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور خوشی کا اظہار بھی ہے۔

ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْغُلَامُ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيْقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعَةِ وَ يُسَمّٰى وَ يُحْلَقُ رَأْسُهٗ. ''بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے رہن رہتا ہے (اس لئے) ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔''

ترمذی کی روایت کے مطابق ساتویں دن بچے کے بال اتروا کر اس کے برابر چاندی خیرات کرنی چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولاد کے سلسلے میں والدین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ کھلانے پلانے اور لین دین میں بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کریں۔

ایک بچہ اور دوسرے بچے میں فرق کرنا ناپسندیدہ ہے، اس سے ان کے درمیان بغض و حسد اور نفرت و عداوت پیدا ہوتی ہے اور ماں باپ کے سلسلے میں بچوں کے ذہن میں غلط جذبات پرورش پاتے ہیں۔

مشکوۃ میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَسَاوُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ. ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔''

اولاد میں بھی لڑکیوں کے معاملہ میں لڑکوں کو ترجیح دینا کم ظرفی اور ذلت کی بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جنت کی بشارت دی ہے جو لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک نظر سے دیکھے اور ان کے ساتھ مساوات برتے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے لڑکی ہو اور اسے وہ نہ زندہ درگور کرے، نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

والدین پر یہ بھی لازم ہے کہ بخشش اور عطیات کے معاملہ میں اپنی اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک کریں تاکہ بچے اپنے ماں باپ سے محبت کریں۔

بخشش کے معاملہ میں اپنی بعض اولاد کو بلاضرورت اور کسی خاص وجہ جواز کے بغیر ترجیح دینا حرام ہے۔

نسائی میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِعْدِلُوْا بَيْنَ اَبْنَائِكُمْ. ''اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔''

یہ بھی فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ. ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے معاملہ میں عدل سے کام لو۔''

ظاہری اور جسمانی نشوونما کے بعد اولاد کی باطنی اور روحانی تربیت کا درجہ ہے۔

قرآن مجید نے ایک انتہائی مختصر فقرہ میں اس حق کو ایسے جامع طریقہ سے ادا کر دیا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی تفسیر و تشریح میں دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں ارشاد ہوا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

اس سے مقصود ان تمام برائیوں، خرابیوں اور ہلاکتوں سے ان کی حفاظت ہے جو بالآخر انسان کو دوزخ کی آگ کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

اس طرح والدین پر اولاد کی اخلاقی تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت کا فریضہ بھی عائد کیا گیا ہے۔

یعنی والدین پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو حد استطاعت تک ایسی تعلیم و تربیت دیں جس سے وہ خدا کے اطاعت گذار بندے بن سکیں۔

ماں باپ کو صرف اسی بات کی فکر نہیں ہونی چاہئے کہ ان کی اولاد دنیا میں خوشحال ہو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس بات کی فکر ہونی چاہئے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ اسی لئے احادیث میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔

ترمذی میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی باپ نے اپنے بچے کو اچھے ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔''

اکثر باپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی اولاد کے لئے سب سے بڑی وراثت یہ ہے کہ وہ ان کے لئے مال و جائداد چھوڑ کر اس دنیا سے جائیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ خوش نصیب اولاد وہ ہے جس کے باپ نے اس کے لئے ایک بااصول زندگی وراثت میں چھوڑی ہو۔

وہ اپنی اولاد کو یہ سبق دے کر دنیا سے گیا ہو کہ اپنی محنت پر بھروسہ کرو، لوگوں سے الجھے بغیر اپنا کام کرو، اپنے واجبی حق پر قناعت کرو، دوسروں کے حقوق کی نگہداشت رکھو، حال کے فائدوں سے زیادہ مستقبل کے امکانات پر نظر رکھو، خوش خیالیوں میں گم ہونے کے بجائے حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کرو اور کسی حال میں یہ نہ بھولو کہ تم خدا کے بندے ہو اور اس کی بندگی ہی کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔

مادی وراثت سے بڑی چیز اخلاقی وراثت ہے۔ مگر بہت کم باپ ایسے ہیں جو اس حقیقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جانتے ہوں۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ. ''ہر پیدا ہونے والا فطرت (صحیح) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں یا اسے مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

اس کا مطلب صرف مذہبی حیثیت سے انہیں یہودی، عیسائی اور مجوسی بنانا نہیں ہے بلکہ اس میں ہر وہ خرابی اور بگاڑ شامل ہے جو ماں باپ کے ذریعہ ان کی اولاد میں پیدا ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر پیدا ہونے والا فطرت (صحیح) پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ بولنے لگے، پھر جب وہ بولنے لگتا ہے تو وہ شکر گذار یا ناشکرا بن جاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ والدین یا تو اپنے بچوں کو نیک عمل بناتے ہیں یا ان کو بدعمل بنا دیتے ہیں۔

بچہ کا ماحول اس کی سب سے پہلی درس گاہ ہے اور بچہ کے والدین اس کے سب سے پہلے استاد ہیں۔

جہاں تک اولاد کے لئے دینی تعلیم کا مسئلہ ہے، لوگ لڑکوں کے لئے تو کسی نہ کسی حد تک اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں لیکن لڑکیوں کے بارے میں اس کی کوئی خاص اہمیت محسوس نہیں کی جاتی اور اس معاملہ میں بہت زیادہ غفلت برتی جاتی ہے۔

اسلام نے اس کی اہمیت واضح کی ہے، اسے بہت بڑا کار ثواب بتایا ہے اور اس پر جنت کی خوشخبری دی ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو ادب اور اخلاق سکھایا (پھر) ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیا، تو اس کے لئے جنت ہے۔''

اسلام اس بات سے منع نہیں کرتا کہ انسان اپنے بچوں سے محبت نہ کرے، البتہ وہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ یہ محبت اور تعلق اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے۔

اس طرح ایک طرف اس نے بچوں کی پرورش، نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈالی ہے تو دوسری طرف اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اپنی اولاد کی خاطر دین واخلاق کو بھول جانا اور حلال وحرام کی تمیز کے بغیر ان کی خواہشات کی تکمیل میں لگ جانا درحقیقت اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینا ہے۔

یہی بات قرآن مجید کی سورۂ منافقون میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. ''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ اس طرح غافل ہو جائیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

اولاد کو نیک اور سعادت مند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی نیکی اور سعادت مندی کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

ارشاد خداوندی کے مطابق، اللہ کے نیک بندے جس طرح اپنے ماں باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ان کی توفیق چاہتے ہیں اسی طرح وہ اپنی اولاد کے حق میں اپنی کوششوں کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔

وَاَصْلِحْ لِيْ ذُرِّيَّتِيْ. ''اور میری اولاد کو بھی نیک کر دے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو صالح اور ہر طرح کارآمد بنانے کی تدبیر اور دعا بھی ایک اچھے والدین کا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ فرقان میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ. ''اور (جنت کے مستحق وہ بھی ہیں) جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔''

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نکاح وحقوق الزوجین

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَا اَنۡ هَدَانَا اللّٰهُ. اَمَّا بَعۡدُ.

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً.

حضرات! تمام تعریف اور ہر قسم کی بزرگی اور عظمت، اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لئے لائق اور زیبا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کو ہمارے فائدے کے لئے بنایا۔

جیسا کہ ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس کائنات کا ہر جزء اللہ کے بنائے ہوئے نقشہ پر ٹھیک ٹھیک قائم ہے اور اس کا ہر جزء دوسرے جزء کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ عمل کر رہا ہے۔

اپنے فرض منصبی سے بال برابر نہ ہٹنا اور دوسرے اجزاء کے ساتھ دائمی طور پر موافق رہتے ہوئے اپنا کام انجام دینا، یہی کائنات کی فطرت ہے۔

اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر ان کا ربط باہم ٹوٹ جائے تو کائنات کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے۔ یہی اخلاق آدمی کو بھی اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔

انسان کو اللہ نے جو ذمہ داریاں سونپی ہیں ان پر اسے ہر حال میں قائم رہنا ہے اور جن افراد کے درمیان رہ کر اسے اپنی زندگی گذارنی ہے، ان سے کامل موافقت کرتے ہوئے اپنا حصہ انجام دینا ہے۔

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے، ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات میں زن وشوہر کا درجہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے پہلے جتنے مذاہب تھے، ان کے نزدیک عورت و مرد کے ازدواجی تعلقات کو اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے نقصان دہ سمجھا جاتا تھا۔

قدیم ہندوستان میں بودھ، جین اور ویدانت یوگ کے تمام پیرو اسی نظریہ کے مبلغ اور پابند تھے۔ عیسائیت نے تجرد اور عورت سے بے تعلقی کو کمال روحانی کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا۔

اسلام نے ان تمام نظریات کو باطل قرار دے کر بتایا کہ اخلاق اور روحانی اوصاف کی تکمیل تجرد میں نہیں، بلکہ ازدواجی تعلقات کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ کیونکہ حسن سلوک اور خوش معاملگی ہی کا دوسرا نام اخلاق ہے۔

جو کسی کا شوہر نہ ہو، جو کسی کی بیوی نہ ہو، جو کسی کا باپ نہ ہو، جو کسی کا بیٹا نہ ہو، جو کسی کی ماں نہ ہو، جو کسی کا بھائی نہ ہو اور نہ کسی کی بہن ہو اس پر دنیا کے کیا فرائض عائد ہو سکتے ہیں؟

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور ان سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔

جب انہوں نے اس کی خبر دی تو انہوں نے اسے بہت کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہماری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کہاں ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔

پھر ان میں سے ایک کہنے لگا: ''میں ہمیشہ تمام رات عبادت کروں گا۔''

دوسرے کہنے لگا: ''میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔''

تیسرے نے کہا: ''میں کبھی نکاح نہ کروں گا۔''

اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ان تینوں کی باتوں کو سن کر آپؐ نے فرمایا: ''واللہ میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ میں روزہ رکھتا ہوں، افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

نکاح:

نکاح نسل انسانی کی بقا کا بہترین ذریعہ ہے، نکاح طرفین کی صحت کے لئے مفید ہے، نکاح سے خوشگوار زندگی نصیب ہوتی ہے، نکاح کرنے سے آدمی کی زندگی ایک پابند زندگی بن جاتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ ہر کام مستعدی اور تندہی سے کرتا ہے اور بیکاری اور فضول خرچی سے پرہیز کرتا ہے۔ نکاح محبت، وفاداری، فرمانبرداری اور حیاداری کا بہترین ذریعہ ہے۔

انسان خود فانی ہے مگر نکاح کی صورت میں وہ ایک طرح کا دوام اور ہمیشگی حاصل کر لیتا ہے کیوں کہ مر جانے کے بعد وہ اولاد کی شکل میں صدیوں زندہ رہتا ہے۔

اگر نکاح کا قاعدہ نہ ہوتا تو یہ دنیا سنسان ہوتی، نہ مکانات ہوتے نہ باغات، نہ کھیتی ہوتی نہ تجارت، اور نہ کسی قوم کا نام ونشان باقی رہتا۔ اگر نکاح نہ ہوتا تو انسان کی زندگی حیوان جیسی ہوتی اور طرح طرح کے فتنے وفساد ہوتے، اگر نکاح نہ ہوتا تو انسانی زندگی تلخ ہو کر رہ جاتی۔

اسی لئے اسلام نے نکاح کو ہر مرد وعورت، بلکہ آزاد و غلام سب کے لئے بہتر اور خیر و برکت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نور میں ارشاد ہوا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. ''اور اپنے میں سے بن شوہر کی عورتوں کا اور اپنے نیک چلن غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دیا کرو۔ اگر وہ محتاج بھی ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

اس آیت کا یہ فقرہ ہے کہ ''اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ ازدواجی زندگی خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔

یعنی اگر ایک کی قسمت میں غربت ہوگی تو ممکن ہے دوسرے کی تقدیر میں فارغ البالی ہو۔ اس طرح ایک کو دوسرے کے ذریعہ فائدہ پہنچے گا۔

دوسرے یہ کہ ایک کام کرنے والے کے بجائے گھر میں دو کام کرنے والے ہو جائیں گے اور مستقبل میں اولاد کی صورت میں مزید کام کرنے والے پیدا ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ جب نکما سے نکما آدمی پر بھی بار پڑتا ہے تو وہ ہاتھ پاؤں ہلانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو شخص بیکاری کی وجہ سے غریب ہے، بیوی کے بوجھ سے مجبور ہوگا کہ وہ کہیں نہ کہیں کام کے مواقع ڈھونڈے۔ خصوصاً اس لئے کہ بیوی کی محبت اسے بعض ایسے بڑے بڑے کاموں پر آمادہ کر دے گی، جس کے لئے وہ بغیر اس نشہ کے کبھی آمادہ نہ ہو سکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کو اس حد تک ضروری قرار دیا کہ اگر کوئی غریب مسلمان کسی شریف خاتون کا خرچ نہ برداشت کر سکتا ہو تو کسی مسلمان باندی ہی سے نکاح کرے۔

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اس کی اہمیت یوں واضح کی گئی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ.

''اور تم میں سے جو شخص اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو اسے چاہئے کہ تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مومنہ ہوں، اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو۔''

اس آیت کا آخری ٹکڑا قابل غور ہے کہ ''اگر شریف و آزاد بیوی کا خرچ اٹھانے کی صلاحیت تم میں نہ ہو تو کسی ایمان والی باندی ہی سے نکاح کرلو۔''

اب یہاں سے دو شبہ پیش آسکتے ہیں۔ایک یہ کہ کیا نومسلم باندیاں پرانے مسلمانوں کے برابر ہو سکتی ہیں؟

تو فرمایا کہ نئے اور خاندانی مسلمان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔اس حقیقت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے کہ کس کا ایمان زیادہ اچھا اور اس کے نزدیک مقبول ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ نومسلم عورتیں شریف خاندان کے ہم رتبہ کیسے ہوں گی؟ تو فرمایا کہ یہ تفریق بھی غلط ہے۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے برابر ہے اور تمام بنی آدمی ایک ہی جنس کے افراد ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ سیرت کی تکمیل میں کسی رفیقۂ حیات کی رفاقت کو اسلام نے کتنی اہمیت دی ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ احادیث رسولؐ میں بھی اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔مثلاً

بخاری میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نوجوانو! تم میں جو شخص عورتوں کے نان و نفقہ کی وسعت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ نکاح کرے۔کیوں کہ یہ نگاہ کو پست کرتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جسے اس کی طاقت نہ ہو اس کو لازم ہے کہ روزے رکھے (کیونکہ) روزہ رکھنا اس کے خصی کرنے کی مانند ہے۔''

ترمذی میں روایت ہے: ''چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں، حیا، خوشبو، مسواک اور نکاح۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم میں حدیث ہے: ''دنیا کی کل چیزیں فائدہ کی ہیں (مگر) سب سے زیادہ مفید نیک بخت بیوی ہے۔''

ترمذی کی روایت ہے: ''تین چیزوں میں دیر نہ کرو۔ نماز میں جب اس کا وقت آجائے، جنازہ میں جب تیار ہو جائے اور بے شوہر والی عورت کا جب تو جوڑا پا جائے۔'' (تو اس کا نکاح کر دے)

ترمذی میں یہ حدیث بھی ہے: ''تین قسم کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ کے ذمہ لازم ہے، غلام جو مال کتابت کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، نکاح کرنے والا جو زنا سے بچنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

تعدد ازدواج:

اسلام نے بیک وقت چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے لئے عدل شرط ہے۔

جب انسان ہر معاملہ میں اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، جیسے نان ونفقہ اور وظیفہ زوجیت وغیرہ، تو اسے اجازت ہے کہ وہ چار عورتوں تک اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا ہے:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. ''پس جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

اس آیت سے جہاں تعدد ازدواج کے جواز کا ثبوت ملتا ہے وہیں یہ آیت اس جواز کو عدل کی شرط کے ساتھ مشروط بھی کرتی ہے۔

جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا مگر ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے جواز سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ دغابازی کرتا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے مردوں کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں دی؟ جب کہ یہ حق عورت کو حاصل نہیں ہے کہ وہ بیک وقت چار شوہروں کی بیوی بن کر رہ سکے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام پر اس قسم کا اعتراض فطرت کے اصولوں کے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

بعض صورتوں میں تعدد نکاح کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوتا۔

مثلاً کسی شخص کے ایک ہی بیوی ہے لیکن اس کے اندر بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور شوہر جہاں ایک طرف اولاد کی ضرورت محسوس کرتا ہے وہیں دوسری طرف اسے اپنی اس بیوی سے اس قدر محبت ہے کہ اسے چھوڑنا اسے کسی حال میں گوارہ نہیں ہے۔اب کے لئے اس سے بہتر صورت کیا ہوسکتی ہے کہ وہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کرے۔

یا شوہر بعض وجوہات کی بنا پر بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے مگر بیوی اس کے نکاح میں رہنا چاہتی ہے تو اس صورت میں بھی یہی بہتر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بھی رکھے اور دوسری شادی کرلے۔

جہاں تک ایک عورت کا چار مردوں کے ساتھ نکاح کا سوال ہے، تو یہ اصول حکمت و مصلحت کے بالکل خلاف ہے اور کسی بھی ذی شعور آدمی کے ذہن میں یہ بات نہیں اتر سکتی۔

کیونکہ اگر ایک عورت چند مردوں کے نکاح میں رہے، تو سب میں بغض وعناد، نفرت و دشمنی اور رقابت پیدا ہوجائے گی۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بیک وقت سب کو ضرورت پیش آجائے۔ایسی صورت میں ہر شخص سب سے پہلے اس کے پاس پہنچنا چاہے گا۔ایسی حالت میں جو شر و فساد ہوگا اس کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

اور سب سے بڑی پیچیدگی یہ ہے کہ ایسی عورت کے جب بچہ پیدا ہوگا تو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ کس کے نطفہ سے ہے اور کس کی اولاد ہے؟

اور کئی اولاد ہوجائیں تو شکل وصورت کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی پہچان مشکل ہوجائے گی۔اس لئے اس میں بڑے بڑے فتنے اور فساد ہوتے اور انسانی زندگی تلخ ہوجاتی۔

جہیز:

اسلام نے شادی بیاہ کو انتہائی آسان اور سادہ طریقے سے کرنے کا حکم دیا ہے۔مگر افسوس کہ شادی بیاہ میں ہم مسلمانوں نے اسلامی اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور غیر مسلموں کے یہاں رائج رسوم ہماری زندگی میں اس طرح داخل ہوگئے ہیں کہ ان سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں رہا۔

اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم قومیں تو اپنے رسوم کو خرافات، بیہودہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغو اور مضر سمجھ کر چھوڑتی جارہی ہیں۔ اور ہم ہیں کہ ان رسموں کے پیچھے خود کو تباہ کر رہے ہیں۔

یوں تو شادی کے معنیٰ خوشی کے ہیں لیکن برے رسوم کی وجہ سے شادی خوشی نہیں بلکہ غمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ان رسموں میں بعض تو اس قدر خطرناک ہیں کہ ان سے ایمان وعقیدہ پر بھی زبردست اثر پڑتا ہے۔

آج کل عموماً ایسا ہو رہا ہے کہ ایک شخص ساری عمر کماتا ہے اور اپنی لڑکی کی شادی میں پوری عمر کی کمائی لٹا دینے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

آج بہت سے شریف گھرانوں میں لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں، ان کی عمریں بہت زیادہ ہو گئیں ہیں، ماں باپ ان کی فکر میں گھل رہے ہیں، مگر ان کی شادیاں محض اس لئے نہیں ہو رہی ہیں کہ رسم ورواج پر خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس روپیہ نہیں ہے۔

برے رسوم میں سب سے خطرناک چیز جہیز ہے۔ جہیز کا مطلب ہے وہ رقم اور سامان جو شادی کے موقع پر لڑکی والے لڑکے والوں کو دیتے ہیں۔

شادی اور رخصتی کے موقع پر جہیز دینے کا حکم نہ تو قرآن میں ہے، نہ حدیث میں اور نہ فقہ میں۔ عہد رسالت میں صرف ایک مثال موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نیا گھر بسانے کے لئے چیزیں مرحمت فرمائی تھیں۔ مثلاً بان کی ایک چارپائی، ایک مشکیزہ، چکی، مٹی کے گھڑے، ایک یمنی چادر، ایک چھاگل، ایک گدا جس میں روئی کے بجائے کھجور کی چھال بھری تھی۔

مگر یہ تمام سامان، سامان جہیز نہیں بلکہ سامان ضرورت تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں کوئی گھر موجود نہ تھا اور وہ صاحب مال بھی نہیں تھے کہ وہ مکان بنا سکیں یا ضروریات کا سامان خرید سکیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے بعد انہوں نے کرایہ کا مکان لے کر رخصتی کرائی تھی۔ اب اس نئے گھر میں ان تمام سامانوں کی ضرورت تھی جو روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والے ہوں۔

اس ناگزیر ضرورت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں حضرت فاطمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھیج دی تھیں۔ یہ لڑکی کو جہیز دینے کی رسم نہیں تھی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد تیسری صاحبزادی بھی ان کے نکاح میں دی گئی تھیں۔ اسی لئے انہیں ذوالنورین (دونور والے) کہا جاتا ہے۔

لیکن آپؐ نے ان دونوں صاحبزادیوں کو شادی کے موقع پر جہیز کی صورت میں کوئی چیز عطا نہیں کی تھی، جس کو بہانے کے طور پر جہیز کہا جا سکے۔

اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صاحبِ مال تھے، پہلے سے ان کا اپنا گھر تھا اور انہیں کسی سامان کی ضرورت نہیں تھی۔

اس واقعہ سے جو چیز ثابت کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کو اس کی ضرورت کے پیش نظر بسہولت کچھ چیزیں دی جا سکتی ہوں تو دینا جائز ہے۔ لیکن اس کو رسم بنا لینا بلکہ آگے بڑھ کر ضروری قرار دے لینا اور پھر اس واقعہ کو سند بنا لینا بالکل غلط ہے۔

جہیز آج ہندوستانی لغت میں گدائی یا مفت خوری کے ہم معنیٰ بن چکا ہے۔ یہ چیز ایک دین بیزار، بت پرست اور لا مذہب قوم کے شایان شان تو ہو سکتی ہے مگر ایسی ملت کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہو سکتی جس کو ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک شریعت پر یقین ہو۔

جہیز مسلم سماج کے لئے ایک ایسا زود اثر زہر ہے جو بہتوں کو موت کی نیند سلا چکا ہے اور اس کے برے اثرات سے بے شمار خاندان تباہی کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں۔

کسی بھی سماج میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو یہ انسان کا خود اپنا لایا ہوا ہوتا ہے۔

جب سماج کے افراد، خود غرض، دنیا پرست، لالچی اور بے ضمیر بن جاتے ہیں تو اس طرح کی برائیاں رائج ہو جاتی ہیں اور پروان چڑھنے لگتی ہیں۔

آج جہیز کے غیر معقول اور ہولناک رواج کے باعث ہندوستانی سماج، خصوصاً مسلم سماج اپنی تباہی کی آخری منزلیں طے کر رہا ہے۔

یہ حقیقت خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ لفظ جہیز کا جو مفہوم اور معنیٰ ہندوستانی سماج میں چل پڑا ہے اس کا نہ کوئی شرعی ثبوت ہے اور نہ عربی زبان وادب میں اور نہ عربی معاشرہ میں یہ لفظ اس معنیٰ میں مروج ہے۔ بلکہ عربی میں اس معنیٰ اور مفہوم کے لئے ایک دوسرا لفظ ''جہاز''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستعمل ہے جو سامان کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں آیا:

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ. ''جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا۔''

لفظ جہیز اگرچہ صوراً عربی لفظ معلوم ہوتا ہے مگر وہ عربی زبان میں موجود اور مستعمل نہیں ہے۔

لغت کی کتابوں سے جہیز کے یہ معنیٰ آتے ہیں:

جَهَازُ الْعُرُوْسِ. ''دلہن کے سامان کی چیزیں۔''

جَهَازُ الْمُسَافِرِ. ''مسافر کی ضرورت کی چیزیں۔''

جَهَازُ الْمَيِّتِ ''مردہ کی ضرورت کی چیزیں۔''

اس اعتبار سے کسی چیز کا جہاز وہ سامان ہے جو اس کے لئے ضروری ہو۔

یعنی ایک مسافر یا ایک میت کی جو مختصر ضرورت کی چیزیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح ایک دلہن کی آرائش کے سلسلے میں جو مختصر ضروریات ہوں گی وہ اس کا ''جہاز'' یا ''جہیز'' ہوں گی۔ لہٰذا جہیز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں کھانے پکانے کے برتن ہوں، میز کرسی بھی ہو، پلنگ اور گدے بھی ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سائیکل، موٹر سائیکل، فریج، ٹی وی اور دنیا بھر کی دوسری چیزیں ہوں۔

جہاں تک اپنی لڑکی یا داماد کو تحفے تحائف کے دینے کا سوال ہے تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ مگر یہ دینے والے کی مرضی پر ہے کہ چاہے دے یا نہ دے، یا جس طرح چاہے دے اور جو چاہے دے۔

لینے والے کو کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ وہ مطالبہ کرے کہ میں فلاں چیز لوں گا اور ایسی لوں گا اور اتنے قیمت کی لوں گا۔

حضرات! یہ نا قابل تردید تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے کہ بعثت نبویؐ سے پہلے عرب کے بعض قبائل اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔

جن کا تصور کر کے سخت سے سخت کلیجہ والا انسان بھی تڑپ جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہی بچیاں جو باعث شرم و عار سمجھی جاتی تھیں، دخترانِ اسلام کہلائیں اور اسلام نے ان کا مقام اتنا بلند کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی زبان میں اعلان کیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. ''اور عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔''

چنانچہ اسلام نے عورتوں کو میراث کا حق دلوایا۔

پہلے زمانہ میں جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تھا اسے یہ حق نہیں تھا کہ دوسری شادی کرلے لیکن اسلام نے اسے دوبارہ شادی کرنے کا پورا اختیار دیا۔

جاہلیت کے زمانہ میں عورت جب حیض ونفاس کی حالت میں ہوتی تھی تو اس سے نفرت کی جاتی تھی اور اسے تنگ وتاریک کوٹھری میں قید کر دیا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس نفرت انگیز سلوک کو ختم کر کے انہیں معاشرہ میں جائز مقام عطا کیا۔ لیکن افسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہمارا عمل ہے۔ ہم نے فرمانِ رسولؐ اور اسوۂ رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ دنیا کی محبت میں ہم اس قدر راندھے ہو رہے ہیں کہ ہم لڑکیوں کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے عرب کے جہلاء کیا کرتے تھے۔

آج عورتوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھنا ہم نے اپنا شیوہ بنالیا ہے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، انہیں حق میراث اور تمام حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔

زبان رسالت نے جن کے لئے اتنی آسانیاں بتائیں، جنہیں مردوں کے برابر حقوق عطا فرمائے جنہیں درندگی اور بربریت کی خاردار جھاڑیوں سے نکالا اور جنہیں زوال سے عروج تک پہنچایا۔

مگر اسی رسولؐ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود ہم ان ہی لڑکیوں کو اپنے اوپر بارگراں سمجھ رہے ہیں۔

اور یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ جہلائے عرب جو سلوک اپنی بیٹیوں کے ساتھ کرتے تھے وہی سب کچھ آج کے مسلمان کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مٹی میں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے مگر آج کے اسلام کے نام لیوا اسے دفن تو نہیں کرتے مگر زندہ موت ضرور مار دیتے ہیں۔ شادی کے موقع پر لڑکے والوں کے بے جا مطالبات، نازونخرے، دھمکیاں ایک دین بیزار قوم کی شادی کا سماں پیش کرتے ہیں۔ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی، شادی ایک تجارتی چیز بن گئی ہے، تلک اور برچھکائی جیسی قبیح رسمیں ہمارے سماج میں اس طرح پھیل گئی ہیں جیسے وہ خود شریعت کا ایک حصہ ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے چاری لڑکی اگر اپنے میکے سے خوب لمبا چوڑا جہیز لے کر نہ آئے تو اس پر سسرال والوں کی طرف سے پوری زندگی طعن وتشنیع کے تیر پھینکے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

آج ہم پر جو مظالم ہو رہے ہیں، جس نازک دور سے ہم گذر رہے ہیں، جس ملک میں ہم پیدا ہوئے اسی کی زمین ہمارے خون کی پیاسی ہو رہی ہے، اس کا وسیع وعریض حصہ ہمارے لئے تنگ ہو گیا ہے۔ یہ کہیں ان مظلوم لڑکیوں کی درد وسوز کی ڈوبی ہوئی آہیں تو نہیں ہیں؟ یہ کہیں ان ستم رسیدہ معصوم بچیوں کی سسکیوں کا نتیجہ تو نہیں ہے؟ اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ یہ تمام مصیبتیں ہم پر ہمارے اسی جرم کی وجہ سے آرہی ہوں۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا اس لئے یہ سنت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک.

جس شخص کو شریعت محمدیؐ سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہے، یا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے معمولی واقفیت رکھتا ہے وہ اس قسم کی باتیں زبان پر نہیں لاسکتا۔ کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف پر حرف آتا ہے، حالاں کہ آپؐ مجسم عدل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت فاطمہ، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما۔

اگر جہیز دینا ضروری ہوتا تو آپ اپنی چاروں بیٹیوں کو دیتے۔

حدیث میں اس بات کا کہیں کوئی بھی ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کو جہیز دیا ہو۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو کچھ دیا تھا وہ جہیز نہیں تھا اور نہ ہی آپؐ نے اسے جہیز سمجھ کر دیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفیل تھے اور کفیل ہونے کی حیثیت سے آپؐ پر ان کی پوری کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے شادی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا الگ گھر بسا دیا تھا اور کچھ گھریلو ساز وسامان بھی عنایت فرمایا تھا تا کہ انہیں پریشانی نہ ہو۔

اور اسی سامان ضرورت کو ہم نے جہیز سمجھ کر اسے اس طرح رائج کر دیا ہے کہ اس کے بغیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔

ذرا ہم عقل سلیم سے کام لیں اور قرآن، حدیث، فقہ، آثار صحابہؓ اور اسلاف امت کے واقعات کی ورق گردانی کریں۔ کیا قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ کی زندگی میں اس طرح کی کوئی مثال ملتی ہے؟ کیا ہمارے اسلاف اس طرح کی خرافات میں ملوث تھے؟ کیا یہ کام مسلمان کے شایان شان ہو سکتے ہیں؟

سچ کہا تھا علامہ اقبالؒ نے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود　　　یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

بارات:

آج کل یہ رواج بھی بہت زیادہ پھیل گیا ہے کہ شادی کے موقع پر دولہا کی طرف سے ایک جم غفیر دولہن کے گھر جاتا ہے جس کی ضیافت لڑکی والوں کو کرنی پڑتی ہے۔ اسی کا نام بارات ہے۔ جسے بن بلائے مہمانوں کی فوج بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ صرف غیر مسلموں کی نقالی ہے۔

قدیم ہندوستان میں اہل ہنود جب بہو رخصت کرانے جاتے تھے تو حفاظت کے لئے اپنے ساتھ چند آدمیوں کو بھی لے جاتے تھے اور اخلاقاً دولہن کے گھر والے انہیں بھی کھانا کھلاتے تھے۔

مگر افسوس ہم مسلمانوں میں بھی یہ برائی اس طرح رائج ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر شادی بہت معیوب سمجھی جاتی ہے۔ حالاں کہ عہد رسالت میں بارات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی کی کل مدت تیئس سال ہے۔ یعنی نبی ہونے کے بعد تقریباً تیئس سال آپؐ اس دنیا میں رہے۔ تیرہ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں۔

اور آپؐ کے دور نبوت کے تمام واقعات اور ان واقعات کا ہر چھوٹا بڑا جزو کتب احادیث میں مذکور اور محفوظ ہے۔ مگر کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ آپؐ کسی کے یہاں بحیثیت باراتی کے تشریف لے گئے یا کسی بیٹی کی شادی میں آپؐ کے یہاں کوئی بارات آئی۔

جب آپؐ کے زمانے میں اس کا وجود ہی نہیں تھا تو پھر کتب احادیث میں اس طرح کے واقعات کا ذکر ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

بخاری میں روایت ہے کہ ایک بار صحابیٔ رسولؐ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے۔ اس وقت ان کے کپڑوں پر زردی کے نشانات تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: كَيْفَ تِيكُمْ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ. ''اے عبدالرحمٰن! یہ تمہاری کیا حالت ہے؟'' انہوں نے جواب دیا، یا رسول اللہ! میں نے شادی کر لی ہے۔ آپؐ نے مہر کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔ آپؐ نے فرمایا: اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. ''ولیمہ کرو چاہے ایک ہی بکری ہو۔''

غور کیجیے، پڑوس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی شادی ہو جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

اگر عہد رسالت میں بارات کا وجود ہوتا تو کیا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین کوئی باراتی مل سکتا تھا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''سب سے زیادہ بابرکت وہ نکاح ہے جس میں سب سے زیادہ آسانی ہو۔''

مگر ہم نے اس نکاح و بیاہ کو اس قدر دشوار بنا دیا ہے کہ لڑکی اذیت ناک بن کر رہ گئی ہے۔

آج عائلی زندگی اور معاشرتی زندگی میں مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کے مسلمان ہونے پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

تاریخ شاہد ہے کہ اخلاقی اور معاشرتی بے راہ روی نے پوری اسلامی تہذیب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود ہمارے علماء اور ذمہ دار طبقہ کا احساس مردہ ہو چکا ہے اور بے حسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ پوری زندگی ایک خطرناک راہ پر چل رہی ہے مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

آج ہر شخص بگاڑ میں لگا ہے اور جو بگاڑ سے بچا ہے وہ بنانے کی فکر سے غافل ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ نکاح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

لیکن نکاح کا مقصد صرف ادائیگی فرض نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت انسان کو فطری طور پر اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفاقت کے لئے ایک ہم جنس کی تلاش ہوتی ہے۔ چنانچہ زن وشوہر کی باہمی محبت کو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ روم میں ارشاد ہوا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً. ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم ہی سے تمہاری بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تم (میاں بیوی) میں الفت ومحبت پیدا کی۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی کو سکون و اطمینان کا ذریعہ قرار دیا ہے، اس لئے میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں کامل حد تک خوشگواری ہونی چاہئے۔ یعنی پیار ومحبت اور ایک دوسرے کے لئے ایثار۔ اگر نکاح سے یہ مقاصد پورے نہ ہوتے ہوں تو دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کا قصور ہے۔

میاں بیوی کے درمیان یہ میل جول کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟

اس کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ بیوی شوہر کی خدمت اور فرمانبرداری کرے اور شوہر بیوی کی دلجوئی کرے اور اس کی ہر جائز ضرورت کا خیال رکھے۔

حقوق الزوجین:

جہاں تک حقوق کا سوال ہے اس معاملہ میں دونوں برابر ہیں۔ لیکن چوں کہ مرد، عورت کی خبر گیری اور دیکھ بھال کرتا ہے، اس کے جائز اخراجات کا بوجھ اٹھاتا ہے، اور قدرت نے اسے مشکلات میں پڑنے اور عورت کی حفاظت اور بچاؤ کی خاطر اس کو عورت سے زیادہ جسمانی صلاحیتیں عطا کی ہیں اس لئے عورت کے مقابلہ میں اسے قدرے زیادہ مرتبہ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اس کی وضاحت یوں فرمائی:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ. ''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت ونگرانی کرتی ہیں۔''

اس آیت کے آخری حصہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے نیک بیویاں شوہروں کی غیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضری میں اپنی اور اپنے شوہر کے مال اور عزت و آبرو کا خیال رکھتی ہیں۔

اور یہ عین فطرت بھی ہے۔

اب اگر کسی عورت سے اس کے خلاف فعل سرزد ہو تو نہ صرف یہ کہ وہ اللہ کی نظروں میں گنہگار ہے بلکہ اس کا یہ فعل خلاف فطرت بھی ہے۔

قرآنی بیان کے مطابق نیک بیویوں کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی وفادار رہیں، ان کی فرمانبرداری کریں، مال و اسباب کی پوری نگرانی رکھیں اور ان کی عزت و آبرو کی، جو خود ان کی بھی عزت و آبرو ہے، حفاظت کریں۔

ابن ماجہ میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کہ شوہر اسے جو کچھ کہے اسے مانے، شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے، اگر شوہر اسے قسم دے کر کچھ کہے تو اس کی قسم پوری کر دے اور اگر شوہر گھر پر موجود نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔''

مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں زن و شوہر کے حقوق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔۔۔ بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے، عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں اور نہ انہیں تمہارے گھروں میں آنے دیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ ان کو پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔''

ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''جو تو کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، نہ اس کے منہ پر مارے نہ اسے برا بھلا کہے اور نہ اس کی سزا کے لئے گھر کے علاوہ اسے علیحدہ کرے۔''

ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہوں۔''

کسی شوہر کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان و نفقہ اور لباس وغیرہ کی طرف سے غفلت برتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبوداؤد میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے گنہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جن کے نان ونفقہ کی اس پر ذمہ داری ہے اس سے وہ بے پرواہ ہو جائے۔''

اکثر عورتوں میں ضد اور ہٹ ہوتی ہے جو ان کی فطرت یا عام طور پر ان کی عدم تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

ان کی اس برائی کو درشتی اور سختی کے ذریعہ ہٹانا مناسب نہیں ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے یوں واضح فرمایا:

''عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو اس لئے کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اس لئے تم اسی ٹیڑھاپن سے کام لے سکو تو لے سکتے ہو۔ اور اگر تم اسے سیدھی کرنے کی فکر کرو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو بیویوں کے مقابلہ میں قانع اور راضی رہنے کا ایک نہایت ہی عمدہ نسخہ یہ بتایا کہ اگر بیوی میں کوئی برائی دیکھو تو اس سے نفرت نہ کرو، کیوں کہ اگر غور کرو گے تو اس میں اچھی بات بھی نکل آئے گی۔

مسلم کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: ''کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت نہ کرے اگر اس میں ایک خصلت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خصلت پسندیدہ ہوگی۔''

اگر شوہر اپنی بخالت سے اپنی بیوی اور اولاد کی جائز ضروریات کے لئے اپنی حیثیت سے کم دے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کی لاعلمی میں اس کی دولت سے اس کی حیثیت کے مطابق بقدر ضرورت لے لے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ میرے اور میرے بال بچوں کو ضرورت سے کم دیتے ہیں، کیا میں ان کی لاعلمی میں ان کے مال سے لے سکتی ہوں؟

آپؐ نے فرمایا تم قاعدہ کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بال بچوں کے لئے کافی ہو۔

شوہر کے فرائض میں یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جذبات سے غفلت اور بے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتنائی نہ برتے۔

ایک واقعہ:

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک بار خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔ ایک مکان سے آپؓ نے دردناک اشعار پڑھنے کی آواز سنی۔ آپ اسی جگہ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے۔ ایک عورت یہ شعر اپنے مخصوص انداز میں پڑھ رہی تھی جس کا مفہوم تھا: ''خدا کی قسم اگر اللہ کے عتاب کا خوف نہ ہوتا تو بلاشبہ اس چارپائی کے کنارے جنبش کرتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب تحقیق کی تو انہیں پتہ چلا کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلے میں عرصہ دراز سے باہر گیا ہوا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر اس جذبہ محبت کا گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے سپہ سالاروں کے نام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص شادی شدہ ہو وہ چار ماہ سے زیادہ اپنی بیوی سے جدا نہ رہے۔

میاں بیوی کی باہمی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی اور خوش طبعی سے پیش آئے تاکہ زندگی سکون بخش ہو۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت خوش طبعی اور بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔

بخاری میں روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''عائشہ! تم مجھ سے کس وقت ناراض رہتی ہو اور کس وقت راضی، میں اسے خوب جانتا ہوں۔''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ اسے کیسے پہچانتے ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے راضی رہتی ہو تو یوں کہتی ہوں، محمدؐ کے رب کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو، ابراہیم کے رب کی قسم۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یارسولؐ اللہ! بات تو ایسی ہی ہے، میں قسم میں آپ کا نام چھوڑتی ہوں لیکن واللہ میرا دل آپ کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔

اس واقعہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ نہایت بے تکلفی اور خوش طبعی سے پیش آتے تھے۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ میاں بیوی کا کچھ ایسا معاملہ ہے کہ اس میں کبھی نہ کبھی کشیدگی پیدا ہو ہی جاتی ہے لیکن اس قسم کی معمولی کشیدگی پر میاں بیوی کو کبھی خیال نہ کرنا چاہئے۔

بعض شوہروں کا خواہ مخواہ منہ پھیلانا، اینٹھا رہنا اور بات بات پر بیوی کو ڈانٹنا، جھڑکنا اور اس سے یہ سمجھنا کہ اس سے بیوی مرعوب رہے گی، انتہائی معیوب اور نقصان دہ چیز ہے۔

پہلے تو عورت ڈرتی ہے مگر جب عاجز ہو جاتی ہے تو وہ ترکی بہ ترکی جواب دینے پر اتر آتی ہے اور گھر تلخیوں اور غلط فہمیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

اس لئے بہتر ہے کہ باہمی تعلقات سنوارنے کے لئے محبت کے طریقے اختیار کئے جائیں لیکن یہ خیال رہے کہ ہنسی مذاق اور بے تکلفی اتنی نہ بڑھ جائے کہ شوہر کی ہیبت اور احترام بیوی کے دل سے نکل جائے۔ اس معاملہ میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اچھا نہیں ہے۔ اگر بیوی کا کوئی کام شریعت کے خلاف دیکھے تو اس کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

جیسے ایک تجربہ کار حکیم ضرورت کے مطابق کبھی سختی سے کام لیتا ہے اور کبھی نرمی سے۔ اسی طرح شوہر کو بھی موقع و محل کے لحاظ سے کبھی سختی سے پیش آنا چاہئے کبھی نرمی سے اور بیوی کے ساتھ اس طرح زندگی گذارنا چاہئے کہ اپنا وقار و احترام بھی قائم رہے اور پیار و شفقت بھی باقی رہے۔

جہاں اسلام نے مردوں پر عورتوں کے حقوق متعین کئے ہیں وہیں عورتوں پر مردوں کے حقوق کی بھی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے: ''جو عورت پنج وقتہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے، داخل ہو۔''

ترمذی میں روایت ہے: ''جو عورت اس حال میں مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو، وہ جنتی ہے۔''

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے: ''جب شوہر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے اور شوہر اس کے غصہ میں رات گذار دے تو اس عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترمذی کی حدیث ہے: ''اگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔''

مشکوٰۃ میں حدیث ہے: ''تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آجائے، وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور نشہ باز یہاں تک کہ ہوش میں آجائے۔''

ترغیب وترہیب کی روایت ہے: ''کوئی عورت اپنے رب کا حق نہیں ادا کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق نہ ادا کرے۔''

بیہقی کی روایت ہے: ''سب عورتوں میں بہتر وہ عورت ہے کہ جب اس کا شوہر اسے دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو اسے بجالائے اور اپنے جان و مال میں اس کے خلاف نہ کرے۔''

ترمذی میں حدیث ہے: ''جب شوہر اپنے بیوی کو بلائے تو (وہ فوراً) حاضر ہوجائے اگرچہ وہ تنور پر ہو۔''

جہاں کہیں بھی آدمیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، چاہے وہ خاندان کی صورت میں ہو یا مملکت کی صورت میں، تو ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ اور سردار ہو۔

اور یہ سربراہ ایک ہی ہوسکتا ہے۔

دنیا کے بارے میں اللہ کا جو بنایا ہوا منصوبہ ہے اس میں خاندان کی سربراہی کے لئے مرد کو متعین کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔

مرد کی بناوٹ اور عورت کی بناوٹ میں جو حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق ہے وہ اللہ کے اسی تخلیقی منصوبہ کی مطابقت میں ہے جس میں قوامیت کی صلاحیتیں مرد کو دی گئی ہیں اور اطاعت کی صلاحیت عورت کو۔

بہترین عورت وہ ہے جو اللہ کے تخلیقی منصوبہ میں اپنے کو شامل کرتے ہوئے مرد کی برتری کو تسلیم کرے۔ اسی طرح بہترین مرد وہ ہے جو اپنی برتر حیثیت کی بنا پر اس حقیقت کو نہ بھول جائے کہ خدا اس سے بھی زیادہ برتر ہے۔

خدا کی عدالت میں عورت مرد کا کوئی فرق نہیں۔ یہ فرق تمام تر صرف انتظام دنیا کے اعتبار سے ہے نہ کہ آخرت میں تقسیم انعامات کے اعتبار سے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کے حق میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا پورا اہتمام کرے، اگر کوئی عورت ایسی ہو جو مرد کی بڑائی کو نہ مانے تو ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ مرد کے اندر انتقام کا جذبہ ابھر آئے یا وہ الزام لگا کر عورت کو بدنام کرے۔

کوئی بھی برتری کسی کو انصاف کی پابندی سے بری الذمہ نہیں کرتی۔

البتہ خصوصی حالات میں مرد کو یہ حق ہے کہ عورت کے اندر کسی قسم کی سرتابی دیکھے تو اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔

یہ اصلاح اولاً سمجھانے بجھانے سے شروع ہوگی۔ پھر دباؤ ڈالنے کے لئے ترک کلام اور ترک تعلق کیا جا سکتا ہے۔ آخری درجہ میں مرد اسے ہلکی سزا دے سکتا ہے جیسے مسواک سے مارنا۔

مسلم کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے، حالاں کہ شاید آخری دن میں اس سے ہمبستری کرے۔''

اسلام شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی کے منھ پر مارے کیوں کہ یہ انسانی احترام کے خلاف ہے، گو سرکش اور نافرمان بیوی کو وقت ضرورت پر تادیب کی غرض سے مارنا جائز ہے۔ لیکن اس طرح زدوکوب کرنا کہ اسے اذیت پہنچے یا اس کے چہرے کو مار لگے، جائز نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیوی کو برا بھلے کہے، یا ایسی باتیں کہے جو اس کی ذہنی اذیت کا باعث بنیں۔

بعض اوقات میاں بیوی کے تعلقات میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے جس سے سکون و آرام کے بجائے زندگی وبال جان بن جاتی ہے۔

ایسی صورت میں طلاق سے بہتر کیا صورت ہو سکتی ہے کہ دونوں اپنا اپنا الگ الگ انتظام کر لیں تاکہ انہیں خوشگوار زندگی نصیب ہو جائے۔

مگر اس طرح نہیں کہ جو شخص جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

بلکہ مرد کو عورت کی بدخلقی پر صبر اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور عورتوں کو مردوں کی فرمانبرداری اور خدمت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان صورتوں میں طلاق کی نوبت ہی نہیں آتی۔ لیکن اگر کوئی سخت اور ناگزیر ضرورت پیش ہی آجائے تو ایام حیض میں اسے طلاق نہ دی جائے کیوں کہ ممکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اسی وجہ سے طلاق کی نوبت آئی ہو۔ اور ایک ہی دفعہ تین طلاقیں نہ دی جائیں بلکہ ہر مہینہ میں دی جائیں۔ ممکن ہے کہ ایام عدت میں باہمی رنجش دور ہو کر میل و محبت پیدا ہو جائے۔

موجودہ دور میں عورت کی جو حق تلفیاں ہوتی ہیں، ان ہی میں سے ایک مہر کا ادا نہ کرنا ہے۔ نکاح کے وقت مہر مقرر ہوتا ہے، قاضی دولہا سے اس مہر پر ایجاب و قبول بھی کراتا ہے لیکن شوہر کی پوری زندگی اس کی رفیقۂ حیات کے ساتھ گذر جاتی ہے مگر مہر ادا کرنے کی اسے کوئی فکر نہیں ہوتی۔

حالاں کہ طبرانی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی عورت سے تھوڑے یا بہت مہر پر نکاح کیا اور اس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہیں ہے تو وہ زانی ہے۔''

البتہ اگر عورت بلا دباؤ ڈالے بخوشی اسے معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلامی معاشرہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ.

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے مصیبت میں اپنوں کے غم خوار ہوتے
سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جو الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

حضرات! میری اس تقریر کا تعلق اسلامی معاشرہ اور اس کی آپسی ذمہ داریوں کے ساتھ ہے۔ جب بہت سے آدمی مل جل کر رہتے ہیں تو ان میں طرح طرح کے تعلقات ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا رشتہ دار ہوتا ہے کوئی کسی کا پڑوسی، کوئی تاجر ہوتا ہے کوئی گاہک، کوئی افسر ہوتا ہے کوئی نوکر، کوئی مالک مکان ہوتا ہے کوئی کرایہ دار، کوئی استاد ہوتا ہے کوئی شاگرد۔

اس طرح مختلف قسم کے تعلقات کی بنا پر لوگوں کے درمیان بار بار معاملات پیش آتے ہیں۔ ان معاملات کے دوران کبھی کسی سے نفرت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور کسی سے محبت کے، کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے اور کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے، کسی سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور کسی سے دوستی، کوئی اپنا بن جاتا ہے اور کوئی غیر دکھائی دیتا ہے۔

بہت سے درخت ایک ساتھ کھڑے ہوں تو ان کے درمیان باہمی تعلقات قائم نہیں ہوتے اس لئے ان کے درمیان اس قسم کے مسائل بھی نہیں پیدا ہوتے۔ مگر جب بہت سے انسان مل کر رہتے ہیں تو ان میں باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں طرح طرح کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسائل جنم لیتے ہیں۔

ایسے موقعوں پر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ایک سماج کی صورت میں مل جل کر رہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھیں۔ ایک دوسرے کی عزت کو اپنی عزت جانیں اور معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے سے گریز نہ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اسلامی سماج کی جو تصویر بنتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے درمیان اس طرح رہتا ہے کہ وہ ان کو غیر نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ہی حصہ سمجھتا ہے۔

دوسرے کے کسی رویہ سے جب اسے خوشی ہوتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ دوسرے کس بات سے خوش ہوتے ہوں گے؟ اس لئے وہ خود بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کا رویہ اس کے ساتھ تکلیف کا باعث ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ کس چیز سے تکلیف محسوس کریں گے۔ اور وہ اس قسم کا اہتمام کرتا ہے کہ دوسروں کو اس کی ذات سے اس قسم کے سلوک کا تجربہ نہ ہونے پائے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے ایک لمبی دوری کی ٹرین جارہی ہے۔ اس کے ایک کمپارٹمنٹ میں دو مسافر آمنے سامنے بیٹھے سفر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک، اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ساتھی سے پوچھتا ہے: "آپ کو کہاں جانا ہے؟"

وہ کہتا ہے کہ مجھے کلکتہ جانا ہے اور فلاں محلے میں جانا ہے۔ اور آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

یہ کہتا ہے کہ میں بھی کلکتہ جا رہا ہوں اور مجھے بھی اسی محلے میں جانا ہے جہاں آپ جا رہے ہیں۔ اب دونوں ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں، دونوں ایک دوسرے پر اعتبار کرنے لگتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے سامان کے محافظ بن جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جب کسی اسٹیشن پر اتر کر کوئی سامان لینے جاتا ہے تو دوسرا اس کے سامان کی حفاظت ایسے ہی کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کا اپنا سامان ہو۔

جتنی قربت اور الفت ریل کے ان دونوں مسافروں کے بیچ ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیکی اور محبت مسلمانوں کے آپس کے اندر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ تمام مسلمان ایک ہی رسولؐ کے امتی ہیں، سب ایک ہی کلمہ پڑھتے ہیں، سب ایک ہی دین کے پیروکار ہوتے ہیں، سب ایک ہی کتاب (قرآن) کے ماننے والے ہوتے ہیں۔ سب ایک ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی سب ایک ہی راستہ کے راہی اور ایک ہی منزل کے مسافر ہوتے ہیں۔ ایک سگے بھائی کا دوسرے بھائی کے ساتھ جو رشتہ ہوتا ہے وہ خونی رشتہ کہلاتا ہے اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ دینی رشتہ کہلاتا ہے اور دینی رشتہ خونی رشتوں سے بھی اعلیٰ اور افضل ہوا کرتا ہے۔

ایک واقعہ:

غزوہ بدر اسلامی غزوات میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس جنگ میں ستر کافر قتل کیے گئے اور اتنی ہی تعداد میں گرفتار بھی ہوئے۔ گرفتار ہونے والے کافروں میں سے ایک کا نام عدی بن عمیر تھا، یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا سگا بھائی تھا۔

ایک صحابیؓ جب اس کی مشکیں باندھنے لگے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی وہیں کھڑے تھے۔

عدی بن عمیر نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”تم میرے سگے بھائی ہو کیوں کہ جس باپ کے نطفہ سے تم پیدا ہوئے ہو میں بھی اسی کے نطفہ سے پیدا ہوا ہوں۔ اور جس ماں نے تمہیں جنا ہے اسی ماں نے مجھے بھی جنا ہے۔ ایک غیر آدمی مجھے باندھ رہا ہے اور تم سگے بھائی ہو کر میری مدد نہیں کر رہے ہو۔“

تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑا مومنانہ جواب دیا، کہا: ”عدی! تم میرے بھائی نہیں ہو۔ میرا بھائی تو وہ ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ کیوں کہ میرا تمہارا رشتہ خون کا رشتہ ہے اور میرا اس کا دین کا رشتہ ہے اور دین کے رشتہ کے سامنے خونی رشتہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

عام طور پر جب ایک آدمی کسی دوسرے کی مدد کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ آدمی اس کے اپنے خاندان کا ہے یا اس سے گروہی اور جماعتی تعلق ہے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ قائم کیا وہ ایسا معاشرہ تھا جس میں گھر والوں نے اپنے گھر، باغ والوں نے اپنے باغ اور مالداروں نے اپنے مال ایسے لوگوں کو دیئے جن سے تعلق کی بنیاد صرف دین تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو لوگ اپنے وطن (مکہ) کو چھوڑ کر مدینہ آئے وہ بھی اللہ کی رضا اور آخرت طلبی کے مقصد سے آئے۔ اور جنہوں نے ان اجنبی لوگوں کو اپنے مال اور اپنی جائداد وغیرہ میں شریک کیا وہ بھی صرف اس لئے تاکہ ان کا خدا ان سے خوش ہو اور آخرت میں انہیں جنت میں داخل کرے۔

یہ ایسا سماج تھا جس میں اہم چیز خاندان اور نسب نہیں بلکہ ایمان و اسلام تھا۔

وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے مگر دنیوی فائدہ کیلئے نہیں بلکہ آخرت کے فائدہ کیلئے۔ وہ ایک دوسرے کو دیتے تھے مگر پانے والے سے کسی بدلہ کی امید میں نہیں بلکہ اللہ سے انعام کی امید میں۔

دینی معاشرہ حقیقتاً اسلامی معاشرہ ہے جہاں تعلقات خاندانی رشتوں اور گروہی عصبیتوں پر قائم نہ ہوں بلکہ حق کی بنیاد پر قائم ہوں۔ جہاں لوگ ایک دوسرے کے حامی و ناصر اس بنیاد پر ہوں کہ وہ ان کے دینی بھائی ہیں نہ کہ اس بنیاد پر کہ دنیوی مصلحتوں میں سے کوئی مصلحت ان کے ساتھ وابستہ ہے۔

ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے حق کے معاملہ میں مدد طلب کرے تو اس وقت اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

اگر مسلمانوں میں باہمی مدد کی یہ روح باقی نہیں رہے گی تو شریر لوگ کمزور مسلمانوں پر دلیر ہو جائیں گے اور ان کی زندگی اور ان کے ایمان کا محفوظ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

حق کے مخالفین اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے انتہائی متعصب ہوتے ہیں۔ پھر حق کے ماننے والے اپنے ساتھیوں کی مدد میں سرگرم کیوں نہ ہوں؟

اسلامی تعلیمات میں اس طرح کے سلوک و برتاؤ کی کتنی اہمیت ہے اس کے لئے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات عالیہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

مسلم میں حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کے آدمی جنتی ہیں، ان میں سے ایک: رَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِىْ قُرْبٰى وَ مُسْلِمٍ. ''وہ شخص ہے جو ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کے لئے رحیم اور رقیق القلب ہو۔''

بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادُّهُمْ وَتَعَاطُفُهُمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكىٰ عَضْواً تَدَاعىٰ لَهٗ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَ الْحُمّٰى. ''تم مومنوں کو آپس کے رحم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور محبت و ہمدردی کے معاملہ میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ اگر ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ.

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پورا کرنے میں لگا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا، اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے نکال دے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔"

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. "جو شخص اپنے بھائی کو بے آبروئی سے بچائے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے آگ سے بچائے گا۔"

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ. "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے: "ہمارے اوپر ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص نہ تھا جو اپنے بھائی کے مقابلے میں اپنے آپ کو درہم و دینار کا زیادہ مستحق سمجھتا ہو۔ اور اب ایسے زمانہ میں ہوں کہ درہم و دینار ہمارے لئے اپنے بھائی سے زیادہ محبوب بن گئے ہیں۔"

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ حُرْمَةً مِّنَ الْکَعْبَةِ. "مومن کعبہ سے زیادہ قابل احترام ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا:

"تو کیسا عظمت والا ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے مگر مومن کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔"

یہ بات جو انہوں نے کہی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد گرامی ہے۔

کعبہ کی حرمت اور اس کا تقدس اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر وہ ایک خاموش یادگار ہے۔ اس سے کسی کو وہ معاملات پیش نہیں آتے جو زندہ انسانوں سے پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کعبہ کا احترام کرنے پر آسانی سے راضی ہو جاتا ہے مگر انسان کا احترام کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔

لیکن انسان کے تقویٰ کا امتحان کعبہ کی سطح پر نہیں بلکہ انسان کی سطح پر مطلوب ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف کوئی برا گمان گذرتا ہے اور وہ محض گمان کی بنیاد پر اس کے بارے میں نہیں بولتا، یہاں تک کہ وسعت ظرف سے کام لیتے ہوئے وہ اس کی تحقیق سے بھی بچتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی بات کو جسے اللہ نے چھپا رکھی ہے، چھپا رہنے دے، تو وہ ایک ایسے عمل کا ثبوت دیتا ہے جو کعبہ جیسی مقدس عمارت کا احترام کرنے سے زیادہ بڑا عمل ہے۔

جب اسے اپنے کسی مسلمان بھائی پر غصہ آتا ہے مگر اس کے باوجود اپنے آپ کو اس سے انتقام لینے یا اس پر اپنا غصہ اتارنے یا ذلیل کرنے سے روکتا ہے، تو وہ ایسا عمل کرتا ہے جو مقدس یادگاروں کا ادب کرنے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

جب ایک شخص دیکھتا ہے کہ اس کا کوئی بھائی کسی پہلو سے ترقی کر رہا ہے تو وہ اس سے حسد نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا برا چاہتا ہے تو یہ عمل اللہ کے نزدیک کعبہ کے احترام سے بھی زیادہ اجر کا باعث بن جاتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان ایک درمیانی مقام پر کھڑا ہے۔ ایک طرف اس کا خدا ہے جس سے وہ آخرت میں ملنے والا ہے، دوسری طرف وہ انسان ہیں جن کے درمیان وہ رہتا ہے۔

انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بارے میں چاہتا ہے۔

اگر آدمی کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بھیدوں کو کھول کر آخرت میں اسے رسوا نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے تو اسے دنیا میں یہ کرنا ہے کہ وہ دوسروں کے بھید کے پیچھے نہ پڑے۔ وہ اگر خدا کے بندوں کا بھید چھپائے گا تو خدا اس کے بھید چھپائے گا۔ اگر اس نے دوسروں کو رسوا کیا تو خدا اس کو یہ سزا دے گا کہ اس کو رسوا کر کے اپنی رحمتوں سے دور کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کی عزت بچانا خود اپنی عزت بچانا ہے اور دوسروں پر وار کرنا خود اپنے پر وار کرنا ہے۔

بخاری میں روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ. ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ کوئی اسے ذلیل نہ کرے، اس لئے مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ذلیل کرنے کے منصوبے بنائے۔ ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کی بربادی نہ سوچے، تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی بربادی کی تدبیریں نہ کرے۔ ہر انسان اس بات کا متمنی ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت اور پریشانی پر اس کی مدد کرنے والوں کی بھیڑ امنڈ پڑے، اسی طرح مسلمان کا فریضہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت اور پریشانی میں اس کی ہر طرح کی مدد سے باز نہ رہے۔

ایمان کا کمال یہی ہے کہ آدمی دوسروں کے بارے میں اتنا حساس ہو جتنا وہ اپنے بارے میں ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی بربادی کو اپنی بربادی، دوسروں کے نقصان کو اپنا نقصان اور دوسروں کی بے عزتی کو اپنی بے عزتی سمجھے۔

کسی کو فائدہ پہنچا کر یہ سوچے کہ وہ خود کو فائدہ پہنچا رہا ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر یہ محسوس کرے کہ خود کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

مسلمان وہ نہیں ہوتا جو اپنے خون کو خون اور دوسرے کے خون کو پانی سمجھے، جو اپنی عزت کو عزت اور دوسروں کی عزت کو کھلونا سمجھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو آپس میں اس طرح رہنے کی تلقین فرمائی ہے جیسے ایک جسم ہوتا ہے۔ جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم اسے محسوس کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مثال:

فرض کیجئے آپ کا کوئی نوکر ہے، جس کے کان میں بہت تیز درد ہو رہا ہے۔ اسی حالت میں آپ کو ایک بالٹی پانی کی ضرورت ہے مگر آپ نوکر سے نہیں کہیں گے کہ جاؤ نل سے پانی بھر لاؤ، کیوں؟ نل تک وہ پاؤں سے چلے گا اور پانی وہ اپنے ہاتھوں سے بھرے گا، اس کام کے لئے کان کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن آپ اسے اس کام پر آمادہ نہیں کریں گے کیوں کہ آپ کو یقین ہوگا کہ کان کے درد نے اس کے پورے جسم اور اس کے ایک ایک عضو کو متاثر کر رکھا ہے۔

مسلمانوں کو بھی آپس میں اسی طرح ایک دوسرے کے دکھ کو محسوس کرنا چاہیے۔

ایک واقعہ:

جنگ یرموک، اسلامی تاریخ میں ایک مشہور جنگ مانی جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ جب جنگ تھمی تو چاروں طرف زخمیوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ ایک مسلمان پانی کا پیالہ لے کر میدان جنگ کی طرف گئے تا کہ زخمیوں کو پانی پلا سکیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ایک زخمی مسلمان زخموں سے چور ہے اور پانی مانگ رہا ہے۔ انہوں نے جب پانی کا پیالہ اس کے منہ سے لگانا چاہا کہ اچانک دوسرے زخمی پیاسے مسلمان کی آواز آئی۔

اب اس زخمی مسلمان نے پانی نہیں پیا اور دوسرے مسلمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ پانی پہنچانے والے نے جب دوسرے کے پاس پہنچ کر انہیں پانی پلانا چاہا تو تیسرے زخمی مسلمان کے کراہنے کی آواز آئی۔ اب اس نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا اور تیسرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

پانی پہنچانے والے نے جب تیسرے کے پاس پہنچ کر پانی پلانا چاہا تو دیکھا کہ وہ دم توڑ چکے ہیں۔ اور جب وہ لوٹ کر دوسرے کی طرف آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بھی شہید ہو گئے ہیں اور جب وہ واپس پہلے کی طرف لوٹے تو دیکھا کہ وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ تین کے تینوں نے اپنی جان دے دی لیکن اپنے پیاسے مسلمان بھائی سے پہلے خود پانی پینا گوارا نہیں کیا۔

کیا تاریخ انسانیت میں اخوت و ہمدردی کی ایسی انوکھی مثال مل سکتی ہے؟

سچ کہا کہنے والے نے۔

وہ خود پیاسے رہیں اوروں کو تشنہ لب نہیں رکھتے
ترے رندوں میں کتنا جذبۂ ایثار ہے ساقی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر کا واقعہ ہے: حجاج بن یوسف نے انہیں قتل کرنے کے لئے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے دو سپاہی ان کی تلاش میں نکلے۔

جب سپاہی انہیں گرفتار کر کے چلے تو راستہ میں حضرت سعید بن جبیر کی عبادت وریاضت کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے اور انہیں حضرت سعید پر بڑا ترس آیا۔

سپاہیوں نے کہا، ہم آپ کو آزاد کر دیتے ہیں آپ یہاں سے چلے جائیے ورنہ حجاج آپ کو قتل کرا دے گا۔

انہوں نے کہا، حجاج کو اس واقعہ کی خبر مل جائے گی اور پھر اس غصہ میں وہ تم دونوں کو قتل کر دے گا۔ اس لئے میں تمہارے ساتھ چلوں گا، کیوں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میری جان بچ جائے اور میرے بدلے میں دو مسلمانوں کی جانیں چلی جائیں۔

چنانچہ حضرت سعید بن جبیر نے سپاہیوں کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ وہ حجاج بن یوسف کے یہاں گئے اور آخر کار قتل کر دیے گئے۔

جہاں تک ایک جسم کی طرح رہنے کا سوال ہے، آج تک کہیں یہ نہیں دیکھا گیا کہ کسی نے اپنے ہاتھوں اپنی آنکھیں پھوڑ لی ہوں، یا خود اپنے ایک ہاتھ کو کاٹ ڈالا ہو، یا اپنے سر کے بالوں کو نوچ ڈالا ہو یا اپنے جسم کے کسی حصہ میں سوئی چبھو دی ہو۔

آدمی ایسا نہیں کرتا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس طرح وہ خود کو مٹانے کا سبب بن جائے گا۔ مگر افسوس آج ہم مسلمانوں کی یہی حالت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو برباد کرنا چاہتا ہے، مگر یہ نہیں محسوس کرتا کہ وہ خود کو برباد کر رہا ہے۔

ایک واقعہ:

ایک انگریزی کہانی ہے، ایک بار ایک کتا کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں اس نے دیکھا کہ ایک ریتی پڑی ہے اور اس پر تازہ خون لگا ہوا ہے۔ کتا ریتی پر لگے ہوئے خون کو چاٹنے لگا، پھر اس کی زبان کٹ گئی اور اس سے خون جاری ہو گیا۔ پھر کتا اسی دھن میں اپنا خون چاٹنے لگا۔

کتا یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ریتی پر لگے ہوئے خون کو چاٹ رہا ہے، حالاں کہ وہ اپنا خون چاٹ رہا تھا۔ اس طرح وہ اپنے ہی خون کی لذت لیتے لیتے مر گیا۔

ایک طرف ہمارا طرز عمل ایسا ہے۔ اور دوسری طرف اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کا سماج ایسا سماج ہے کہ جب بھی ایک شخص کا دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کے اندر محبت، رحمدلی اور مہربانی ہی پاتا ہے۔

ہر ایک دوسرے کی حاجت براری کے لئے اس طرح تیار رہتا ہے جیسے کہ یہ اس کا اپنا مسئلہ ہو، کوئی دوسرے مسلمان کو ننگا، بھوکا یا بے گھر دیکھتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے جیسے وہ خود ننگا، بھوکا اور بے گھر ہو۔ کسی کو برداشت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو بے سہارا چھوڑ دے، ایک دوسرے سے ظلم اور گھمنڈ کے بجائے تواضع اور انصاف ملتا ہے، کوئی کسی پر فخر نہیں کرتا، کوئی کسی سے حسد نہیں کرتا، ہر ایک، دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے، ہر ایک، دوسرے کا ساتھی بن جاتا ہے۔

اسلامی سماج میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس میں سے وہ دوسروں کو بھی دیتا رہے، اس کے قول اور عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اس کے بعد کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ ہونے دے۔ اگر وہ دوسروں کو کچھ نہ دے سکے تو دوسروں کو محروم بھی نہ کرے۔ اگر وہ دوسروں کے کام نہ آسکے تو ان کے کام بگاڑنے کی بھی کوشش نہ کرے، اگر دوسروں کے لئے اس کے پاس میٹھے بول نہ ہوں تو وہ ان کو کڑوے بول بھی نہ دے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق ہیں، ان میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ اس کی جان کا احترام کرے۔

اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کردے تو اس نے سب سے بڑا معاشرتی جرم کیا۔

ایک شخص جب دوسرے کو قتل کرتا ہے تو وہ اس کے اوپر اپنا آخری ممکن وار کرتا ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کے بعد مجرم کے لئے اپنے جرم کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ قتل عمد کی سزا خلود فی النار ہے۔

جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے تو اللہ اس سے اتنا غضب ناک ہوتا ہے کہ اسے ملعون قرار دے کر ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ البتہ قتل خطا کا جرم ہلکا ہے۔

کوئی شخص کسی مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے، اس کے بعد اسے احساس ہو اور وہ اللہ کے آگے روئے، گڑگڑائے اور مقررہ قاعدہ کے مطابق اس کی تلافی کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا. ''جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

ایک مسلمان کا جس طرح یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو زندگی سے محروم نہ کرے، اسی طرح ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق بھی ہے کہ وہ اس کو بے عزت نہ کرے، اس کا مال نہ چھینے، اس کو بے گھر نہ کرے، اس کے روزگار میں خلل نہ ڈالے، اسے کسی جھوٹے معاملے میں نہ پھنسائے، اس کے خلاف سازشیں نہ کرے، اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے بے توجہی نہ برتے، اس کے سکون کو غارت کرنے کا منصوبہ نہ بنائے، اسے ذلیل کرنے کی تدبیریں نہ کرے۔

وہ چیزیں جو اس کے لئے زندگی کا اثاثہ کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں سے کسی چیز کو چھیننے یا ضائع کرنے کی کوشش نہ کرے۔

ایک شخص اگر غلطی سے اس قسم کا فعل کر بیٹھے جس سے اس کے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچ جائے تو اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس کرنا چاہیے۔ اور غلطی کا احساس ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے اور اپنے بھائی کے نقصان کی تلافی کرے۔

اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ آدمی قصداً ایسی کارروائی کرے جس کا سوچا سمجھا مقصد اپنے بھائی کو نقصان پہنچانا اور اس کو پریشان کرنا ہو تو یہ قتل مسلم کی طرح حرام اور اسی نوعیت کا جرم ہے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق فرض ہیں، ان کی تفصیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ میں ملتی ہے۔ مثلاً مسلم کی روایت ہے: ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے۔''

مسند احمد میں حدیث ہے: ''مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا، ایک آدمی کے لئے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے بھائی کی تحقیر کرے۔''

مسلم میں روایت ہے: ''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں، ملاقات کے وقت سلام کرنا، دعوت قبول کرنا، خیر خواہی کرنا، چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہنا، بیمار پرسی کرنا اور جنازہ کے ساتھ چلنا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم ہی میں یہ حدیث بھی ہے: ”جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا رہتا ہے۔“

ابن ماجہ کی روایت ہے: ”جب مسلمان اپنے بیمار مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کو جاتا ہے تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے، بھائی کی بیمار پرسی تجھے مبارک ہو، تو نے اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیا۔“

بخاری میں روایت ہے: ”جو مسلمان ایمان کی بات جان کر ثواب کی غرض سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جاتا ہے اور جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کے وقت تک رہتا ہے تو دو قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے اور ہر قیراط احد (پہاڑ) کے برابر ہے۔ اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ آتا ہے تو وہ ایک قیراط کا ثواب پاتا ہے۔“

سلام:

مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں پر یہ حق بھی ہے کہ ان میں جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو تو سلام کریں اور ایک دوسرے کی خیر و عافیت دریافت کریں۔

اس حق کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ مسلمان سے تین دن سے زیادہ سلام و کلام ترک کر دینے کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

احادیث میں اس کے متعلق شدید وعید آئی ہے۔ اس کی تفصیل ارشادات نبوی میں یوں ملتی ہے۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے: ”کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زیادہ ترک تعلق کرے، اس طرح کہ ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ہو تو یہ اس سے اعراض کرے اور وہ اس سے اعراض کرے۔ اور ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

ابوداؤد کی روایت ہے: ”کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تین دنوں سے زیادہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے ترک تعلق کرے اور جس نے تین دنوں سے زیادہ ترک تعلق جاری رکھا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔“

ابوداؤد ہی کی روایت ہے: ”جس نے اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال تک ترک تعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کئے رکھا یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اس کو قتل کر دیا۔"

ابوداؤد کی حدیث ہے: "کسی مومن کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مومن سے تین دنوں سے زیادہ ترک تعلق کرے۔ اگر تین دن گذر جائیں تو اسے اس مومن سے ملاقات کرنا اور اس کو سلام کرنا چاہیے۔ وہ اگر سلام کا جواب دے تو اجر میں دونوں شریک ہوں گے اور اگر اس کے سلام کا جواب نہ دیا جائے تو جواب نہ دینے والا گنہ گار ہوگا اور سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے بری ہوگا۔"

ہر فرقہ میں یہ دستور ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں تو زبان سے یا ہاتھ کے اشارہ سے ادب اور محبت کا اظہار کرتے ہیں، اس کے لئے ہر قوم میں الگ الگ طریقہ ہے۔

اسلام نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ جب دو مسلمان ملیں تو ایک دوسرے کو سلام کریں۔ ایک کہے، السلام علیکم "تم پر سلامتی ہو۔" دوسرا جواب دے، وعلیکم السلام "اور تم پر بھی سلامتی ہو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ رکھو اور تم جب تک ایمان والے نہیں بنو گے، جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آؤ میں تمہیں ایسی بات بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت ہوگی: اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. "آپس میں سلام خوب رائج کرو۔"

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اس کے لئے دس نیکیاں ہیں۔"

دوسرا شخص آیا، اس نے کہا، السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپؐ نے جواب دے کر فرمایا: "اس کے لئے بیس نیکیاں ہیں۔"

اتنے میں تیسرا شخص آیا، اس نے کہا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے کر فرمایا: "اس کے لئے تیس نیکیاں ہیں۔"

سلام پھیلانے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اتفاق واتحاد قائم رکھیں، کسی قسم کی شکر رنجی، دشمنی اور کینہ پروری کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔

اور سلام سے یہ مقصد ضرور حاصل ہوتا ہے۔ کیوں کہ سلام ایک دعا ہے، جس کے معنیٰ ہیں کہ تم پر سلامتی ہو یعنی تم سلامت رہو، تمہارا ایمان سلامت رہے، تمہارے گھر والے سلامت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہیں، تمہارا مال و اسباب سلامت رہے، الغرض جتنی سلامتیاں ہو سکتی ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوں۔

یہ بالکل یقینی بات ہے کہ دو مسلمان جب ایک دوسرے کے لئے اس قسم کی دعا مانگیں گے تو آپس میں خلوص و محبت ضرور پیدا ہوگی۔ اگر کسی قسم کی عداوت بھی ہوگی تو مٹ جائے گی۔

سلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کو، سوار پیدل کو اور اونچی جگہ والا شخص نیچی جگہ والے کو سلام کرے۔

قرآن نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو عالمگیر برادری بتایا ہے۔ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. ''بے شک مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھو۔''

اس حکم کے تقاضوں اور اس کی اہمیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بکثرت ارشادات میں بیان فرمایا ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فِسُوْقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ. ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت جریرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی۔ نماز قائم کروں گا، اپنے مالوں کی زکوٰۃ دوں گا اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔

ابوداؤد کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کو ذلیل کیا جا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقعوں پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو۔ اور کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقعوں پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی تذلیل و توہین کی جا رہی ہو تو اللہ عزوجل اس کی مدد ایسے مواقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ خود کو دوسروں پر ظلم کرنے سے بچائے بلکہ یہ بھی اس کا فریضہ ہے کہ جب کسی پر ظلم ہو رہا ہو، یا اس کی حق تلفی کی جارہی ہو تو وہ خاموش تماشائی نہ بنے بلکہ ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دے۔

ترمذی میں روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي ثُمَّ يَقْدِرُونَ عَلىٰ اَنْ يُغَيِّرُوْا اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ. "کسی بھی قوم میں اگر گناہ کئے جائیں اور قدرت رکھنے کے باوجود لوگ گنہ گاروں کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔"

ترمذی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی منقول ہے: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ. "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ضرور ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ ورنہ جلد ہی اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس کو پکارو گے مگر وہ تم کو جواب نہ دے گا۔"

کسی معاشرہ میں ہمیشہ تھوڑے آدمی ہوتے ہیں جو شرارت کرتے ہیں۔

اب اگر معاشرہ ایک زندہ معاشرہ ہو تو جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو ستا رہا ہے، ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو تکلیف دے رہا ہے، ایک صاحب معاملہ دوسرے صاحب معاملہ کے حقوق ادا نہیں کرتا تو ایسے معاشرہ میں مظلوم کو خود اپنے آس پاس ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اس کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں۔ وہ ظالم کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی شرارت سے باز نہ آجائے۔

ایسے سماج میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں مگر وہیں کی وہیں دب جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جب لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ اپنے سامنے ظلم و زیادتی کے واقعات کو دیکھیں مگر غیر جانبدار بن کر رہ جائیں تو ڈھیرے ڈھیرے ان خرابیوں سے ایسے فتنے ابھرتے ہیں جو پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

ماحول کا دباؤ سب سے بڑا دباؤ ہے حتیٰ کہ حکومت اور عدالت سے بھی زیادہ، اگر آس پاس کا ماحول ظالم کو روکے اور مظلوم کی حمایت میں کھڑا ہو جائے تو برائیاں کبھی نہیں پھیل سکتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن جب لوگ برائی کو دیکھیں اور اسے دیکھنے کے باوجود خاموش رہیں تو اس سے بیک وقت دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک طرف ظالم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں مزید ظلم کے لئے راستہ ہموار ہو جاتا ہے اور دوسری طرف، مظلوم کے اندر بداعتمادی اور انتقام کا جذبہ ابھر آتا ہے۔

اور یہ دونوں چیزیں وقت کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ برائیاں بڑھ کر خود ان لوگوں کو جھلس دیتی ہیں جو اپنے کو محفوظ سمجھ کر ان کے معاملہ میں غیر جانبدار بن گئے تھے۔

وہی سماج اسلامی سماج کہلائے جانے کا مستحق ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، جس میں لوگ انصاف پسند ہوں نہ کہ بے انصافی کرنے والوں کے ساتھی بنیں۔

جس ماحول میں آدمی کا حال یہ ہو کہ وہ ناانصافی اور ظلم کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرے اور جو کہنے کی بات ہو اسے زبان پر نہ لائے تو ایسے سماج کو مسلم سماج نہیں کہا جا سکتا۔

اپنے مسلمان بھائی کی ہمدردی اور اس کی مدد کے سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس طرح کی مدد صرف حق بات میں درست ہے، ناحق پر نہیں، خواہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔

ابوداؤد کی حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے سبب لوگوں سے جنگ کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر مرے۔''

ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: عصبیت کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرنا۔''

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''عصبیت یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی قوم کو دوست رکھے بلکہ عصبیت یہ ہے کہ ظلم (ناحق) پر اپنی قوم کی مدد کرے۔''

کسی مسلمان کو ستانا، اس پر ظلم کرنا صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اسے مارے یا نقصان پہنچائے یا اسے مارنے اور نقصان پہنچانے میں دوسروں کی مدد کرے بلکہ زبان سے برا بھلا کہنا، اس کی غیبت کرنا، اسے برے القاب سے یاد کرنا، جھوٹے الزام لگا کر اسے بدنام کرنا بھی ظلم میں داخل ہے۔

کیوں کہ زبان انسان کیلئے جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔ بخاری کی روایت کے مطابق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندہ اللہ کی رضا کی ایک بات کہتا ہے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا مگر اس وجہ سے اللہ اس کے درجات بہت بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح بندہ اللہ کی ناراضگی کی ایک بات کہتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا مگر اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔''

کسی مفکر کا یہ قول بالکل درست ہے کہ ''پرندے اپنے پاؤں کے باعث جال میں پھنستے ہیں اور انسان اپنی زبان کے باعث۔''

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ سماجی زندگی میں اکثر مصیبتوں کی وجہ آدمی کی زبان ہوتی ہے۔

زبان کی بے احتیاطی گھر کے اندر اور گھر کے باہر آدمی کے لئے بے شمار مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ آدمی اگر زبان کو قابو میں رکھے یا کم از کم ایسا کرے کہ نازک مواقع پر چپ رہے تو وہ یقینی طور پر بہت سی ناخوشگوار باتوں سے بچ سکتا ہے۔

دنیا کے تمام مصلحین ومفکرین نے زبان کے محتاط استعمال پر بہت زور دیا ہے۔ مثلاً گوتم بدھ کا قول ہے: ''زبان ہم کو اس لئے دی گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے خوشگوار باتیں کریں نہ کہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں۔''

ہندی کہاوت ہے: ''تلوار کے وار کی نسبت زبان کا وار زیادہ گہرا ہوتا ہے۔''

شیکسپیئر کا کہنا ہے: ''بے وقوف آدمی کا دل منہ میں ہوتا ہے اور عقلمند آدمی کی زبان دل میں۔''

اوڈن کا قول ہے: ''خالی دماغ اور قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان ایک دوسرے کے قریبی دوست ہیں۔''

فرینکلن نے کہا ہے: ''پیروں کی لغزش کے بعد سنبھلا جا سکتا ہے مگر زبان کی لغزش کے بعد سنبھلنا ممکن نہیں۔''

فضیل بن عیاض کا قول ہے: ''خدا سے ڈرنے والے کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔''

عربی کہاوت ہے: ''جاہل کی زبان اس کی مالک ہوتی ہے اور عقل مند کی زبان اس کی خادم۔''

افلاطون نے کہا ہے: ''بات کو دیر تک سوچو پھر اس کو منہ سے نکالو، تم کبھی شرمندہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو گے۔"

سویٹ نارڈین کا کہنا ہے: "اگر آدمی کے پاس اچھے بول ہوں تو وہ اچھی صورت نہ ہونے کے باوجود لوگوں کو اچھا معلوم ہو گا۔"

عربی کا مقولہ ہے: "جو شخص ناپسندیدہ بات کہے گا وہ ناپسندیدہ بات سنے گا۔"

اسی لئے معلم انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا: مَنْ يُضْمِنُ لِي بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمِنُ لَهُ الْجَنَّةَ. "جو شخص مجھے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔"

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے، اچانک ابوجہل آ گیا اور ان کے درمیان بیٹھ گیا۔

محفل میں بیٹھتے ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو برا بھلا کہنے لگا۔

لوگ خاموشی کے ساتھ اس کی باتوں کو سنتے رہے اور اس کی بدزبانیوں کو برداشت کرتے رہے، جب اس کی باتیں برداشت سے باہر ہو گئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بری باتوں کا جواب دینا شروع کیا اور اسے برا بھلا کہنے لگے۔

اتنا ہونا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: "یارسول اللہ! ہم سے کیا گستاخی ہوئی ہے جو آپ محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے؟"

آپؐ نے فرمایا: "جس محفل میں رحمت کا فرشتہ نہیں رہتا وہاں محمدؐ کیسے رہ سکتا ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم نے نہیں سمجھا؟

آپؐ نے فرمایا: "ابوبکر! ابھی ابھی جب ابوجہل تمہیں برا بھلا کہہ رہا تھا اور تم خاموشی سے اس کی بدزبانیوں کو سن رہے تھے تو اس مجلس میں رحمت کا ایک فرشتہ موجود تھا جو ابوجہل کی بری باتوں کے بدلے ہم سب پر اللہ کی رحمت بھیج رہا تھا لیکن جب تم نے اپنے دشمن کو برا بھلا کہنے کے لئے اپنی زبان کو کھولا تو رحمت کا فرشتہ یہاں سے چلا گیا۔"

غیبت:

زبان کا بے جا استعمال مثلاً گالی دینا، غیبت و چغلی کرنا، دوسروں پر الزام لگانا، کسی کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برے القاب سے یاد کرنا، طعن وتشنیع کرنا، یہ سب افعال شنیعہ ہیں، قرآن مجید اور احادیث رسولؐ میں ان کی سخت مذمت آئی ہے۔

غیبت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ حجرات میں ارشاد فرمایا: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً. ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کام کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا تصور دلایا ہے۔

غیبت کا مطلب ہے پیٹھ کے پیچھے دوسرے کی برائی اور بدگوئی کرنا۔

مسلم اور ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔''

عرض کیا گیا: ''اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ برائی موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔''

مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''غیبت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔''

اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگرچہ میری بات حق ہو۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز بہتان ہے۔''

مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیبت، زنا سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔''

لوگوں نے پوچھا: کس وجہ سے؟

آپؐ نے فرمایا: ''آدمی جب زنا سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی جب تک وہ معاف نہ کردے جس کی اس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیبت کی ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ زنا کار کی توبہ ہے مگر غیبت کرنے والے کی توبہ نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے اس طرح مغفرت کی دعا کرے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَلَہٗ. "اے اللہ تو ہمیں اور اس کو بخش دے۔"

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "غیب کی تین صورتیں ہیں، غیبت، افک اور بہتان۔

غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں اس کی پیٹھ کے پیچھے ایسی بات کہو جو اس کے اندر موجود ہے۔ افک یہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کہو جو تم کو پہنچے، بہتان یہ ہے کہ اس کے بارے میں وہ بات کہو جو اس کے اندر موجود نہیں ہے۔

غیبت خواہ صریح الفاظ میں کی جائے یا اشارہ و کنایہ میں، ہر صورت میں حرام ہے۔

اسی طرح یہ فعل خواہ انسان کی زندگی میں کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد، دونوں صورتوں میں اس کی حرمت یکساں ہے۔

ابوداؤد میں واقعہ آتا ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی کو جب زنا کے جرم میں سزا دی گئی تو ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ رہا تھا: "دیکھو اللہ نے اس کے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک یہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سن لیا۔

کچھ دور پر مرے ہوئے ایک گدھے کی سڑی ہوئی لاش نظر آئی تو آپؐ رک گئے اور ان دونوں کو بلا کر کہا: "اترو اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ۔" ان دونوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! اسے کون کھائے گا؟"

آپؐ نے فرمایا: "ابھی ابھی تم لوگوں نے اپنے بھائی کی عزت پر جو باتیں کہی ہیں وہ اس مردار گدھے کا گوشت کھانے سے زیادہ بری ہیں۔"

ترغیب وترہیب میں واقعہ آتا ہے:

ایک بار ایک غزوہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم صبح کے وقت ناشتہ کرنے بیٹھے، ناشتہ میں ان کے سامنے صرف سوکھی روٹی تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ اپنے غلام کو جگا کر آنحضرت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیجیے کہ وہ ہمارے لئے آپؐ کے پاس سے کوئی سالن، شہد یا زیتون لے آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے کہا، وہ غلام تو بڑا کاہل، سست اور کام چور ہے۔

آخر کار دوسرے آدمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے جب آپؐ سے کہا کہ حضرت ابوبکر! اور حضرت عمرؓ نے آپؐ سے سالن مانگا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو سالن کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی تو انہوں نے پیٹ بھر کے گوشت کھایا ہے۔''

آدمی نے ان دونوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو دہرایا۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ بھلا ہم آپؐ سے جھوٹ کہیں گے، ہم نے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں کھائی ہے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''جب تم نے اپنے غلام کی پیٹھ کے پیچھے اس کی برائی کی، اسے کاہل، سست اور کام چور کہا تو کیا تم نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت نہیں کھایا۔''

کوئی شخص، بیمار ہو اور وہ اپنی بیماری کا احساس کرتا ہو تو امید کی جا سکتی ہے کہ وہ علاج سے تندرست ہو جائے گا۔ لیکن ایسے بیمار کے صحت مند ہونے کی امید نہیں ہوتی جو نہایت سخت بیماری میں مبتلا ہو اور اپنے آپ کو تندرست خیال کر رہا ہو۔

بس یہی حال اس شخص کا ہے جو کسی سخت گناہ میں مبتلا ہے لیکن اپنے آپ کو گنہگار نہیں جانتا اور نہ اپنے گناہ کو گناہ خیال کرتا ہے۔

یقین کیجیے جس طرح اس بیمار کی زندگی خطرہ میں ہے اسی طرح اس گنہگار کا ایمان خطرے میں ہے۔

یہی حال غیبت کا ہے۔

یہ نہایت سخت گناہ ہے اور قریب قریب ہم میں سے ہر شخص اس میں مبتلا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اسے کوئی شخص گناہ اور عیب خیال ہی نہیں کرتا۔

آج کے دور میں سب سے زیادہ دلچسپ، مزیدار اور خوشگوار گفتگو وہی سمجھی جاتی ہے جس میں کسی کی برائی بیان کی جارہی ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ دیکھیں گے کہ مجلس میں جب تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی ہیں، اس میں لوگوں کو مزہ نہیں آتا لیکن جہاں کسی کی غیبت شروع ہوئی بس مجلس میں ایک سرگرمی اور زندگی پیدا ہوگئی۔

خاموش زبانیں، تسبیح پڑھنے والی زبانیں، ذکر الٰہی میں حرکت کرنے والی زبانیں سب کی سب اس غیبت یا کم از کم اسے دلچسپی سے سننے میں لگ جاتی ہیں۔

حالی مرحوم نے کیا ہی سچ کہا ہے ؎

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہے — کہ آلودہ اس خون میں ہر بشر ہے
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگذر ہے — نہ ملا نہ صوفی کو اس سے حذر ہے

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے کسی مرید نے کسی شخص کی شکایت کی کہ فلاں آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔

انہوں نے اپنے مرید ہی کو ڈانٹا کہ اس شخص نے مجھے تکلیف نہیں دی بلکہ تو نے مجھے ستایا کیوں کہ جس نے مجھے گالیاں دی تھیں، وہ گویا اپنا تیر پھینک کر چلا گیا تھا مگر تو نے اس تیر کو اٹھا کر میرے سینے میں پیوست کردیا تو حقیقت میں تو زیادہ برا ہے۔

اسلام نے تمام مسلمانوں میں بھائیوں جیسا رشتہ قائم کیا اور یہ بات ذہن نشین کرادی کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے جب تک وہ اپنے مسلم بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اور ان تمام امور سے بھی سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں کدورت پیدا کرنے والے اور اخوت کے رشتہ کو کمزور کرنے والے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ زبان ہے۔

زبان کی معمولی بے احتیاطی بڑے بڑے فتنوں اور عداوتوں کا سبب بن جاتی ہے، اخلاقیات پر اس کا بہت ناگوار اثر پڑتا ہے، اس سے کچھ ملتا نہیں، البتہ بہت کچھ چھن جاتا ہے۔

کسی کا مذاق اڑا دیا، کسی سے استہزاء کیا، کسی پر آوازہ کس دیا، کسی کے متعلق غلط خیال قائم کرلیا، دوسروں کے رازوں کی ٹوہ میں لگ گئے، کسی کی باتیں کان لگا کر سننی شروع کردیں، دوسروں کو کسی کی برائی کرتے سنا تو خود بھی اس کی تائید کرنے لگے، کسی میں اپنے نزدیک کوئی برائی دیکھی تو اسے لوگوں میں بیان کرتے پھرے، کسی کی طرف سے دل میں کوئی ملال آگیا یا اس سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی ناخوشگوار بات پیش آئی تو اس کی برائی اور غیبت شروع کر دی۔

یہ برائیاں مسلمانوں میں اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ ان کے گھناؤنے پن کا احساس ہی جاتا رہا۔ بظاہر یہ چیزیں بہت عام اور انتہائی معمولی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت کسی کا سر اور سینہ پھاڑ کر رکھ دینے سے کہیں زیادہ شر انگیز ہیں۔ سمجھنے کے لئے کوئی شخص ان باتوں کو خواہ کتنا ہی معمولی سمجھے۔ کیوں کہ جب کوئی عیب عام ہو جاتا ہے تو معمولی بن جاتا ہے۔

زنا کتنی خوفناک چیز ہے؟ مگر بعض قوموں میں یہ عام چیز سمجھا جاتا ہے اور اسے ایک تفریح سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی۔ یہی بات لسانی لغزشوں کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔

پھبتیاں، آوازے، تمسخر، عیب جوئی، غیبت، چغلی، فحش گوئی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا، حالاں کہ یہ چیزیں حد درجہ فتنہ انگیز ہیں۔

ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہوں نے آپؐ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور جہنم سے دور کر دے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''تم نے بہت بڑی بات پوچھی اور یہ بہت آسان ہے جس پر اللہ آسان کر دے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا: ''تم اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج ادا کرو۔''

پھر فرمایا: ''کیا میں تم کو بتاؤں کہ بھلائی کے دروازے کیا ہیں؟ سنو! روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو اس طرح بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو۔ اور رات کو خاموشی میں اٹھ کر نماز پڑھنا۔''

اور پھر فرمایا: ''کیا میں تم کو بتاؤں کہ دین کا سرا کیا ہے اور اس کا ستون کیا ہے اور اس کی چوٹی کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''ضرور! یا رسول اللہ۔''

فرمایا: ''اس کا سرا اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔''

پھر فرمایا: ''کیا میں تم کو بتاؤں کہ ان تمام چیزوں کی جڑ کیا ہے؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے کہا ضرور یا رسول اللہ!

آپؐ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا کف علیک هذا۔ ”اس کو روکے رکھو۔“

میں نے کہا اے خدا کے رسولؐ! ہم جو کچھ بولتے ہیں، کیا ان کا بھی مواخذہ ہوگا؟

آپؐ نے فرمایا: ”تمہاری ماں تمہیں گم کرے، لوگ اپنی زبان کی بدولت ہی تو آگ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔“

مسند احمد میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا: عَلِّمْنِیْ عَمَلاً یُدْخِلُنِیْ الْجَنَّةَ. ”مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں لے جائے۔“

آپؐ نے فرمایا: ”گردنوں کو آزاد کرو، دودھ والی اونٹنی دوسرے کو دودھ پینے کے لئے دو، قطع تعلق کرنے والے سے تعلق جوڑو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، لوگوں کو بھلی بات بتاؤ اور بری بات سے روکو۔“

آخر میں آپؐ نے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَکُفَّ لِسَانَکَ اِلَّا عَنْ خَیْرٍ. ”اگر تم ایسا نہ کرسکو تو اپنی زبان کو روکو اور کلمہ خیر کے سوا اس سے کچھ نہ نکالو۔“

احمد کی روایت کے مطابق حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا میں بتاؤں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟“

لوگوں نے کہا: ”ہاں یا رسول اللہ۔

فرمایا: ”وہ لوگ جو چغلی کرتے پھریں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے والے، اور بے عیب لوگوں میں عیب چاہنے والے۔“

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ”کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”ہاں۔“ پھر پوچھا گیا، کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

پھر پوچھا گیا، کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”نہیں۔“

اب ہم اندازہ کریں کہ ارشادات رسول کی روشنی میں زبان کی حفاظت کی کتنی اہمیت ہے؟

یہ مقولہ اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ”شریف وہ ہے جس کی زبان شریف ہو۔“

زبان، دل کی ترجمان ہے، دل برا ہے تو زبان بھی بری ہے اور زبان بری ہے تو دل کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرافت بھی ختم ہے۔

اسی لئے قرآن سکھاتا ہے کہ عام لوگوں سے گفتگو کرو تو شیریں زبان سے کرو، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً.

بزرگوں سے بات کا موقع آئے تو ادب سے کرو، وَقُولُوا قَوْلاً كَرِيماً.

پھر بات کرنے میں وقار اور متانت کا بھی خیال رکھو۔ وَقُولُوا قَوْلاً مَّعْرُوفاً.

قرآن مجید اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کریں اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کریں۔ سورۃ حجرات میں ارشاد ہوا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ. ''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔''

مذاق اڑانے سے مراد صرف زبان سے کسی کا مذاق اڑانا نہیں ہے بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف بے جا اشارہ کرنا، اس کی باتوں، اس کی صورت، اس کے لباس یا اس کے کسی کام پر ہنسنا یا اس کے کسی نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ دوسرے اس پر ہنسیں۔ یہ سب مذاق اڑانے میں شامل ہے۔

اسلام نے اس بات کی سخت مخالفت کی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی کسی نہ کسی طور پر تضحیک کرے، کیوں کہ اس تضحیک میں یقینی طور پر اپنی بڑائی اور دوسرے کی تذلیل و تحقیر کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں جو اخلاقاً سخت معیوب ہیں۔

طعن و تشنیع:

اسی طرح طعن و تشنیع کی بھی سخت مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً چوٹ کسنا، الزام دھرنا، عیب جوئی کرنا اور کھلم کھلا یا زیر لب اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا۔ یہ سارے کام چوں کہ آپس کے تعلقات بگاڑنے اور سماج میں فساد کا ذریعہ بنتے ہیں اسی لئے ان کو حرام کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برے القاب سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایسے نام سے پکارا جائے یا ایسا لقب دیا جائے جو اسے ناگوار ہو اور جن سے اس کی تنقیص وتحقیر ہوتی ہو۔

مثلاً کسی کو فاسق وفاجر یا منافق کہنا، کسی کو لولا، لنگڑا، اندھا یا کانا کہنا۔ کسی کو خود یا اس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی عیب یا نقص سے ملقب کرنا۔ کسی کو مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اس کے سابق مذہب کی بنا پر یہودی، نصرانی یا ہندو کہنا، کسی شخص، یا خاندان، یا برادری، یا گروہ کا ایسا نام رکھ دینا جس میں اس کی مذمت اور تذلیل کا پہلو ہو۔

ترمذی میں حدیث ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھے۔ دوران گفتگو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منھ سے اپنی سوکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نکل گیا۔ حَسْبُکَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَ كَذَا.

وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ناٹے قد کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

یہ سنتے ہی آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپؐ نے فرمایا: ''تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر سمندر میں ملایا جائے تو سمندر کا پانی بھی بدل جائے۔''

مسلمان کا دل ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے اندر بغض وکینہ، حسد، نفرت اور کبر بالکل جگہ نہ پا سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاتباغضوا۔'' ''ایک دوسرے سے بغض مت رکھو۔''

بغض وکینہ کی مثال ایک عینک جیسی ہے۔

اگر آپ کی آنکھوں پر ہرے شیشہ کی عینک ہے تو آپ کو دنیا کی ہر چیز ہری دکھائی دے گی۔ ہری چیز بھی ہری نظر آئے گی اور سفید چیز بھی ہری دکھائی دے گی۔

اسی طرح اگر آپ کے دل میں کسی کے خلاف بغض وکینہ ہے تو اس کی برائیاں بھی آپ کو برائیاں نظر آئیں گی اور اس کی خوبیاں بھی آپ کو برائیاں محسوس ہوں گی۔

وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہوگا لیکن آپ سوچیں گے کہ دوسروں کو دکھانے کے لئے کر رہا ہے، وہ قوم کے غم میں فکر مند ہوگا لیکن آپ کا دل گواہی دے گا کہ اسے صرف اقتدار کی ہوس ہے، وہ آپ کے گھر کے سامنے تسبیح پڑھتے ہوئے گذرے گا مگر آپ سوچیں گے کہ وہ آپ کو گالی دے رہا ہے۔

دراصل بغض وکینہ سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے جو تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔

بدگمانی کی وجہ سے آدمی کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً آپ نے کوئی بات دیکھی، کوئی واقعہ دیکھا اور اس سے ایک اندازہ لگایا، مگر کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ کا اندازہ درست ہو، ہوسکتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی دوسری بات ہو۔

مثلاً ایک بار ایک عورت حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی سے ملنے آئی۔ اس نے گھر کی چٹائی کو چھوا تو وہ بھیگی ہوئی تھی۔ عورت نے کہا کہ شاید بچہ نے یہاں پیشاب کر دیا ہے۔ امام اوزاعی کی بیوی نے کہا کہ نہیں یہ دراصل امام اوزاعیؒ کے آنسو ہیں، ہر صبح وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ عورت نے چٹائی کی نمی سے اندازہ لگایا مگر وہ اندازہ قطعاً غلط تھا۔

ایک لطیفہ:

ایک جگہ دو ڈاکٹر بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اتنے میں دونوں نے دیکھا کہ ایک شخص لنگڑاتا ہوا ان کی طرف آ رہا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ''اس شخص کے پاؤں میں موچ ہے اس لئے یہ لنگڑا کے چل رہا ہے۔''

دوسرے نے کہا: ''نہیں دراصل اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے یہ لنگڑا رہا ہے۔''

پہلے ڈاکٹر نے کہا: ''اگر اس کے پاؤں میں موچ نہ ہو تو میں ایک ہزار روپے جرمانہ دوں گا۔''

دوسرے نے کہا: ''اگر پیٹھ کی ہڈی نہ ٹوٹی ہوئی ہو، میں دو ہزار روپے جرمانہ دینے پر تیار ہوں۔''

اتنے میں وہ شخص سامنے آ گیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا: ''ڈاکٹر صاحبان لڑئے نہیں، نہ تو میرے پاؤں میں موچ ہے نہ ہی میری پیٹھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔ دراصل میرے لنگڑانے کا سبب یہ ہے کہ ابھی ابھی میری چپل ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے میں اپنا پاؤں گھسیٹتا ہوا چل رہا ہوں۔''

اسی طرح آپ نے کہیں کسی کی گفتگو کو سنا اور اس سے ایک اندازہ لگایا کہ کہنے والے کا مقصد یہ ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کہنے والے کا مقصد کچھ دوسرا ہو اور آپ نے کچھ دوسرا سمجھ لیا ہو۔

دیہات کی ایک خاتون بہت تیز تیز نماز پڑھتی تھیں۔ رکوع، سجدہ سب بہت جلد جلد کرتی تھیں۔ کسی نے کہا: تم نماز میں اتنی تیزی کیوں کرتی ہو؟ ٹھہر ٹھہر کر کیوں نہیں پڑھتیں؟

خاتون نے فوراً پر اعتماد لہجہ میں کہا: ''جس استاد نے مجھے نماز سکھائی انہوں نے کہا تھا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھو نماز میں سستی نہ کرنا۔"

استاد کا مطلب یہ تھا کہ نماز کی پابندی میں کمی نہ کرنا، مگر انہوں نے یہ مطلب لے لیا کہ تیز تیز نماز پڑھنا، دھیرے دھیرے نہ پڑھنا۔

ہاں، تو بدگمانی وہ بری چیز ہے جس سے سماجی جرائم بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید کی سورۂ حجرات میں ارشاد ہوا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. "اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔"

بدگمانی کے معاملہ میں ایمان والوں کا کیا کردار ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں جو سیرت ابن ہشام میں منقول ہے۔

ایک واقعہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ کی بات ہے۔ لوگ نماز کے لئے مسجد میں اکٹھا تھے، جماعت کا وقت ہو گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی شدت کی وجہ سے مسجد تشریف نہ لا سکے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مسجد میں موجود نہیں تھے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زمعہؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اصرار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے آگے کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے، جب انہوں نے اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کی تو ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ تک پہنچ گئی۔ آپؐ نے سن کر فرمایا: أَيْنَ أَبُوبَكْرٍ يَأْبَى اللهُ ذَالِكَ وَالْمُسْلِمُونَ. "ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مسلمان اس پر راضی نہیں۔"

اس کے بعد آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلائے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بجائے انہوں نے نماز پڑھائی۔

جس وقت یہ واقعہ ہوا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھے۔

چونکہ اسی امامت نماز پر آئندہ خلافت کا فیصلہ ہونے والا تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سوچ سکتے تھے کہ انہیں خدانخواستہ کسی "سازش" کے تحت امامت کے مقام سے ہٹایا گیا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سازش کا اصل دماغ حضرت عائشہ ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی ہیں، انہوں نے اپنے والد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بنانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف خدا اس میں مانع تھا کہ وہ اس قسم کی بدگمانی اپنے دل میں پیدا کریں۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عائشہؓ پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں لگایا نہ اسے اپنے دل میں جگہ دی۔

نسائی میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک بار تین دنوں تک ایسا ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمہارے سامنے ایک جنتی آنے والا ہے۔ ہر بار یہ آنے والے انصار میں سے ایک شخص ہوتے۔

یہ دیکھ کر حضرت عبداللہؓ بن عمر کو جستجو ہوئی کہ آخر وہ کون سا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بار بار یہ بشارت دی ہے۔

چنانچہ وہ ان کے یہاں گئے اور مسلسل تین دن ان کے پاس ٹھہرے۔

ان کا خیال تھا کہ شاید وہ کوئی خاص عبادت کرتے ہوں گے جس کی وجہ سے انہیں یہ مقام ملا۔ لیکن ان کی عبادت اور شب گذاری میں انہیں کوئی غیر معمولی چیز دکھائی نہ دی۔

آخر انہوں نے خود ہی ان سے پوچھا کہ آپ کون سا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے بارے میں یہ بات سنی گئی ہے؟

انہوں نے کہا کہ میری عبادت کا حال تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا البتہ ایک بات شاید اس کا سبب بنی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ "میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی کینہ نہیں رکھتا اور کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے دی ہو، اس سے حسد نہیں کرتا ہوں۔"

غصہ:

کسی بستی یا گاؤں میں جب کسی سے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے تو اس کی اصل وجہ ہوتی ہے بے برداشت ہونا اور غصہ کو قابو میں نہ رکھنا۔

قرآن کریم کے نزدیک نیکی یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ نے انسان کو دی ہیں ان کا جائز، برمحل اور اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان قوتوں کا ناجائز، بے محل اور افراط یا تفریط کے ساتھ استعمال کرنا گناہ ہے۔ مثلاً دولت بجائے خود نہ اچھی چیز ہے نہ بری۔ استعمال کے طریقوں سے اچھی اور بری بن جاتی ہے۔ اسراف یا بخل کرو، یا عیش و عشرت میں اڑاؤ تو بری چیز ہے لیکن حسب حیثیت کھاؤ پیو، اچھی حالت میں رہو اور نیک کاموں اور جائز ضروریات پر خرچ کرو تو اچھی چیز ہے۔ انسانی جذبات کا بھی یہی عالم ہے۔

ظالم کے ساتھ رحم کرو تو معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جائے اور مظلوم کے ساتھ کرو تو یہی معاشرہ جنت بن جائے۔

غصہ بھی انسانی جذبات میں سے ایک جذبہ ہے جو بذات خود نہ اچھا ہے نہ برا، بے گناہ کمزور پر آئے تو ظلم ہے، لیکن ظالم کا ظلم روکنے کے لئے آئے تو شجاعت اور غیرت ہے۔

اسلام نہ ان جذبات کو برا کہتا ہے، نہ ان سے نفرت دلاتا ہے اور نہ انہیں فنا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ ان کا جائز استعمال کرنا سکھاتا ہے۔

انسان کو جب کسی پر غصہ آتا ہے تو وہ اسے مٹا دینا چاہتا ہے۔ حالاں کہ ان موقعوں پر غصہ پی جانا بہت بڑی بہادری ہے۔

قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ برائی اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں، وَاِذَا مَاغَضِبُوْهُمْ يَغْفِرُوْنَ. ''اور انہیں جب غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیا کرتے ہیں۔''

یعنی ایمان والے ردعمل کی نفسیات کا شکار نہیں ہوتے کہ وہ برائی کا جواب برائی سے دیں۔

انہیں دوسروں کی بری باتوں پر غصہ ضرور آتا ہے لیکن جب وہ لوٹاتے ہیں تو انتقام نہیں بلکہ درگذر کا سلوک لوٹاتے ہیں۔

اگر کسی نے برائی کا جواب برائی سے دیا تو گویا وہ بھی برائی کرنے والے کی طرح ہو گیا۔ پھر اس میں اور برائی کرنے والے میں کیا فرق رہ گیا؟

اگر کتا کسی کے پاؤں میں کاٹ لے اور جواب میں وہ شخص بھی کتے کے پاؤں میں کاٹ لے تو گویا اس نے بھی اپنے کو کتا بنا دیا۔

جہاں غصہ پی جانے کو ایمان والوں کی وصف بتایا گیا ہے وہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غصہ پی جانے سے ایمان بڑھ جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احمد کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنا غصہ پی جائے حالاں کہ وہ اس کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو سکون و اطمینان سے بھر دیتا ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''کسی بندہ کے لئے دودھ یا شہد کا گھونٹ پینا اتنا شیریں نہیں جتنا غصہ کا گھونٹ پی لینا۔''

مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ كَلِمَاتٍ اَعِيْشُ بِهِنَّ. ''یا رسول اللہ! مجھے ایسی باتیں بتایئے جن کے ساتھ میں جیوں۔''

آپؐ نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ. ''غصہ نہ کر۔''

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص تمہارے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کرے، اس کا سب سے اچھا بدلہ یہ ہے کہ تم اس کے معاملہ میں اللہ کی فرمانبرداری کرو۔''

جب کسی سے کوئی ناگوار صورت حال پیش آئے تو ایسی حالت میں اللہ سے بے خوف ہو کر جوابی کارروائی کرنے لگنا اور نفرت کے جواب میں غصہ کا تحفہ پیش کرنا مومن کے شایان شان نہیں ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وقتی جذبات سے اوپر اٹھ کر سوچے اور نفرت اور عداوت کی نفسیات سے بلند ہو کر معاملہ کرے۔

بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے محروم کردے میں اسے دوں اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کردوں۔''

مومن کی لازمی صفت یہ ہونی چاہئے کہ تلخی کے باوجود دوسروں کے ساتھ نیک جذبات سے پیش آئے، اگر وقتی طور پر کسی کے خلاف کوئی حرکت ہو جائے تو اسے فوراً احساس ہو، جس کے ساتھ غلطی ہو گئی ہے اس سے مل کر معافی مانگے اور اپنی غلطی کی تلافی کرے۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔

حضرت کلثوم بن حصینؓ ایک صحابی تھے۔ ایک بار وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا رہے تھے۔ دونوں الگ الگ اونٹوں پر سوار تھے۔ راستہ چوڑا تھا۔ دونوں اونٹ ساتھ ساتھ چلنے لگے، چلتے چلتے ایک اونٹ دوسرے سے اتنا قریب ہوگیا کہ حضرت کلثومؓ کا جوتا آپؐ کے پاؤں سے رگڑ گیا، آپؐ کو اس سے تکلیف پہنچی، آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پاؤں کو ہٹا دیا اور فرمایا:
''تم نے مجھے تکلیف دی۔''

حضرت کلثومؓ کو اپنی اس غلطی کا بہت افسوس ہوا، وہ ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو پیارے نبیؐ کو تکلیف پہنچانے پر اللہ کا عتاب نازل ہو جائے۔

ادھر حضرت کلثومؓ کو اس غلطی پر افسوس ہو رہا تھا، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ میں نے کلثوم کے پاؤں کو چھڑی سے دھکا دیا اس سے انہیں تکلیف پہنچی ہوگی۔

جب آپ گھر تشریف لائے تو کلثومؓ کو بلایا اور انہیں کچھ بکریاں دے کر فرمایا: ''میں نے اس دن اپنی چھڑی سے تم کو تکلیف پہنچائی تھی، یہ بکریاں مجھ سے لے لو اور مجھے معاف کردو۔''

حضرت کلثومؓ تو اپنی غلطی سے خود ہی ڈرے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ دیکھ کر ان کا ڈر ختم ہوا اور وہ بہت خوش ہوئے۔

کسی کے خلاف کوئی ناشائستہ حرکت ہو جائے تو اس کا احساس کرنا، اس سے معافی مانگ کر اس کی تلافی کرنا، یہ ایمان والوں کی صفت ہے۔

لیکن جس کا دل ایمان سے خالی ہوتا ہے، اسے اپنے کئے پر شرمندگی نہیں ہوتی۔ اس کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کرے۔ بلکہ مقابل کے آدمی کو اور زیادہ تکلیف پہنچا کر خوش ہونا چاہتا ہے۔

جب اسے کسی سے شکایت ہو جاتی ہے تو وہ صرف اس سے بے تعلق ہو جانے کو کافی نہیں سمجھتا، بلکہ اس پر جھوٹے الزام لگاتا ہے، اس کے خلاف سازشیں کرتا ہے، اس کے اوپر جھوٹے مقدمے قائم کرتا ہے، اس کو اکھاڑنے اور برباد کرنے کے منصوبے بناتا ہے۔ وہ صرف اس کی غلطیوں کو غلطی کہنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کی ہر چیز کو غلط ثابت کرنے میں لگ جاتا ہے۔

وہ لوگوں کو اس کی طرف سے بدگمان کرتا ہے، اس کے بنے ہوئے کام کو بگاڑ دینا چاہتا ہے اور اس کے ملتے ہوئے فائدوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے۔ لیکن اس طرح کے تمام کام اور ایمان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج کی دنیا میں کسی مجبور کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا عام مشغلہ بن گیا ہے۔ حالاں کہ بہادری یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے حریف کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے برباد کر دینے پر تیار ہو جائے، بہادری تو یہ ہے کہ آدمی دشمن پر قابو پا جانے کے باوجود اسے چھوڑ دے۔

ایک واقعہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ مقرر ہوئے، اس وقت ملکی نظام کی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالات کی سدھار کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال بدل دیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ شام کے گورنر چلے آرہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سہلؓ بن حنیف کو حکومت شام کا گورنر بنا دیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے آدمیوں نے سہل بن حنیف کو روکا اور انہیں مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو لکھا کہ: ''مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اس لئے یا تو تم میری اطاعت کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

اس کے بعد مزید اسباب جمع ہوتے گئے، یہاں تک کہ جمل اور صفین کی لڑائیاں پیش آئیں جن میں ہزاروں مسلمان خود مسلمانوں کی تلوار سے ہلاک ہو گئے۔

جنگ صفین (۳۷ھ) کا واقعہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوج کے آگے تھے۔ وہ صفوں کو چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے پکار کر کہا: ''معاویہ، خلق خدا کا خون کیوں بہاتے ہو آؤ ہم تم لڑ کر باہم فیصلہ کر لیں۔''

امیر معاویہؓ کے ساتھی عمرو بن عاصؓ نے کہا کہ حضرت علیؓ کی بات بالکل درست ہے۔

امیر معاویہؓ نے کہا: ''کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو اس شخص سے مقابلہ کرتا ہے وہ زندہ نہیں بچتا۔

عمر ابن عاص نے دوبارہ کہا: ''جو کچھ بھی ہو، تم کو مقابلہ کے لئے نکلنا چاہیے۔

امیر معاویہؓ نے کہا: ''تم چاہتے ہو کہ مجھ کو مروا کر میرے منصب پر قابض ہو جاؤ۔

امیر معاویہؓ جب سامنے نہیں آئے تو حضرت عمرو بن عاصؓ خود حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے نکلے، دیر تک دونوں میں تلواروں سے مقابلہ ہوتا رہا۔

آخر کار حضرت علیؓ نے ایسا سخت وار کیا جس سے بچنا ممکن نہیں تھا۔

عمرو بن عاصؓ بدحواس ہو کر اپنے گھوڑے سے لڑکھڑائے اور زمین پر اس طرح گر پڑے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کا جسم ننگا ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے جب عمرو بن عاصؓ کو برہنہ حالت میں زمین پر پڑا ہوا دیکھا تو اپنا منہ پھیر لیا اور ان کو چھوڑ کر اپنی فوج میں واپس آ گئے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ انتہائی بہادر اور ہوشیار انسان تھے۔ وہ امیر معاویہؓ کے دست راست اور مشیر خاص تھے۔ حضرت علیؓ اس وقت ان کا خاتمہ کر کے امیر معاویہؓ کی مخالفانہ مہم کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر حریف کو برہنہ حالت میں دیکھ کر انہیں شرم آ گئی۔ وہ اپنے سخت ترین مد مقابل پر پوری طرح قابو پا جانے کے باوجود اسے چھوڑ کر چلے آئے۔ ان کی بہادری نے گوارا نہ کیا کہ وہ عاجز حریف کو اپنی تلوار کا نشانہ بنائیں۔

کبر:

مسلم سماج میں عام طور پر یہ برائی بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ جس کو اللہ نے دولت اور مال سے نوازا ہے وہ گھمنڈی بن جاتا ہے اور جسے اللہ نے محروم کر دیا ہے وہ حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حالی مرحوم نے آج کے سماج کا بہت عمدہ نقشہ کھینچا ہے ؎

جنہیں چار پیسے کا مقدور ہے یاں — سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
مخالف نہیں جن کے ایام دوراں — نہیں دیکھ سکتے کسی کو وہ شاداں
نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی
مرض میں حسد کے ہے رنجور کوئی

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عجیب و غریب انداز کی بنائی ہے۔ یہاں کسی کو اتنا ملا ہے کہ اس کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اور کوئی دو وقت کی روٹیوں کا محتاج رہتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی حکمت صرف اللہ کو معلوم ہے۔

لیکن اللہ نے جسے نوازا ہے اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ گھمنڈی بن جائے کیوں کہ گھمنڈ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا شرک ہے۔

شرک کی اصل حقیقت اللہ کے سوا کسی دوسری چیز پر اعتماد کرنا ہے۔ اور توحید یہ ہے کہ آدمی کا سارا اعتماد اللہ پر ہو جائے۔

شرک کی ایک صورت وہ ہے جو بتوں اور دوسرے مظاہر پرستش کے ساتھ پیش آتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر شکر کے بجائے ناشکری کا رویہ اختیار کرنا بھی شرک سے کم نہیں ہے۔

شرک کی زیادہ عام صورت یہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو بت بنالے، وہ اپنے پر اعتماد کرنے لگے، آدمی جب اکڑ کر چلتا ہے تو گویا وہ اپنے جسم وجان پر اعتماد کر رہا ہے۔ آدمی جب اپنی کمائی کو اپنی کمائی سمجھتا ہے تو گویا وہ سمجھتا ہے کہ میں جو بھی کروں، کوئی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ آدمی جب کسی پر ظلم کرنے میں جری ہوتا ہے تو اس وقت اس کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ میں اس کے اوپر اختیار رکھتا ہوں، اس کے حق میں اپنی من مانی کرنے سے مجھے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

یہ ساری صورتیں گھمنڈ کی صورتیں ہیں اور گھمنڈ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا شرک ہے، کیوں کہ یہ اپنے آپ کو اللہ کے مقام پر رکھنا ہے۔

دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں اپنے کو برتر سمجھنا یہ کبر ہے۔ اور ہر خرابی کی جڑ کبر ہے اور ہر اچھائی کی بنیاد عجز و تواضع ہے۔ جس معاشرہ میں عجز و تواضع ہو گویا وہاں ساری بھلائیاں جمع ہوگئیں۔ کیوں کہ اس سے خدا کا خوف، آخرت کی طلب، باہمی اتحاد، ایک دوسرے کی خیر خواہی، شکایتوں سے درگزر کرنا، تعمیری کاموں کی طرف توجہ اور حقوق کے مقابلہ میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔

اس کے برعکس جہاں فخر و نفرت کے جذبات ہوں وہاں گویا تمام برائیاں جمع ہوگئیں، ایسے افراد کے اندر انانیت، اپنی غلطیوں کو دیکھنے کے بجائے دوسروں کا احتساب اور پھر اس کے نتیجہ میں اختلاف اور باہمی ٹکراؤ عام ہو جاتا ہے، لوگ پیچھے چلنے کے بجائے ہمیشہ آگے چلنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور معمولی کاموں کو بڑے بڑے الفاظ میں بیان کر کے اپنی برتری کے جذبہ کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب آدمی کبر و گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ آنکھ ہونے کے باوجود سچائی کو دیکھ نہیں پاتا۔ وہ کان ہونے کے باوجود صداقت کی آواز کو سن نہیں پاتا، وہ دل و دماغ رکھنے کے باوجود حق کی حقانیت کو محسوس نہیں کر پاتا۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''اے محمد! اگر اس چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔''

اللہ تعالیٰ کے حکم سے چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، اس طرح نہیں کہ چاند میں کوئی دراڑ پڑ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے یا اس اس میں کوئی لکیر نظر آنے لگے، بلکہ ؎

بیچ میں کوہ صفا آیا نظر ۔۔۔ چاند تھا آدھا ادھر، آدھا اُدھر

ابوجہل نے اس حیرتناک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ "یہ سب جادو کی باتیں ہیں۔"

واقعات میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک دن ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ میں کنکریاں تھیں۔ اس نے کہا: "اے محمدؐ! میرے ہاتھ کی کنکریاں اگر کلمہ پڑھ لیں اور میں اسے سن لوں تو ضرور تمہارے دین کو قبول کرلوں گا۔"

اللہ نے کنکریوں کو قوت گویائی عطا فرمائی اور ابوجہل کی مٹھی سے کلمہ شہادت کی آواز آنے لگی، ابوجہل نے اسے سنا مگر اس کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

اسی کبر و گھمنڈ کی وجہ سے ابوجہل کو ہدایت کی دولت نہیں ملی اور اسی کی وجہ سے وہ میدان بدر میں انتہائی ذلت کے ساتھ قتل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد تمام جنوں اور فرشتوں سے کہا تھا: "آدم کو سجدہ کرو۔"

سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ. "میں اس سے بڑھ کر ہوں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پوری زندگی کی عبادت و ریاضت خاک میں مل گئی اور وہ راندۂ درگاہ ہوگیا۔ کیوں کہ کبر کا یہی انجام ہوتا ہے ؎

حباب بحر کو دیکھو وہ کیسا سر اٹھاتا ہے ۔۔۔ تکبر وہ بری شے ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. "وہ شخص جنت میں نہیں جاسکتا جس کے اندر رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہو۔"

صحابہؓ نے پوچھا: وَمَا الْكِبْرُ. "کبر کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ. "حق کو نظرانداز کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدا پرست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کے آگے جھکا دے، اس کے مقابلہ میں اپنی بڑائی کے تمام احساسات کو بالکلیہ طور پر ختم کر دے۔

یہ احساس اگرچہ خدا کے مقابلہ میں مطلوب ہے، مگر اس کا امتحان بندوں کے معاملات ہی میں ہوتا ہے۔

انسانوں کے ساتھ تعلقات میں جو شخص یہ ثابت کرے کہ اس کے دل میں تواضع اور جھکاؤ ہے، وہی دراصل خدا کے آگے جھکا ہوا ہے، اس کے برعکس انسانوں سے ٹھیس پہنچنے کے وقت جو شخص ظالم اور متکبر بن جائے وہ خدا کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی ہے، خواہ وہ فرائض میں کتنا ہی تواضع کا اظہار کرتا ہو۔

ابلیس کا واقعہ اسی حقیقت کا غماز ہے۔

آدمی اگر اپنے حال پر سوچے تو وہ کبھی گھمنڈ نہ کرے۔ وہ ایسی ہواؤں میں گھرا ہوا ہے جو کسی بھی وقت طوفان کی صورت اختیار کر کے اس کی زندگی کو تہس نہس کر سکتی ہیں۔ وہ ایسی زمین پر کھڑا ہے جو کسی بھی لمحہ زلزلہ کی صورت اختیار کر کے پھٹ سکتی ہے، وہ جس سماج میں رہتا ہے اس میں ہر وقت اتنی عداوتیں موجود رہتی ہیں کہ ایک چنگاری پورے سماج کو خاک و خون کے حوالے کرنے کے لئے کافی ہے۔

یہ تو اس کی ذمہ داری ہے جسے اللہ نے کسی بھلائی سے نوازا ہے۔

حسد:

لیکن اللہ نے جسے محروم کر رکھا ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں سے حسد کرے۔

ایک ہوتا ہے حسد اور ایک ہوتا ہے رشک۔

اگر آدمی کسی کے مال و دولت یا مکان و جائیداد کو دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ کاش میرے پاس بھی یہ چیزیں آ جائیں تو یہ رشک ہے اور یہ جائز ہے۔

لیکن دوسروں کے مال و جائداد کو دیکھ کر اگر یہ تمنا کرے کہ میرے پاس نہیں ہے تو اس کا مال و جائداد بھی برباد ہو جائے، یہ حسد ہے۔ اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

دنیا میں کسی انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کی طرف سے ملا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ تھا کہ اسے دے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے شخص سے حسد کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ حاسد کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض ہے۔
غور کیجئے، کیا نوے فیصد فتنے محض اس وجہ سے نہیں پیدا ہوتے کہ ایک شخص یا گروہ دوسرے شخص یا گروہ کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتا؟ خود میں تو اتنی ہمت اور قابلیت نہیں کہ آگے بڑھ جائیں، لہٰذا ساری قوت دوسرے کو برباد کرنے میں صرف کر دی جاتی ہے۔
یہ دل کا تپ دق ہے۔ اس کا مریض سارے معاشرے میں دق پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس طرح آگ لکڑی کو برباد کر دیتی ہے اسی طرح حسد تمام نیکیوں کو کھا لیتا ہے۔''
مسلمان آپس میں کس طرح رہیں؟
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی جامع انداز میں بتایا:
لَا تَبَاغَضُوْا۔ ''ایک دوسرے سے بغض و کینہ نہ رکھو۔''
وَلَا تَحَاسَدُوْا۔ ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔''
وَلَا تَدَابَرُوْا۔ ''ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو۔''
وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ ''اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔''
جب کسی باپ بیٹے سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم لوگ باپ بیٹے بن کر رہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باپ پر بیٹے کا جو حق ہے وہ اسے ادا کرے اور بیٹے پر باپ کا جو حق ہے بیٹا اسے ادا کرنے میں غفلت نہ کرے۔
جیسے ریل کا ایک انجن ہوتا ہے جو ریل کی پٹریوں پر بڑے بڑے ڈبوں کو لے کر دوڑتا ہے۔ یہ انجن کیا ہے؟ یہ مختلف قسم کے پرزوں کا مجموعہ ہے، اس میں بعض پرزے چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض بڑے، بڑا پرزہ چھوٹے پرزے کو سہارا دیتا ہے اور چھوٹا پرزہ بڑے پرزے کو تقویت پہنچاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ریل کا انجن ریل کی پٹریوں پر دوڑتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اسی طرح مسلمانوں کا سماج ہوتا ہے۔
اس دنیا میں مسلمانوں کے ۵۲ آزاد ممالک ہیں۔
یعنی اس زمین کا ۲۶ فیصد وہ حصہ ہے جس پر مسلمانوں کو بالکلیہ طور پر اقتدار حاصل ہے۔
دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب سے بھی زیادہ تجاوز کر گئی ہے، یعنی دنیا کی آبادی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پچیس فیصد حصہ مسلمان ہیں۔

اور دنیا میں جتنے قدرتی ذرائع ہیں ان کے آدھے سے بھی زیادہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود تعلیم، صنعتی ترقی اور باہمی اتحاد میں یہ اس قدر پیچھے ہیں کہ دوسری قومیں چاند تک پہنچ گئیں اور یہ زمین پر اپنا مقام نہیں بنا سکے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟

ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے، ان کے پاس مادی وسائل کی کمی نہیں ہے، ان کے پاس افراد بہت زیادہ ہیں لیکن اصل دولت جسے اخوت و محبت کی دولت کہا جاتا ہے اسی سے محرومی کے نتیجہ میں یہ خستہ حال ہیں۔

حالؔی مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر — کہ باہم مسلمان ہیں سب برابر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور — معین اس کا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اتنی تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

ایک واقعہ:

اب ایک تمثیلی واقعہ سنئے۔

ایک بہت بڑے دولت مند ہندو سیٹھ تھے۔ ایک روز انہوں نے خواب میں لکشمی جی کو دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہیں: ''سیٹھ میں اب تمہارے گھر سے جانے والی ہوں اس لئے جو کچھ مانگنا ہو مانگ لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد تمہیں پچھتانا پڑے۔''

سیٹھ جی نے کہا: ''اچھا میں گھر والوں سے مشورہ کر کے بتاؤں گا کہ مجھے آپ سے کیا مانگنا چاہیے۔''

دوسرے دن سیٹھ جی نے گھر کے تمام افراد کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے اس واقعہ کو دہرایا۔ گھر کے افراد نے مختلف قسم کی رائیں دیں۔ کسی نے کہا آپ لکشمی جی سے ایک ارب روپے مانگ لیجئے، کسی نے کہا سونے چاندی کی اینٹیں مانگ لیجئے۔ لیکن ان کی چھوٹی بہو نے کہا: ''بابو جی! یہ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی، ان کا اعتبار نہیں ہے۔ آپ لکشمی جی سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے بس ہمیں ایسا وردان دے دیجئے کہ ہمارے کنبہ سے پیار و محبت نہ ختم ہونے پائے۔"

سیٹھ جی کو چھوٹی بہو کی یہ تجویز بہت پسند آئی۔

کئی روز کے بعد پھر انہوں نے خواب میں لکشمی جی کو دیکھا، وہ کہہ رہی تھیں سیٹھ مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو، اب میں تمہارے گھر سے جانے ہی والی ہوں۔

سیٹھ جی نے کہا: "لکشمی جی! آپ شوق سے جایئے بس ہمیں وردان دے دیجئے کہ ہمارے خاندان میں پیار و محبت، ہمدردی اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ باقی رہے۔"

لکشمی جی نے کہا: "سیٹھ! تم نے تو مجھے باندھ ہی لیا، بھلا جس کنبہ میں پیار و محبت ہوگی وہاں سے لکشمی کیسے جاسکتی ہیں؟"

حالی مرحوم نے اخوت و محبت کے متعلق کتنی عمدہ بات کہی ہے ؎

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سبکے باہم   خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار ہمدم
اگر ایک خوش دل، تو دل سب کا خرم   اگر ایک غمگیں، تو دل سب کا پر غم
مبارک ہے اس قصر شاہنشہی سے
کہ ہو جس میں اک دل مکدر کسی سے

آج پوری قومیں بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کر رہی ہیں، دنیا میں ان کی دھاک ہے، انہوں نے چاند پر اپنی کمندیں ڈال دی ہیں، ان کی تہذیب کو اپنا کر لوگ فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کی ترقی کے اسباب کیا ہیں؟

حالی مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

عروج ان کا جو تم عیاں دیکھتے ہو   جہاں میں انہیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو   انہیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

مسلمانوں کے عروج کا دور وہی تھا جب وہ آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار تھے، جب وہ ذاتی مفاد پر قوم کے مفاد کو ترجیح دیتے تھے، جب ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفع نقصان اور دوسروں کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔

اور ان کے زوال کا دور اسی وقت سے شروع ہو گیا جب انہوں نے اس نعمت کو کھو دیا۔

قرآن میں مومن کی نشانی بتائی گئی ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ ''ایمان والوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے والے اور کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے۔''

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ‌ ‌ ‌ ‌ رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مگر آج ہمارا طرز عمل اس کے بالکل الٹا ہے۔ ہماری حالت ہے ؎

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائینگے ‌ ‌ ‌ ‌ سامنا جب غیر کا ہو گا قلی بن جائیں گے

الغرض مسلمان کو اپنے سماج میں اس طرح رہنا چاہئے کہ وہ کسی کو پریشان حال دیکھے تو فوراً اس کی مدد کو دوڑ پڑے۔

جب کسی کے بارے میں اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے بال بچوں کا گذر بسر بڑی عسرت کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ سمجھے کہ وہ خود اور اس کے بال بچے بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کر رہے ہیں۔

جب کوئی شخص اسے کسی مصیبت میں پکارے تو اس کی مدد کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے، جب اس کا کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو تو بلا تاخیر اس کی عیادت کے لئے چل پڑے۔ کیوں کہ ضرورت مندوں کی مدد کرنا اپنے آپ کو اللہ کی مدد کا مستحق بنانا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے ؎

مصیبت جس کو پیش آئے تو اسکا آشنا تو ہو ‌ ‌ ‌ ‌ کوئی آفت زدہ پائے تو اس کا غم ربا تو ہو

کوئی ہو راہ گم کردہ تو اس کا رہنما تو ہو ‌ ‌ ‌ ‌ غرض ہر شخص کا مرہم ہو ہر دکھ کی دوا تو ہو

جہاں مشکل کی پیش آئے گرہ ناخن ترا کھولے

تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز پر بولے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اتفاق واتحاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ.

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہے سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

تمام تعریف اور ہر قسم کی حمد وثناء اللہ رب العالمین کے لئے ہے جو ساری کائنات اور اس کے تمام رہنے والوں کا خالق اور مالک ہے۔

جس نے انسان کو عقل عطا کی، صحیح اور غلط کی سمجھ دی، بھلے برے کی تمیز بخشی، سوچنے سمجھنے اور زندگی کا راستہ پہچاننے کی قابلیت عطا کی اور انسان کی رہنمائی کے لئے اپنی کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے۔

درود وسلام ہو اللہ کے ان نیک بندوں پر جنہوں نے انسان کو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ دکھایا، اسے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی، اور دنیا میں انسان بن کر رہنے کا طریقہ سکھایا۔

اوران گنت درود وسلام ہو اللہ کے آخری نبی سید الانبیاء، فخر بنی آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی بعثت پورے عالم انسانیت کے لئے ہوئی۔

جنہیں سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا، جن پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا، جن کو تمام مخلوقات میں سب سے برتر مقام عطا کیا گیا۔ اس کے باوجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کی حالت یہ تھی کہ کبھی کبھی گھر میں دو دو ماہ تک چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا

سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

اللھم صلی وسلم و بارک علیہ

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی سورۂ انفال کی ایک چھوٹی سی آیت کی تلاوت کی ہے۔ آج پوری دنیا ایک عجیب سے بحرانی دور سے گذر رہی ہے۔ اور دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں امن وسکون ہو۔

خود اپنے ملک ہندوستان میں ہم اپنی زندگی کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑے ہیں اور ایک غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہیں۔

بجائے اس کے کہ ہم مظلوم انسانیت کی آہوں اور کراہوں کو سن کر ان کے درد کا مداوا بنتے، ہم خود ہی اپنی مشکلات میں گھر گئے ہیں اور یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ ملک اگر جہنم زار ہے تو اس کا سب سے بڑا حصہ ہمارے لئے مقسوم ہو چکا ہے۔ جانوروں کی جان کی قیمت ہے مگر ہماری زندگیاں بے قیمت ہو چکی ہیں۔ ہماری عزت و ناموس دوسروں کے رحم و کرم پر ہے۔ ہم کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی معمولی سی اور انتہائی جائز بات بھی نہیں منوا سکتے۔ یہی نہیں بلکہ ہماری صفوں میں دوسروں نے اتنی رخنہ اندازی کر رکھی ہے کہ ان کے اشاروں پر ناچنا ہمارا مقدر بن چکا ہے۔

آج ہم جس نازک دور سے گذر رہے ہیں، اسی کے پیش نظر میں سورۂ انفال کی اسی آیت کو اپنی تقریر کا مرکزی عنوان بناتا ہوں۔

انداز بیاں گرچہ مرا شوخ نہیں ہے — شاید کہ اتر جائے کسی دل میں مری بات

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ امت مسلمہ کی بقاء اور ان کے ملی وجود کا تمام تر دار و مدار اتفاق واتحاد پر ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے عروج کا اصلی دور وہی تھا جب وہ متحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند تھے۔

اور ان کے زوال اور ان کی بربادی کا دور اسی وقت سے شروع ہو گیا جب وہ آپس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نا اتفاقی میں مبتلا ہو گئے۔

امت مسلمہ کی پوری تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اس نے جب بھی شکست کھائی ہے اس کا سبب اس کی داخلی کمزوری ہی رہی ہے۔

ذاتی اغراض، نفس پرستی، خدا سے بے خوفی، دنیاوی اغراض سے وابستگیاں، یہ سب وہ امراض ہیں جو اب امت مسلمہ میں سرایت کر چکے ہیں۔

ہم میں سے عدل وتوازن رخصت ہو رہا ہے، ہم قومی وملی مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، ہماری اجتماعیت مفقود ہو رہی ہے، اس طرح ہم نے خود اپنی تصویر بگاڑ لی ہے۔

مگر ہم اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بجائے دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ کتنا بڑا المیہ ہے یہ؟ ذرا ہم غور کریں۔

ہر سال دنیا کے مسلمان فریضہ حج کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وسیع مسجد کے درمیان کعبہ کی عمارت ہوتی ہے اور اس کے چاروں طرف لاکھوں انسان گول دائرہ میں اپنے رب کے آگے جھک کر عبادت کرتے ہیں۔

یہ سالانہ اجتماعی نماز ہے جو ہر بار حج کے موقع پر دنیا بھر کے لاکھوں مسلمان مکہ میں جمع ہو کر ادا کرتے ہیں، جس کا فوٹو لیا جا سکتا ہے۔

لیکن تصور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہی واقعہ اس سے بھی بڑے پیمانے پر روزانہ پانچ بار ہوتا ہے۔

ساری دنیا کے مسلمان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور اس طرح گویا ہر روز پانچ بار روئے زمین پر مسلمانوں کا گول دائرہ ہوتا ہے، درمیان میں کعبہ ہوتا ہے اور ساری دنیا کے مسلمان اس کی طرف رخ کر کے دائرہ بناتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں۔

یہ ایسی عظیم اور مکمل اجتماعیت ہے جس کی مثال کسی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی گروہ کے یہاں نہیں ملتی۔

اس کے باوجود اس دنیا میں صرف مسلمان ہی سب سے زیادہ غیر متحد ہیں۔

نہ کوئی دنیوی مقصد انہیں متحد کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے نہ کوئی اخروی مقصد۔ اتحاد کے اتنے شاندار امکانات کے باوجود نا اتفاقی کی ایسی بری مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ ہماری ذلت اور بربادی کا اصل سبب یہی ہے۔

آج ہم ہر طرح کے مادی وسائل سے خوش حال ہیں، دنیا میں ہماری آبادی ایک ارب تک پہنچ گئی ہے، لیکن اس کے باوجود ہماری حالت یہ ہے کہ، ہم کنکر ہیں لیکن پہاڑ نہیں ہیں، ہم قطرہ ہیں لیکن سمندر نہیں ہیں، ہم الگ الگ اینٹوں کی شکل میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن ایک مضبوط دیوار نہیں ہیں، ہم زنجیر کی کڑیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں لیکن ایک مضبوط زنجیر نہیں ہیں۔

اور اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے ملک کی سیاست میں فٹ بال بنا دیئے گئے ہیں۔ فٹ بال کے میدان میں جب تک ایک کھلاڑی یہ سمجھتا ہے کہ گینداس کے لئے مفید اور کار آمد ہے اور اس سے وہ اپنا کام نکال سکتا ہے، تب تک وہ اسے اپنے پاؤں کے پاس رکھتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ یہ گینداس کے لئے مفید نہیں رہی تو کسی دوسرے کھلاڑی کو دے دیتا ہے یا سائڈ لائن سے باہر کر دیتا ہے۔

کسی معاشرہ میں جتنے افراد ہوتے ہیں وہ مختلف صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی میں فکر دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، کسی میں اس فکر کو بروئے کار لانے کی صلاحیت ہوتی ہے، کوئی سیاسی دماغ رکھتا ہے، کوئی جسمانی طور پر طاقت ور ہوتا ہے، کوئی دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت اور قابلیت رکھتا ہے اور کوئی علم وفن کا ماہر ہوتا ہے۔

اگر تمام لوگوں کی صلاحیتیں اکٹھا کر دی جائیں تو معاشرہ ایک جان دار معاشرہ بن جاتا ہے۔ وہ ہر طرح کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

جیسے ریل کے ایک انجن میں بہت سے پرزے لگے ہوتے ہیں۔ جب تک یہ پرزے الگ ہوتے ہیں تب تک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ قیمتی اور کار آمد ہونے کے باوجود محض الگ الگ ہونے کی وجہ سے بیکار ہوتے ہیں۔

ان کی اہمیت جبھی ہوتی ہے جب وہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ہر پرزہ دوسرے پرزے کو تقویت پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے اور پھر یہی انجن بڑے بڑے ڈبوں کو لے کر ریل کی پٹریوں پر دوڑتا ہے۔

کوئی توپ ہو، لیکن اس کے پرزے الگ الگ کر دیئے جائیں تو وہ اس قدر کمزور ہوگا کہ دشمن سے مقابلہ کرنا تو کیا خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ اس بکھرے ہوئے پرزوں والے توپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مقابلہ میں تو وہ لاٹھی بہتر ہے جو زندگی کے ہر محاذ پر کام دے سکتی ہے۔

لاٹھی وہی ہے جس کی رگ سے ملی ہو رگ　　　بیکار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ

بخاری شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضاً. ''مومن آپس میں اس دیوار کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔''

آپ کے سامنے جو دیوار ہے اس میں کچھ اینٹیں لگی ہوئی ہیں، پہلے یہ الگ الگ تھیں لیکن جب ان اینٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا گیا تو ہر اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرنے کا سبب بن گئی۔

اب اگر کوئی شخص اس دیوار سے اپنا سر ٹکرا دے تو دیوار کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن سر ٹکرانے والے کا سر ضرور پھٹ جائے گا۔ یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔

جو قوم متحد ہوتی ہے وہ اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ اسے کوئی زیر نہیں کر سکتا لیکن جس قوم کے افراد کی صلاحیتیں ایک دوسرے سے لڑنے میں صرف ہونے لگتی ہیں، وہ اس قدر کمزور بن جاتی ہے کہ پھر وہ کسی کو زیر نہیں کر سکتی۔

صحرائی علاقوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ریت چاہے جتنی مقدار میں ہو ہوائیں اسے چاروں طرف اڑاتی پھرتی ہیں، انہیں کہیں بھی جماؤ نہیں ملتا، معمولی سا طوفان انہیں بہا لے جانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

مگر چٹان کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ چٹان کو ہواؤں اور طوفان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

کتنی ہی تیز آندھی یا ہوا کیوں نہ چلے، اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی، کتنا ہی تیز سیلاب کیوں نہ ہو اسے ٹس سے مس نہیں کر سکتا۔ آخر دونوں میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے جب کہ دونوں اصلاً ایک ہی ہیں؟

ریت کیا ہے، بکھری ہوئی چٹان، اور چٹان کیا ہے، جمی ہوئی ریت۔

جب دونوں اصلاً ایک ہی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک پر طوفان، ہوائیں اور آندھیاں قابو پا لیتی ہیں مگر دوسرے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا؟ یہ فرق ہے انتشار اور اجتماع کا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتشار کا مطلب ہے کمزوری، اجتماع کا مطلب ہے طاقت، یہی حال انسانی زندگی کا بھی ہے۔

کوئی گروہ اگر انتشار کی حالت میں ہو، اس کے افراد ایک دوسرے سے الگ ہو کر بکھرے ہوئے ہوں تو تعداد کی کثرت کے باوجود ان کی کوئی اجتماعی طاقت نہ ہوگی۔ دوسروں کے مقابلہ میں وہ ہر محاذ پر کمزور ثابت ہوں گے، خارجی طوفان انہیں ریت کی مانند اڑا لے جائے گا۔

اس کے برعکس اگر کسی گروہ کا حال یہ ہو کہ اس کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں، انہوں نے اپنی انفرادیت کو اجتماعیت کی صورت میں باندھ لیا ہو تو ہر ٹکراؤ کے وقت وہ ناقابل تسخیر ثابت ہوں گے، باہر کے حملوں کے مقابلہ میں وہ چٹان اور پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہیں گے، دنیا کا کوئی بھی حادثہ انہیں اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب نہ ہوگا۔

لیکن اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اختلاف کی کوئی صورت ہی پیدا نہ ہو۔

انسانوں کے درمیان اختلاف کا پیدا ہو جانا بالکل فطری ہے۔

مگر جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہوں وہ معاملہ کی وضاحت کے بعد اپنے اختلافات کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور اگر پھر بھی اختلاف باقی ہو تو وہ اس کو اپنے ذہن تک ہی محدود رکھتے ہیں عملی زندگی میں اسے پھیلا کر معاشرہ کو خراب نہیں کرتے۔

اس کے برعکس جو لوگ اللہ کے خوف سے خالی ہوں اور وہ اسے عزت اور وقار کا مسئلہ بنا لیتے ہیں خواہ کتنے ہی دلائل دیئے جائیں وہ اپنی غلطی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ اختلاف رائے کو عناد کی حد تک جانے سے روکیں اور اسے باہمی کدورت کا سبب نہ بننے دیں۔

یہی وہ اختلاف ہے جو قوم کو کمزور کر دیتا ہے۔ اب مسلمان آپس میں لڑنا شروع کر دیے ہیں۔

جو طاقت دوسروں کو مغلوب کرنے یا دوسرے مقاصد کے حصول میں کام آتی وہ اپنے بھائیوں کو نیچا دکھانے میں برباد ہونے لگتی ہے۔

اس باہمی لڑائی میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسلمان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مسلمان جو اس کے مخالف بنے ہوئے ہیں، یا جن سے کچھ ناچاقی ہے، اس کا ساتھ دینے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجائے اس کی مصیبتوں اور پریشانیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کے دشمنوں سے مل جاتے ہیں خواہ وہ دشمن غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

بھلا ایسا سماج، طاقت ور سماج بن سکتا ہے؟ سائنس دانوں نے آفتابی چولہا ایجاد کیا ہے۔ سورج کی بکھری ہوئی شعاؤں کو ایک خاص دائرے میں سمیٹ دینے کی وجہ سے اس جگہ اتنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ کھانا پکنے لگتا ہے۔

کوئی کہہ دے کہ سورج کی گرمی سے کاغذ جل گیا تو سننے والوں کو اس پر اعتبار نہیں ہوگا۔ کیوں کہ انہوں نے بارہا دیکھا ہوگا کہ سورج کی روشنی میں کاغذ پڑا ہوا ہے مگر وہ نہیں جلا۔

حالاں کہ سورج میں اتنی حرارت اور گرمی ہے کہ کاغذ تو کیا، پورا کا پورا پہاڑ بلکہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے اس طرح جل سکتی ہے جیسے بھڑکتے ہوئے تنور میں ایک تنکا ڈال دیا جائے۔

مگر یہی سورج جس کی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے جنگلوں اور پہاڑوں کو بھک سے اڑا دے، موجودہ حالت میں کاغذ کے ایک ٹکڑے، بلکہ ایک تنکے کو جلا دینے پر قادر نہیں ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی کرنیں لاکھوں کروڑوں میل کے دائرہ میں بکھری ہوئی ہیں۔

اس انتشار اور بکھراؤ کی وجہ سے کسی ایک چیز پر اس کی شعائیں اتنی مقدار میں نہیں پڑتیں کہ وہاں اتنی گرمی پیدا کر سکیں جو کسی چیز کو جلانے کے لئے ضروری ہے۔

حالاں کہ یہیں بکھری ہوئی شعائیں اگر سمیٹ دی جائیں تو وہ خوفناک الاؤ کی شکل میں بھڑک سکتی ہیں۔

یہ مثال اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ انتشار اور اجتماع میں کتنا زبردست فرق ہے۔

ایک ہی چیز اگر منتشر حالت میں ہو تو وہ بے وزن ہے۔ لیکن اگر اسے اکٹھا کر دیا جائے تو وہ اتنی زبردست طاقت بن سکتی ہے جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ہندوستان کے مسلمان اس وقت اپنے آپ کو جس کمزوری کی حالت میں محسوس کرتے ہیں وہ حقیقتاً اتنے کمزور نہیں ہیں۔ یہ کمزوری ان کے انتشار کی پیدا کردہ ہے۔

اگر وہ متحد ہو جائیں اور اپنے آپ کو اکٹھا کر دیں تو یکایک وہ دیکھیں گے کہ جو شعائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ الگ ہونے کی صورت میں تنکا بھی جلانے کے لئے ناکافی نظر آتی تھیں ان ہی کی گری سے شہتیر بھڑک اٹھا ہے۔

ہماری موجودہ تعداد اور موجودہ وسائل و ذرائع جو منفرد طور پر بالکل بے قیمت نظر آتے ہیں، یہی تعداد اور یہی ذرائع کروڑوں گنا اہمیت اختیار کرلیں گے۔

آج ہر مسلمان خود کو تنہا محسوس کرتا ہے، اس وقت ہر شخص اپنے کو ایک پوری قوم کی مانند سمجھنے لگے گا۔ اور جب ایسا ہوگا تو دوسرے بھی ہم کو اسی نظر سے دیکھیں گے جیسا کہ ہم خود اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، جس طرح ہم خود کو طاقت ور محسوس کریں گے اسی طرح ہماری حریف قومیں بھی ہمیں طاقت ور سمجھیں گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ بتائی جاتی ہے۔

یہ بیس کروڑ افراد گویا بیس کروڑ دھاگے ہیں۔ اگر وہ الگ الگ ہوں تو کوئی بھی شخص انہیں باری باری توڑ سکتا ہے۔ لیکن بیس کروڑ دھاگے اگر آپس میں مل جائیں تو وہ اتنا مضبوط رسا بن جائیں گے جنہیں ایک ہاتھ تو کیا سیکڑوں ہاتھ مل کر بھی توڑنے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ جو چیز دیکھنے میں محض ایک دھاگہ ہے وہ اتحاد کی برکت سے موٹے رسے کا مقام حاصل کرے گی۔

قطرہ سمندر میں ہو تو وہ سمندر ہے اور باہر ہو تو قطرہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں   موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ایک مثال:

اس زندہ حقیقت کو ایک اور مثال سے سمجھئے۔ فرض کیجئے ایک شخص ایک شاندار گھڑی پہنے ہوئے کہیں جا رہا ہے۔ راستہ میں اسے ایک چور مل گیا اور اس کے ہاتھ سے گھڑی چھیننے لگا۔ اب وہ شخص اپنی گھڑی بچانے کے لئے ہر طرح سے چور کا مقابلہ کرے گا اور کسی بھی قیمت پر اپنی گھڑی نہیں جانے دے گا کیوں کہ وہ زندہ ہے اور اس کے جسم میں طاقت ہے۔

لیکن اگر وہی شخص مر جائے اور اس کی لاش سڑک پر پڑی رہے تو کوئی بھی شخص بہت آسانی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے گھڑی نکال لے گا اور اسے خبر بھی نہ ہوگی کیوں کہ اب اس کے جسم میں زندگی باقی نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی اور موت میں کیا فرق ہے؟

انسان کے جسم میں کچھ مادی اجزاء ہوتے ہیں، جب تک ان اجزاء میں ربط باہم ہوتا ہے تب تک آدمی زندہ رہتا ہے اور یہی انسان اپنے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہی انسان ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ایجاد کرتا ہے، یہی انسان مشینی آلات کے ذریعہ فضاؤں میں اڑتا ہے، یہی انسان چاند پر اپنی کمنڈ ڈال دیتا ہے اور اس کی مٹی اپنی دھرتی پر لے آتا ہے، یہی انسان دریاؤں کا رخ موڑ دیتا ہے اور یہی انسان اپنی، اپنے بال بچوں، اپنے خاندان اور اپنے مال و اسباب کی حفاظت کرتا ہے۔

لیکن جب انسانی جسم میں ربط باہم ٹوٹ جاتا ہے تو پھر زندگی موت سے بدل جاتی ہے۔ پھر انسان کے اندر اتنی بھی سکت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دے سکے، چہ جائیکہ وہ اپنے دشمن کا مقابلہ کرے یا اپنے بال بچوں کی حفاظت کر سکے۔

کسی شاعر نے زندگی اور موت کے فرق کو یوں واضح کیا ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب   موت کیا ہے، انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔ جو قوم متحد ہوتی ہے وہ روحانی طور پر زندہ ہوتی ہے اور روحانی طاقت ہی انسان کی اصل طاقت ہے۔

اور جو قوم نا اتفاقی میں مبتلا ہو جاتی ہے وہ روحانی طور پر مردہ ہو جاتی ہے اور کسی قوم کی روحانی موت ہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

اسی لئے اسلام میں اتفاق و اتحاد کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

اس کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ وہ مسلم گروہ اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم ہو جاتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے سے جھگڑنے لگیں۔

حدیث میں ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ کی کون سی رات ہے، اس کا علم صرف اس لئے اٹھا لیا گیا کہ مدینہ میں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے تھے۔

بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نکلے کہ ہمیں شب قدر کے بارے میں بتادیں کہ وہ کس روز ہے۔ اس وقت دو مسلمان (ایک قرض کے بارے میں) لڑ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَرَجْتُ لِاُخْبِرُكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحیٰ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ. ''میں اس لئے نکلا تھا کہ تم کو شب قدر کی خبر دیدوں، مگر فلاں اور فلاں آپس میں لڑ پڑے پس اس کا علم اٹھالیا گیا۔''

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''آپس کا لڑائی جھگڑا لوگوں کو فائدہ سے محروم کر دیتا ہے اور نفع بخش علم ان سے اٹھالیا جاتا ہے۔''

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ وہ ایک دیوار کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

گویا کہ مسلم آبادی اپنے افراد کے ساتھ ایک بہت بڑی عمارت ہوتی ہے۔ اس کا ہر فرد اس عظیم عمارت کی ایک اینٹ ہوتا ہے، ہر اینٹ دوسری اینٹ سے جڑی ہوتی ہے، ہر اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔ ایک اینٹ اور دوسری اینٹ کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے وہ دوری اور ٹکراؤ کا نہیں ہوتا بلکہ جوڑ اور پیوستگی کا ہوتا ہے، ہر اینٹ اگرچہ دوسرے سے الگ ہوتی ہے مگر الگ ہونے کے باوجود پوری عمارت کا اٹوٹ حصہ ہوتی ہے۔ اس سے عمارت کو طاقت ملتی ہے نہ کہ کمزوری۔

ایک مومن خدا کا طالب ہوتا ہے دوسرا مومن بھی اسی خدا کا طالب ہوتا ہے، جس طرح ایک مومن کی منزل مقصود آخرت ہوتی ہے اسی طرح دوسرے مومن کی منزل مقصود بھی آخرت ہوتی ہے۔

ایسی حالت میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔

قرآن مجید میں ایمان والوں کی ایک صفت رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی ''آپس میں رحم دل'' آتی ہے، دوسری جگہ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ''جو مومنین کے حق میں نرمی کریں۔'' کا ارشاد ہے۔

حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ.

''اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا۔''

ایمان والوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے:

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ. ''گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

ان کو یہ ہدایت بھی کی گئی: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. ''اور سب مل کر اللہ کی رسی (اسلام) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''ایمان والوں کی مثال آپس کی محبت ووابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملہ میں ایسی ہی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی بھی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اس لئے ضروری ہے کہ سب مسلمان مل کر رہیں، باہم ملنے سے ان کی طاقت بڑھ جائے گی اور وہ زیادہ کامیابی کے ساتھ برائی کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف بڑھ سکیں گے۔

جب کوئی گروہ آپس میں اس طرح مل جل کر رہے اور آپس کے اختلافات سے بچے تو اس گروہ کے اندر جو اجتماعی حالت ہوتی ہے اسی کا نام اتحاد ہے۔ اتحاد کسی گروہ کی سب سے بڑی طاقت ہے، اتحاد اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اتحاد میں دنیا کی بھی عزت ہے اور آخرت کی بھی۔

مسلمان اگر آپس میں مل جل کر رہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مرکزیت کے گرد متحد رہیں تو وہ زبردست طاقت ہوتے ہیں۔ پھر دوسری قوموں کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی، ان کے اکثر کام محض رعب اور دبدبہ سے انجام پا جاتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ان میں آپس کی نااتفاقی پیدا ہو جائے تو دوسروں کی نظروں میں ان کی ہوا اکھڑ جاتی ہے، ان کے دشمن ان پر ہاتھ ڈالنے کے لئے جری ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نااتفاقی سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَاناً. ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اور اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

بخاری میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تین روز سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کو ایسا چھوڑ دے کہ ملاقات ہو تو وہ اس سے منھ پھیر لے اور یہ اس سے۔ اور دونوں میں سب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اچھا مسلمان وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔اور ایک روایت میں ہے کہ اگر تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ دے پھر مر جائے تو دوزخ میں داخل ہوگا۔''

ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس نے اپنے مسلمان بھائی کو سال بھر چھوڑ دیا تو یہ اس کو قتل کرنے کے مانند ہے۔''

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور تمام بندے بخش دیئے جاتے ہیں جنھوں نے شرک نہیں کیا ہے۔مگر جو شخص مسلمان بھائی سے کینہ کپٹ رکھتا ہے وہ نہیں بخشا جاتا اور فرشتوں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کو اس قدر مہلت دے دو کہ آپس میں صلح کرلیں۔''

مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں پر راضی ہوتا ہے۔ایک یہ کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، دوسرے یہ کہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور باہم متفرق نہ ہو، تیسرے یہ کہ اللہ تمہارے اوپر جس کو حکمران بنائے، اس کے ساتھ خیر خواہی کرو۔''

اسی مفہوم کی ایک روایت مسند احمد میں بھی آئی ہے۔حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:''تین چیزیں ہیں جن میں مومن کا قلب دھوکا نہیں کرتا۔عمل میں اللہ کے لئے اخلاص، اپنے حاکموں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کو پکڑے رکھنا۔''

نا اتفاقی سے بچنے کی کھلی ہدایت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. ''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوگئے اور یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔''

یہ اشارہ ان گذری ہوئی امتوں کی طرف ہے جنہیں پیغمبروں کی طرف سے واضح اور صاف تعلیمات ملی تھیں، مگر کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد انہوں نے ان تعلیمات کو چھوڑ دیا اور غیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق ضمنی اور فروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے شروع کر دیئے، پھر فضول اور لایعنی باتوں میں جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ انہیں اس کام کا ہوش نہیں رہا جو اللہ کی طرف سے ان کے سپرد ہوا تھا اور نہ عقیدہ واخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے انہیں دلچسپی رہی جن پر انسان کی فلاح وسعادت کا دارومدار ہے۔

اور آج ہم مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔

اور ہم اس لعنت میں اس طرح گرفتار ہیں کہ یہود ونصاریٰ سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن جلد دوم'' میں فرقہ بندی پر لکھا ہے:

''پچاس برس ہوئے، شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لئے جلادی تھیں کہ ایک کہتا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سب سے بڑے ولی ہیں، دوسرا کہتا تھا نہیں شیخ احمد رفاعیؒ سب سے بڑے ولی ہیں۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفسار آتے رہتے ہیں۔ زید پوچھتا ہے بڑے پیر سے بڑھ کر کوئی نہیں، عمرو کہتا ہے، مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں، اب زید اور عمر میں سے کس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ ایک مرتبہ میرے جی میں آیا، لکھدوں دونوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فقہ کے مذاہب اربعہ جب مدون اور مشخص ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ ان چاروں اماموں میں کون افضل ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ یا حضرت امام شافعیؒ؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ وقتال کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعیوں کو چھوڑا نہ حنفیوں کو۔''

غور کیجئے کتنے بھیانک ہوتے ہیں، نااتفاقی کے نتائج۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی تھی کہ سابق اہل کتاب ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے، تم لوگ ۷۳ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ یہ تنبیہ آج واقعہ بن چکی ہے۔

مسلمانوں میں مختلف ناموں سے بے شمار فرقے اور جماعتیں وجود میں آ گئی ہیں۔ ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک نے اپنا علیحدہ تنظیمی ڈھانچہ بنا رکھا ہے، ہر ایک کا اپنا لٹریچر ہے، ہر ایک کی مسجدیں الگ الگ ہیں، حتیٰ کہ اپنی اپنی شرحیں اور تفسیریں تیار کر کے ہر ایک نے اپنا قرآن اور اپنی حدیث بھی الگ کر لیا ہے۔ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے حکم کے سراسر خلاف ہے۔

اللہ نے دینی اتحاد کی تاکید فرمائی تھی، ہم نے اسے دینی اختلافات میں تبدیل کر لیا۔ ایسی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور نصرتیں ہمارے اوپر نازل ہوں؟

خود اپنے ملک میں ہمارے خلاف جو حالات ہیں وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں، ہم ان کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، جو لوگ فرقہ وارانہ ماحول پیدا کرتے ہیں ہم ان جنونیوں کی مذمت کرتے ہوئے نہیں تھکتے لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا کہ جب ہم خود اپنے اندر پنپنے والی فرقہ بندی کو نہیں توڑ پائیں گے تو ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ انفال میں نا اتفاقی کے نقصان سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. ”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

معلوم ہوا کہ اتحاد سے محرومی کا نتیجہ، کمزوری، بربادی اور ذلت ہے۔ مغربی ایشیا کے مسلم ممالک کے حالات اس کا بین ثبوت ہیں۔ حالاں کہ ان کے پاس قدرت کے تمام وسائل موجود ہیں، ان کے یہاں دولت کی کوئی کمی نہیں ہے، خوشحال زندگی کے تمام لوازمات انہیں میسر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی حرب و دفاع اور نشر و اشاعت کے بہترین ذرائع بھی انہیں حاصل ہیں اور ان کی اتنی فراوانی ہے جو دوسرے ملکوں میں کم دیکھنے میں آتی ہے۔

مگر یہودیوں کا ایک چھوٹا سا ملک اسرائیل ان کے سر پر تلوار بن کر لٹک رہا ہے۔

عربوں کی اسرائیل سے دوبار جنگ ہوئی اور دونوں جنگوں کا یہ بدترین نتیجہ نکلا کہ پستی کی جو آخری حد ہو سکتی تھی، عربوں کو وہاں تک آنا پڑا۔

اور آج بھی اسرائیل عربوں کے ہزاروں مربع میل علاقے پر جبراً قابض ہے۔ جیسے غازہ کی پٹی، سینائی کا ریگستان، شرم الشیخ کا ٹیلہ، ابنائے طیران، گولان کی پہاڑیاں اور معراج محمدیؐ کی پہلی منزل اور مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ یہودی جوروس سے انتہائی ذلت کے ساتھ نکالے گئے، وہ یہودی جن کے ساتھ جرمن میں ہٹلر نے جانوروں سے بدتر سلوک کیا، سوراور بندر بنائی جانے والی قوموں کے وارث، یہ یہودی آج فاتح ہیں اور عرب کے مسلمان مفتوح ہیں، یہودی بالا دست ہیں اور عرب زیردست ہیں، یہودی فتح کے نشہ میں غرارہے ہیں اور عرب والے خون کا گھونٹ پی رہے ہیں، یہودی عربوں کے مقبوضہ علاقوں میں نئی نئی بستیاں بسا کر اپنے قبضہ کو مستقل بنا رہے ہیں اور عرب والے انہیں بے بسی کے ساتھ دیکھنے پر مجبور ہیں، یہودی عربوں کے مزید علاقوں پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور عرب ممالک ان دھمکیوں کا جواب تک دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

فتح وظفر کے تمام مادی اسباب فراہم ہونے کے باوجود یہ صورت حال کس کمی کی نتیجہ ہے؟ اوراس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ جواب بہت کھلا ہوا اور آسان ہے۔

عربوں کی یہ ساری بربادیاں اور رسوائیاں ان کی آپس کی نااتفاقی اور سر پھٹول ہی کا نتیجہ ہیں۔

ان کے وہ تمام مادی وسائل جو اپنی حفاظت اور بقا میں صرف ہونے چاہئیں وہ اپنوں کو مغلوب کرنے میں ضائع ہو رہے ہیں۔

اسرائیل کے سابق وزیر جنگ موشے دایان نے اپنی خودنوشت سوانح عمری شائع کی ہے جس کا نام ہے ''میری زندگی کی کہانی۔''

اس نے اپنے حالات کے ذیل میں عربوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''غیر متحد عرب جو ہر چھوٹے بڑے مسئلہ پر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، اسرائیل کے لئے کوئی خطرہ نہیں بن سکتے۔''

یہی نہیں کہ آپس کی نااتفاقی سے ہماری ہوا اکھڑ گئی ہے اور ہم بے انتہا مادی وسائل اور کثرت تعداد کے باوجود جھاڑو کے تنکوں کی طرح منتشر اور بے قیمت ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ اس فرقہ بندی کی وجہ سے ہم اسلام کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اور اللہ کے دین کو بدنام کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

آج دوسری قومیں مسلمانوں کو ایک جھگڑالو قوم کی حیثیت سے دیکھ رہی ہیں۔ اوران کا کہنا ہے کہ اسلام اللہ کا دین کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ اسی اسلام کے نام پر مسلمان آپس میں لڑ رہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اوران کی لڑائی ختم ہونے میں نہیں آتی۔اس بات پر مجھے ٹیڑھی کھیر کا ایک لطیفہ یاد آیا۔

ایک لطیفہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک نابینا کو ایک شخص نے کھانے کی دعوت دی۔نابینا نے پوچھا:''آپ کیا کھلائیں گے؟''اس نے کہا''کھیر کھلاؤں گا''

نابینا نے دوبارہ سوال کیا:''کھیر کیا چیز ہوتی ہے؟''اس نے کہا''کھیر سفید ہوتی ہے۔''

نابینا نے کہا:''کیسی سفید؟''اس نے کہا:''جیسے بگلا۔''

نابینا نے کہا:''بگلا کیسا ہوتا ہے؟میں نے تو اسے بھی نہیں دیکھا۔''

اب دعوت دینے والے نے اپنے ہاتھ کو بگلے کی شکل بنا کر نابینا کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ بگلا ایسا ہوتا ہے۔

نابینا نے ٹٹول کر دیکھا تو وہ اس کو ٹیڑھی چیز معلوم ہوئی۔اس نے سمجھا کہ کھیر کوئی ٹیڑھی میڑھی چیز ہوتی ہے۔اس نے سوچا کہ ایسی ٹیڑھی چیز اگر میں نے کھائی تو کہیں وہ میرے گلے میں نہ پھنس جائے۔

اس نے کہا:''بھائی مجھے ایسی ٹیڑھی کھیر سے معاف رکھو میں تمہاری دعوت نہیں کھاؤں گا۔''

موجودہ زمانے میں ہم مسلمانوں نے بھی اسلام کو ایسا ہی ٹیڑھا بنا رکھا ہے۔اسلام کے نام پر طرح طرح کے مذہبی اور سیاسی جھگڑے ہیں۔اسلام دین رحمت تھا مگر ہم نے اسے دین منازعت بنا کر رکھ دیا ہے۔

مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے یہاں تو ستر سے زیادہ فرقے ہیں،مگر حقیقت یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں اس سے زیادہ فرقے ہیں۔

عیسائیت کو لے لیجئے،اس میں مجموعی طور پر تین ہزار فرقے ہیں۔

سچائی یہ ہے کہ مسلمانوں میں اور دوسرے مذاہب میں اصل فرق فرقے کی کثرت کا نہیں ہے بلکہ جھگڑے کی کثرت کا ہے۔

مسلمان بات بات پر آپس میں لڑتے رہتے ہیں اس لئے وہ کم فرقہ ہونے کے باوجود کثرت فرقہ کے لئے مشہور ہیں جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگ فرقے ہونے کے باوجود اس طرح آپس میں نہیں لڑتے اس لئے ان کا باہمی اختلاف دوسروں کو کم دکھائی دیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لئے اتحاد واتفاق کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے۔

اسلام کے تمام احکام ومسائل سے اتحاد واخوت کا درس ملتا ہے۔مثلاً،نماز جو ہر مسلمان پرفرض ہے، یہاں تک کہ حالت جہاد میں بھی معاف نہیں ہے۔نماز چھوڑ دینے والے کوقرآن نے مشرک اور حدیث رسولؐ نے کافر بتایا ہے۔

لیکن نمازی جب مسجد جاتا ہے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اکیلے نماز پڑھے۔اسلام اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اذان دے۔یعنی جس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے وہ مسجد آیا ہے اس میں وہ دوسرے بندوں کو بھی شریک کرے۔

چنانچہ اذان میں وہ لوگوں کو پکارتا ہے: ''حی علی الصلوٰۃ۔'' آؤ نماز کے لئے۔'' حی علی الفلاح'' آؤ کامیابی کے لئے۔''

پھر مسجد میں آنے والے تمام مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

جہاں تک جماعت کے ساتھ نماز کا تعلق ہے، بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ پڑھی جانے والی نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز ستائیں گنا زیادہ اجر رکھتی ہے۔''

ابوداؤد میں روایت ہے: ''آدمی کی وہ نماز جسے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے، زیادہ ایمانی نشوونما کا باعث بنتی ہے، اس نماز کے مقابلہ میں جسے وہ اکیلے پڑھتا ہے۔''

ابوداؤد ہی میں یہ روایت بھی ہے: ''جو شخص اذان سننے کے بعد بلاخوف اور مرض کے عذر کے، جماعت میں شریک نہیں ہوتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واللہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر ایک آدمی کو امام بنادوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان کے گھروں کو جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلادوں۔''

آخر جماعت والی نماز کا اجر وثواب اکیلے پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ اجر وثواب کا ذریعہ کیوں ہے؟

جب کہ اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں نمازی ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرتا ہے اور جماعت والی نماز میں بھی وہ ایک ہی رکوع اور دو ہی سجدے کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں وہ ایک رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور جماعت کی حالت میں بھی اسے ایک رکعت میں ایک ہی بار سورۂ فاتحہ پڑھنی ہوتی ہے۔

نمازی اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں جو کچھ کرتا ہے، وہی اور اتنا ہی اسے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کرنا پڑتا ہے۔

مگر جماعت والی نماز کا اجر وثواب اس لئے ستائیس گنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ نمازی اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے کندھوں سے کندھا اور ٹخنوں سے ٹخنہ ملا کر نماز ادا کرتا ہے۔

جب فرض نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو حکم دیا جاتا ہے کہ لوگ صفوں کو درست کرلیں، ان کے پاؤں سے پاؤں اور انگلیوں سے انگلیاں ملی رہیں، ان کے بیچ میں خلا نہ رہے ورنہ شیطان گھس جائے گا۔

مسلم کی روایت کے مطابق صفوں کو درست کرنے کی تاکید کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صفوں کو برابر کرو کیوں کہ ان کا برابر کرنا نماز قائم کرنا ہے۔''

ابوداؤد میں روایت ہے: ''تم لوگ اپنی صفوں کو اچھی طرح ملاؤ اور مل کر کھڑے ہو، واللہ میں دیکھتا ہوں کہ شیطان صف کے سوراخوں میں بکری کے بچہ کی طرح گھستا ہے۔''

جماعت کی حالت میں ایک امام کے پیچھے تمام نمازی صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں، امیر بھی اسی صف میں کھڑا ہوتا ہے اور غریب بھی، آقا بھی اور غلام بھی، کالا بھی اور گورا بھی، کارخانہ دار بھی اور اس کا ملازم بھی، استاد بھی اور شاگرد بھی جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

نماز اتحاد پیدا کرنے میں کتنا اہم رول ادا کرتی ہے۔ مسلمان جب دن بھر میں پانچ بار اکٹھا ہوں گے، ایک صف میں مل کر، ایک ہی آواز پر، ایک ہی رخ پر کھڑے ہو کر اللہ کے آگے رکوع وسجدہ کریں گے تو ان کے دل کی کدورت بتدریج ختم ہوتی جائے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے لوہے کے دو ٹکڑے ہوں اور ان پر زنگ لگ جائے، لیکن اگر انہیں روزانہ باہم ملایا جاتا رہے تو رفتہ رفتہ دونوں میں لگا ہوا زنگ ایک دوسرے کی رگڑ سے ختم ہو جائے گا۔

ایک واقعہ:

ہندوستان کے شمالی مشرقی خطہ میں ایک ضلع ''نوگڑھ'' ہے۔ انگریزوں کے دور میں، اس ضلع میں برڈ صاحب نامی زمیندار تھے۔ وہ بڑے منصف مزاج تھے۔ آج بھی اس ضلع کا ایک چھوٹا سا قصبہ ''برڈپور'' کے نام سے مشہور ہے۔

ان کے دور میں ایک گاؤں میں دو آدمیوں کے کھیت ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ دونوں میں برسوں سے نااتفاقی چلی آرہی تھی، ان دونوں کے کھیت میں ایک بہت بڑا پتھر پڑا رہتا تھا۔ ایک شخص جب اپنے کھیت میں کام کرنے جاتا تو اس پتھر کو دوسرے کے کھیت میں پھینک دیا کرتا تھا اور جب دوسرا اپنے کھیت میں جاتا تو اسے اپنے پڑوس کے کھیت میں پھینک دیتا تھا۔

ایک روز دونوں ساتھ ساتھ اپنے کھیت میں پہنچے اور پتھر پھینکنے کے معاملے میں دونوں میں زبردست مار پیٹ ہوگئی۔ معاملہ برڈ صاحب تک پہنچا۔ انہوں نے ان دونوں کو اپنی کوٹھی پر بلوایا جو ان دونوں کے کھیت سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔

اور حکم دیا کہ ان دونوں کی سزا یہی ہے کہ یہ دونوں اس پتھر کو لاد کر یہاں تک لائیں۔ دونوں حکم ماننے پر مجبور ہوگئے۔ اور انہوں نے ایک موٹی لکڑی میں رسّے سے اس پتھر کو مضبوطی کے ساتھ باندھا اور اپنے کندھوں پر رکھ کر چلے۔

راستہ میں جب ایک کا کندھا دکھتا تو دوسرے سے کہتا: ''ذرا ٹھہر جاؤ میں کندھا بدل لوں۔''

اور دوسرا بھی اسی طرح کہتا۔ پھر جب دونوں تھک جاتے تو ایک دوسرے سے کہتے: ''آؤ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جائیں۔''

پھر وہ ستانے کے لئے بیٹھ جاتے اور ان میں کوئی نہ کوئی گفتگو ہونے لگتی۔

یہ دونوں جو برسہا برس سے ایک دوسرے کی شکل و صورت سے بیزار تھے، باہم ہمدردانہ گفتگو کرنے لگے۔

باتیں کرتے کرتے ایک نے کہا: ''تم میرے کتنے بڑے دشمن ہو، تم نے ایک بار میرے بچے کو چھت کے نیچے گرانے کی کوشش کی تھی، پڑوسیوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے نے کہا: ''تمہیں پڑوسیوں نے غلط فہمی میں ڈال دیا تھا۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ تمہارا بچہ چھت سے گرا جا رہا تھا اور میں اسے بچانے کے لئے اسے پکڑ رہا تھا۔ میرا مقصد بچے کو مارنا نہیں، اسے بچانا تھا۔''

اس طرح کی گفتگو سے دونوں کے سینوں کی کدورت اور برسوں سے چلی آنے والی غلط فہمی دور ہوگئی اور وہ باہم شیر وشکر ہوگئے۔

اور جب وہ برڈ صاحب کے یہاں پہنچے تو جانی دشمن کی حیثیت سے نہیں، بلکہ جگری اور غم خوار بھائی کی حیثیت سے۔

اسی طرح جب مسلمان دن بھر میں پانچ بار ملتے ہیں تو ان میں ایک دوسرے کے لئے محبت وہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

وہی لوگ جن کی آپس میں دشمنی ہوتی ہے، جو ایک دوسرے کی صورت تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے، جن کو اپنے حریف کی پرچھائیں سے نفرت ہوتی ہے، جن سے ملنے جلنے سے گریز ہوتا ہے، انہیں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نماز ادا کرتے ہیں۔ غور کیجئے نماز با جماعت اتحاد و اخوت کے لئے کتنی مؤثر چیز ہے۔

اسلام نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں۔ مگر روزوں کی فرضیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے، بلکہ سب کو ایک ہی مہینہ یعنی رمضان میں روزہ رکھنا پڑتا ہے۔

روزہ افطار کرنے کے لئے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جب چاہے روزہ کھول دے، بلکہ سب کے لئے افطاری کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔

رمضان میں سب مسلمان ایک ہی ساتھ کھاتے ہیں اور ایک ہی ساتھ فاقہ کرتے ہیں۔

اسلام نے بشرط نصاب زکوٰۃ فرض کیا ہے تاکہ مالدار مسلمان اپنے مالوں سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کریں۔

اسلام میں بشرط استطاعت حج فرض ہے۔

حج میں اتحاد واتفاق کا شاندار مظاہرہ ہوتا ہے، جب ساری دنیا کے امیر وغریب، کالے اور گورے، شاہ وگدا، عربی اور عجمی ایک ہی ایام میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی جگہ کھڑے ہوکر،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔

اگر ان میں کا کوئی غریب حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو امیر بھی اسی کو بوسہ دیتا ہے۔ اگر غریب بھائی زمزم کا پانی پی کر گیا ہے تو دولت مند بھائی پہنچ کر اس کا بچا ہوا پانی پیتا ہے۔

سب مل کر ساتھ ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ سب لوگ آٹھویں ذی الحجہ کو منی پہنچتے ہیں تو نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات میں پہنچ کر فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔ پھر سب کے سب اسی تاریخ کی رات میں مزدلفہ پہنچ کر وہیں رات گذارتے ہیں پھر دسویں سے لے کر تیرہویں تاریخ تک قربانی کرتے ہیں اور شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔

یہ اسلامی عبادات مسلمانوں کو اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ وہ محسوس کریں کہ ہمارا محور ایک ہے، ہمارا مرکز ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، ہماری کتاب ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے، ہمارا کلمہ ہے۔ اس لئے اپنی زندگی کی آخری سانس تک ہمیں ایک بن کر رہنا چاہیے۔

یہی نہیں کہ مسلمان کا دین، قبلہ اور کلمہ ایک ہے، بلکہ ہمارے مسائل بھی ایک ہیں، ہمارا دکھ درد بھی ایک ہے، ہماری مشکلات اور پریشانیاں بھی ایک ہیں اور ہمارا مفاد بھی ایک ہے۔

جب چند آدمیوں کا مفاد مشترک ہوتا ہے تو اسے حاصل کرنے کے لئے لوگ آپسی اختلافات کو بھلا دیا کرتے ہیں۔

ہندوستان کی پارلیمنٹ میں ۱۹۸۱ء میں ایک غیر سرکاری بل پیش ہوا تھا۔ بل پیش کرنے والے ممبر کا نام ایم.بی.ڈاگا تھا جو کرناٹک سے پارلیمنٹ کا الیکشن جیت کر آئے تھے۔

بل میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ہندوستان میں ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہیں اور ان کو بھتہ میں ملنے والی رقم بہت کم ہے اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔

تو ہندوستان کی جمہوری تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ تمام ممبران پارلیمنٹ، چاہے ان کا تعلق حکمران پارٹی سے تھا یا اپوزیشن پارٹیوں سے، نے مل جل کر اس بل کے حق میں ووٹ دیا۔

حالاں کہ اب تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تمام ممبران نے کسی سرکاری یا غیر سرکاری بل کی متفق ہو کر حمایت کی ہو۔

اور ایسا اس لئے ہوا کہ تمام ممبران کا فائدہ مشترک تھا۔

اسی طرح جب چند افراد کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں، تو اس سے بچنے کے لئے وہ اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں، انہیں جو بات یاد رہتی ہے وہ یہ کہ اس مصیبت کا مقابلہ کیسے کیا جائے اور اس سے اپنی جان کیسے بچائی جائے؟

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ایک تمثیلی واقعہ بیان کیا ہے:

کسی مقام پر بہت بڑا سیلاب آیا تھا جس کی وجہ سے ہزاروں گھر زیر آب ہو گئے، سیکڑوں سویشیوں کی جانیں چلی گئیں، ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے۔

سیلاب کے پانی میں ایک درخت کھڑا تھا جس کی ایک شاخ پر اپنی جان بچانے کے لئے ایک انسان بیٹھا تھا اور اسی درخت کی ایک دوسری شاخ پر ایک زہریلے سانپ نے پناہ لے رکھی تھی۔

سانپ انسان کا دشمن ہے اور انسان سانپ کا دشمن ہے۔

مگر سیلاب کی ہولنا کی سے بچنے کی فکر میں دونوں ایک ہی درخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، نہ انسان سانپ کو مار رہا ہے اور نہ سانپ انسان کو ڈس رہا ہے۔

کیوں کہ دونوں ایک ہی مصیبت سے دوچار ہیں اور اس ہولناک مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے دونوں اس طرح مل گئے ہیں جیسے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہ ہو کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار ہوں۔

ڈاکٹر اقبالؔ نے اس واقعہ کو یوں منظوم کیا ہے۔

کہتے ہیں طوفان میں ڈوبا ہوا تھا اک درخت | شاخ پر اس کی نظر آتے تھے دو آشفتہ بخت
ایک ان میں سانپ تھا اور ایک غمگیں نوجواں | دو ضدوں کا ایک بھیگی شاخ پر تھا آشیاں

سچ ہے درد مشترک میں ہے وہ روح اتحاد
عشق میں جس سے بدل جاتے ہیں آئینِ عناد

ذرا ہم غور کریں، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس ہندوستان میں ہم تمام مسلمان ایک ہی طرح کے مسائل اور دشواریوں سے دوچار ہیں؟

ہندوستان میں جہاں کہیں بھی فساد یا بالفاظ دیگر مسلمانوں کا یک طرفہ قتل عام ہوتا ہے وہاں قاتل یہ نہیں دیکھتا کہ، ان میں کون حنفی ہے اور کون شافعی؟ ان میں کون مقلد ہے اور کون غیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقلد، ان میں کون امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور کون اس کا منکر ہے، انہی حالات کے پیش نظر علامہ اقبالؒ نے یہ پیغام دیا تھا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک   ایک ہے سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک   کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں بتایا گیا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ. ''یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔''

اب نصاریٰ نے بھی وہی بات کہہ دی جو یہود نے کہی تھی:

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ. ''اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔''

یعنی اگر تمہارے نبی حضرت عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں تو کیا ہم تم سے کم ہیں؟

اگر عزیر بشکل بشر ابن اللہ ہے تو مسیح بھی انسانی لباس میں ابن اللہ ہے۔

یہی نہیں بلکہ یہودیوں نے عیسائیوں کو یہ طعنہ بھی دیا کہ تمہارے نبی حضرت عیسیٰؑ تو بلا باپ کے پیدا ہوئے، ان کا کوئی باپ ہی نہیں ہے۔

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے طعنہ زنی کرنے والے، ان کو بدزبانی کا شکار بنانے والے اور ان کی کردارکشی کی مہم چلانے والے یہی یہودی ہیں۔

لیکن آپس کی دشمنی کے باوجود وہ مسلم دشمنی میں ایک جان دو قالب ہیں۔

خود اپنے ملک میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کی بت پرست قومیں جن کا طریق عبادت ایک دوسرے سے مختلف ہے، جن کی تہذیب اور زبان جدا جدا ہے۔ ان میں کوئی مورتی پوجا کرتا ہے تو دوسرا اسے معیوب سمجھتا ہے، ایک گروہ کسی کو اپنا دیوتا مانتا ہے تو دوسرا اسے دیوتا ماننے سے انکار کرتا ہے۔

اتنی دوری کے باوجود وہ ہمیں مٹانے کے لئے، ہمارے لئے اس ملک کی زمین کو تنگ کرنے کے لئے، ہمیں ذلیل و پست ہمت کرنے کے لئے آپس میں ایک ہو جاتے ہیں۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ ہمیں مٹانے کے لئے متحد ہو جاتے ہیں اور ہم اپنی حفاظت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے باہم متحد ہونے پر تیار نہیں ہوتے۔

ایک مفکر نے بہت صحیح بات کہی ہے کہ مسلمان صرف اس بات پر متحد ہیں کہ وہ کبھی متحد نہیں ہوں گے۔

نااتفاقی سے صرف یہی نہیں کہ معاشرہ کمزور ہو جاتا ہے، بلکہ ایسے سماج میں برائیاں بڑی تیزی کے ساتھ پھلنے پھولنے لگتی ہیں جہاں لوگ باہم جنگ و جدال میں مبتلا ہوں۔

جب پارٹی بازی ہوتی ہے تو ہر شخص اپنے گروہ کے آدمی کی تائید میں رہتا ہے چاہے وہ برا ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسرے گروہ کے آدمی کی برائی کرتا ہے چاہے اس کا دامن بے داغ ہی کیوں نہ ہو۔

پارٹی بازی اور گروہ بندی میں اگر کوئی شخص اپنے گروپ کا ہے تو چاہے وہ چور ہو، ظالم ہو، رشوت خور ہو، چغل خور ہو، دھوکہ باز اور فریبی ہو، مگر آدمی اپنے گروہ کا آدمی سمجھ کر اس کی حمایت کرتا ہے۔ اس طرح برے کو برائی کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور پھر پورا سماج برائیوں اور بدعنوانیوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ لوگ تعاونوا علی البر و التقوىٰ پر عمل کریں، لوگوں کا عمل اس کے الٹا ہو جاتا ہے۔

گروہ بندی میں ایسا ہوتا ہے کہ جب تک کسی آدمی کا تعلق اور وفاداریاں اپنے گروہ کے ساتھ ہیں تب تک اس کی برائیاں اور خوبیاں دونوں خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔

لیکن اگر اس کا تعلق مخالف گروہ سے ہو گیا تو فوراً اس کی خوبیوں کو برائیوں کے خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور اسے اس طرح برا کہا جاتا ہے جیسے دنیا کا سب سے بڑا فسادی یہی ہو۔

ایک واقعہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تو اس وقت مدینہ میں کچھ یہودی آباد تھے۔

یہودیوں کے ایک عالم عبداللہ بن سلام ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور انہوں نے اسلام کے بارے میں آپؐ سے کچھ سوالات کئے۔

عبداللہ بن سلام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ واقعی آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد یہودی قبیلہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ان کو ابھی معلوم نہ تھا کہ عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

کسی نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تمہارے درمیان کیسے آدمی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا: ذَاکَ سَیِّدُنَا وَ ابْنُ سَیِّدِنَا وَ اَعْلَمُنَا وَ ابْنُ عَالِمِنَا. ''وہ ہمارے سردار ہیں اور سردار کے بیٹے ہیں، وہ ہمارے عالم ہیں اور ہمارے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔''

پھر پوچھا گیا کہ تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کرلیں؟ انہوں نے کہا: خدا کی پناہ، وہ کبھی ایسا نہیں کرسکتے۔

اس وقت عبداللہ بن سلام اندر موجود تھے۔ وہ نکل کر باہر آئے اور یہود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تم لوگ اللہ سے ڈرو۔ خدا کی قسم یہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ حق لے کر آئے ہیں۔ میں ان پر ایمان لاچکا ہوں، تم بھی ان پر ایمان لے آؤ۔''

یہ سن کر یہود کا لہجہ بدل گیا۔

انہوں نے کہا: ''تم جھوٹ کہتے ہو اور تم نہایت برے ہو اور برے کے بیٹے ہو۔''

اسلام قبول کرنے سے پہلے یہود نے عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں کہا کہ وہ ہمارے بہترین شخص ہیں اور بہترین شخص کے بیٹے ہیں، وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔

مگر جب عبداللہ بن سلامؓ ان کے گروہ سے نکل گئے تو انہیں یہ کہتے دیر نہیں لگی کہ وہ نہایت برے شخص ہیں اور برے شخص کے بیٹے ہیں۔

اسی کو تعصب کہا جاتا ہے اور گروہ بندی اور پارٹی بازی کے نتیجے میں اس قسم کے جذبات بے تحاشہ پرورش پاتے ہیں۔

تفریق باہم کتنی خطرناک چیز ہے؟

مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں کی سازش سے ایک مسجد (مسجد ضرار) وجود میں آئی تھی، جس کا مقصد ملت اسلامیہ میں پھوٹ ڈالنا تھا۔ اور اس کے معنی ہی تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں خواہ مخواہ تفریق رونما ہو۔

قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ. لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا. ''اور کچھ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لئے کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور (اللہ کی بندگی کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسرپیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔''

مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں۔ ایک مسجد نبوی جو شہر کے اندر تھی، دوسری مسجد قبا جو شہر کے مضافات میں تھی۔ یہ دونوں مسجدیں نمازیوں کے لئے کافی تھیں۔

اب ایک نئی مسجد بننے کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مسجد کی تعمیر کے لئے یہ ضرورت پیش کی کہ بارش میں اور جاڑے کی راتوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً کمزوروں، بیماروں اور معذوروں کو، جو ان دونوں مسجدوں سے دور رہتے ہیں پانچوں وقت حاضری دینی مشکل ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم محض نمازیوں کی آسانی کے لئے یہ ایک نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

پھر جب یہ مسجد بن کر تیار ہو گئی تو یہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرما دیں۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس وقت میں جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں اور ایک بڑی مہم درپیش ہے۔ اس مہم سے واپس آکر دیکھوں گا۔ اس کے بعد آپؐ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب آپؐ جنگ تبوک سے فارغ ہو کر لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور آپؐ نے اسی وقت چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیج دیا تاکہ آپؐ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے وہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں۔

چنانچہ وہ مسجد گرا دی گئی اور اس کی بنیادوں کو اکھڑوا دیا گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالاں کہ مسجد کا انہدام کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن جس مسجد کے بننے سے ملت میں انتشار پیدا ہوتا ہو، اس کا گرا دینا افضل ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعات کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بلاوا پر جب طور پہاڑ پر گئے تو انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو بنی اسرائیل کی سرداری سونپتے ہوئے جو حکم دیا تھا، سورۂ اعراف میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ. ''اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے کہا، کہ تم میری قوم میں میری جانشینی کرو اور دیکھو اصلاح کرنا اور مفسدوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری نے لوگوں کے زیورات اکٹھا کر کے ایک بچھڑا بنایا جس سے آواز نکلتی تھی۔

قرآن مجید کی سورۂ طٰہٰ میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے کہ بچھڑے کو دیکھ کر لوگ پکار اٹھے: هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ. ''یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا اور موسیٰ اسے بھول گیا۔''

حالاں کہ ہارون علیہ السلام لوگوں سے پہلے ہی کہہ چکے تھے: يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي. ''لوگو! تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو، تمہارا رب تو رحمٰن ہے، پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔''

لیکن قوم نے حضرت ہارونؑ کو دوٹوک جواب دیا:

لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ. ''ہم تو اس کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ واپس نہ آجائے۔''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو قوم کو اس بگاڑ میں مبتلا دیکھ کر بہت جھلائے اور انہوں نے حضرت ہارونؑ کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ کر کہا:

يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا أَلَّا تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي. ''ہارون، تم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟"

تو حضرت ہارونؑ نے کہا: يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي. "اے میری ماں کے بیٹے، میری داڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔"

حضرت ہارونؑ اللہ کے نبی تھے۔ وہ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے لیکن وہ ان کے نائب کی حیثیت سے تھے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں جب بنی اسرائیل بچھڑے کو پوجنے لگے تو حضرت ہارونؑ نے خاموشی اختیار کر لی۔

غور کیجیے، اللہ کا ایک نبی شرک جیسے عظیم گناہ کو چند دنوں کے لئے گوارا کر لیتا ہے مگر آپس کی پھوٹ کو گوارا نہیں کرتا۔

کیونکہ سماجی زندگی میں نااتفاقی کے نتائج شرک کے نتائج سے بھی زیادہ بدترین ہوتے ہیں۔

آج مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ دین کے نام پر اور دین کی آڑ میں آپس میں ایک دوسرے سے جنگ و جدال میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ دین جس نے اتحاد کو عظیم نعمت قرار دیا، وہ دین جس نے مل جل کر رہنے کی تاکید کی، وہ دین جو دلوں کو توڑنے کے لئے نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کے لئے آیا تھا۔ آج ہم اسی کا نام لے کر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ.

"دیکھنا ایمان لانے کے بعد کہیں پھر مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔"

یہ بات یقیناً حیرانی کا باعث ہو گی کہ ایمان لانے کے بعد امت محمدیہ مشرکین کی جماعت کیسے بن جائے گی؟

لیکن آیت کے اگلے حصہ نے اسے واضح کر دیا:

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ. "یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین میں فرقہ بازی شروع کر دی، جماعت بندی کر ڈالی، گروہ بندی کی بنیاد ڈال دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ كَانُوْا شِيَعاً. ''اور خود ہی گروہ در گروہ ہو گئے، مختلف فرقے بن گئے۔''

پھر ان کی حالت یہ ہو گئی:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ. ''یعنی ہر فرقہ خوش ہے کہ ہم حق پر ہیں اور دوسرے سب باطل پر، ہم سچے ہیں اور سب جھوٹے۔''

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ یعنی جن لوگوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، مختلف فرقے بن بیٹھے، اے رسول! تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

موجودہ دور میں لوگ یہ دعویٰ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار نہیں ہیں، ان میں شیعہ، سنی، وہابی، حنفی کے جھگڑے نہیں ہیں۔

لیکن اگر یہ درست ہے کہ لوگ وہابی اور سنی کے جھگڑوں میں الجھنا فعل عبث سمجھتے ہیں تو کیا ان کے اندر دوسری قسم کی فرقہ بندی نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

اور جگہ جگہ پارٹی بازی اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

مذہب والوں نے تو کسی مقدس جذبے کے تحت کسی مقدس انسان کے نام پر فرقے بنائے تھے۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ ادنیٰ جذبات کے تحت اور معمولی باتوں کے لئے پارٹی بازی شروع ہو جاتی ہے۔

اور یہ سب کچھ ملت کی خیر خواہی، مذہب کی خدمت، مسلمانوں سے ہمدردی اور قوم کی اصلاح کی آڑ میں ہوتا ہے۔

دین کے لئے اگر سیاست کو استعمال کیا جائے اور دین کی خاطر عہدے اور مناصب کو قربان کر دیا جائے تو بلاشبہ یہ دین کی صحیح خدمت ہے۔

لیکن سیاسی فائدوں کے لئے، سماج میں نمایاں بننے کے لئے اور عہدے اور اعزازات حاصل کرنے کے لئے اگر دین کو استعمال کیا جائے تو یہ دین کی خدمت نہیں اس کا استحصال ہے۔

آج مسلم سماج میں جو برائیاں پائی جاتی ہیں ان میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ عہدوں کے لئے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔

کہیں بھی کوئی مکتب، کوئی مدرسہ، کوئی جمعیۃ اور تنظیم ہو تو اس کی صدارت، نظامت اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امارت کے لئے آپس میں رسہ کشی ہوتی رہتی ہے۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ عہدہ اسی کو ملے۔ جسے عہدہ نہیں ملتا وہ ادارہ کی جڑ کھودنے پر تل جاتا ہے اور یہ سب کچھ دین سے محبت اور اس کی خدمت کا نام دیکر کیا جاتا ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے، قیمتی سامان سے لدی ہوئی ایک بیل گاڑی کسی کیچڑ میں بری طرح پھنس گئی، اب ہر شخص کا کام ہے کہ جو جس قدر کر سکتا ہے اسے بچانے کے لئے کرے اور جو جہاں اور جس طرح موقع پائے اپنی پوزیشن سنبھال لے۔

لیکن کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں اسے بچانے میں اپنی طاقت ضرور لگاؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ میں سب سے اوپر رہوں گا۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے بیل گاڑی کو بچانے کی فکر نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی فکر ہے، اسے بیل گاڑی اور اس کے قیمتی سامان سے محبت نہیں ہے بلکہ اپنی ذات سے محبت ہے، وہ بیل گاڑی کو بچانا نہیں چاہتا بلکہ خود کو سب سے اوپر رکھنا چاہتا ہے۔

ہاکی اور فٹ بال کے میدان میں دیکھا جاتا ہے کہ جب ایک کھلاڑی کو گیند مل جاتا ہے تو گویا اس کی ٹیم کے تمام کھلاڑیوں کو گیند مل جاتا ہے، ہر ایک اپنے آپ کو اس میں شریک سمجھنے لگتا ہے، سب مل جل کر اسے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر کھلاڑی وہی چاہتا ہے جو اس کے دوسرے ساتھی چاہتے ہیں۔

مگر ملت کا معاملہ اس کے بالکل الٹا ہے۔

یہاں جب کسی کو کوئی عہدہ مل جاتا ہے تو اس کے لئے اعزاز اور کریڈٹ کا سامان ہوتا ہے اور دوسرے کے لئے حسد و رقابت کا۔ ملت کے جس ادارے میں دیکھئے عہدے اور مناصب کی جنگ نظر آئے گی۔ جسے عہدہ مل گیا ہے وہ اسے چھوڑنے پر تیار نہیں اور جس کو نہیں ملا ہے وہ صبر کرنے پر راضی نہیں، ہر شخص سارا کریڈٹ خود لینا چاہتا ہے، کوئی اپنے سوا کسی دوسرے کو کریڈٹ دینا ہی نہیں چاہتا۔ اور یہی چیز ہماری اکثر مصیبتوں کی بنیاد ہے۔

کھیل کے میدان میں گیند ایک ہی ہوتا ہے اور کھلاڑی کم از کم گیارہ ہوتے ہیں۔

اب اگر ہر کھلاڑی یہ چاہے کہ گیند اسی کے پاس رہے اور اسے بڑھانے اور آگے لے کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلنے کا سہرا اسی کے سر ہے تو گیند ایک طرف پڑا رہ جائے گا اور کھلاڑی آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیں گے۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسری ٹیم پر گول کریں خود ہی لڑ مریں گے۔

یہی حال ملت کا بھی ہے۔ ملت ہر طرح کے مسائل سے گھری ہوئی ہے، دینی قدروں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، لادینی تعلیم بچوں کے ذہن و دماغ کو غلط راستوں پر موڑنے میں لگی ہے، نئی نسلوں کو شدھی بنانے کی تحریک جاری ہے، اسلاف امت کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں، قرآنی تعلیمات کو دقیانوسی بتایا جا رہا ہے، پرسنل لاء کو ختم کرنے کی منظم کوششیں جاری ہیں۔ مگر ہم عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں، وہ بھی قوم وملت کے نام پر۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی تنظیم میں عہدے اور مناصب کا حل کیا ہو؟

جواب یہ ہے کہ اس کا حل وہی ہے جو اسلام نے بتایا ہے اور دن بھر میں پانچ بار ہم نماز باجماعت کے وقت جس کو عمل میں لاتے رہتے ہیں۔

جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو جو شخص از روئے شرع امامت کا زیادہ اہل ہوتا ہے وہی امام بنایا جاتا ہے اور اس پر سب راضی ہو جاتے ہیں اور اسی کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح اداروں میں بھی ہونا چاہئے کہ جو شخص اس کام کے لئے سب سے زیادہ لائق ہو اسی کو سربراہ بنایا جائے اور دوسرے لوگ اسے برضا و رغبت تسلیم کر لیں۔

اب ایک واقعہ سنئے۔

ایک واقعہ:

نماز روز اول سے مسلمانوں پر فرض تھی۔ لیکن وقت مقررہ کے ساتھ یہ نماز معراج کے موقع پر فرض ہوئی۔

پہلے یہ دستور تھا کہ لوگ نماز کے موقع پر مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اور جماعت سے نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن نماز کے وقت خبر کیسے دی جائے؟ اس معاملہ میں کوئی واضح صورت سامنے نہیں آرہی تھی۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ فرمایا، کسی نے رائے دی کہ نرسنگھا میں پھونک ماری جائے، کسی نے کہا ناقوس بجایا جائے، کسی نے کہا نماز کے وقت آگ روشن کر دی جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی بھی تجویز کو قبول نہیں فرمایا۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زیدؓ بن ثعلبہ تھے، انہیں بھی اس کے متعلق زیادہ فکر تھی، ایک روز انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سبز پوش شخص ہے جس کے ہاتھ میں ناقوس ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ "کیا تم اسے بیچو گے؟" اس نے کہا: "تم اس کا کیا کرو گے؟" انہوں نے کہا "ہم اس سے نماز کے وقت کی خبر دیں گے۔" اس نے کہا "میں تمہیں چند کلمات بتاتا ہوں، تم اسے ہر نماز کے وقت بلند آواز سے دہرایا کرو۔" اور پھر اس نے ان تمام کلمات کو دہرایا جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے انہیں یاد بھی کر لیا۔

دوسرے دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب کی خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ خواب بالکل سچا ہے، ان شاء اللہ۔"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ اور اذان کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔

قدرتی طور پر حضرت عبداللہ بن زید کی یہ خواہش تھی کہ انہیں موذن بنایا جائے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو یہ ذمہ داری سونپ دی اور ان کے متعلق فرمایا: هُوَ اَنْدٰی مِنْکَ صَوْتاً۔ "بلال تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن زید یہ سوچ سکتے تھے کہ چونکہ اذان کی بشارت مجھے ہوئی ہے اس لئے میرا حق ہے کہ میں موذن بنوں۔

مگر چوں کہ اذان کا مقصد تھا اعلان، اور اس کے لئے وہی شخص موزوں اور مناسب تھا جو بلند آواز ہو، اس لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو موذن بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن زید نے اس محرومی کو بخوشی گوارا کر لیا۔

یہ ہے کامیابی کا راز، اور یہی ہے نا اتفاقی سے بچنے کا حل۔

وہی قوم کامیاب ہوتی ہے جس کے افراد عہدے اور منصب کے بارے میں اہل تر کے مقابل میں اپنے حق سے دستبردار ہو جانے پر تیار ہو جائیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آدمی کو جتنا نقصان اس کے گھر والے پہنچا سکتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں پہنچا سکتے۔

غیر شخص خواہ کتنا ہی طاقت ور ہو، اس کے حملوں سے بچنا اور اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن جب اپنے ہی بھائی دشمنی پر کمر باندھ لیتے ہیں تو حفاظت دشوار ہو جاتی ہے۔

اسی لئے قرآن مجید اور حدیث رسولؐ نے اس بات کی سخت تاکید کی ہے کہ مسلمان نہایت میل ملاپ اور محبت اور خلوص کے ساتھ زندگی بسر کریں اور آپس کی دشمنی سے پرہیز کریں۔

اگر انسانی کمزوری کی وجہ سے دشمنی اور اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے جلد از جلد مٹادیں۔ دو مسلمانوں میں اگر جھگڑا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ صلح کرا کے جھگڑے کو ختم کرادیں۔

اہل ایمان کا شیوہ بگاڑ پیدا کرنا اور فتنہ و فساد کو ہوا دینا نہیں ہے۔ اس کے برعکس انہیں ہمیشہ اصلاح اور بناؤ کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین صلح و آشتی اور امن و سلامتی ہی کو پسند کرتا ہے۔ کہیں بھی کوئی بگاڑ ہو جائے تو اس کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔

سورۂ حجرات میں ارشاد ہوا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. ''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اخوت ایمانی کو بنیاد بتاتے ہوئے یہ آیت اس بات کا حکم دیتی ہے کہ اگر اہل ایمان کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اسے باقی نہیں رہنے دینا چاہیے، بلکہ ان کے درمیان دوسرے مسلمانوں کو صلح صفائی کرا دینی چاہیے۔

یہی تقاضائے ایمان بھی ہے اور یہی تقویٰ کی بات بھی، اور اسی طریقہ سے ہم اللہ کے رحمت کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں۔

سورۂ انفال میں یوں ارشاد ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ، قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. ''تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات کو درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ ' بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْراً عَظِیْماً. ''ان لوگوں کی بہت سے مشورتیں اچھی نہیں ہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیر یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرے گا تو ہم اس کو بڑا اجر و ثواب دیں گے۔''

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:

آلا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَ الصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ. ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ روزے، صدقات و خیرات اور نماز سے بھی افضل کیا چیز ہے؟''

قَالُوْا قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. ''صحابہؓ نے کہا ضرور بتائیے یا رسول اللہ۔''

قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ. ''فرمایا آپسی تعلقات کو درست کرنا۔''

وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ آلا وَهِیَ الْحَالِقَةُ. ''اور لوگوں کے باہمی تعلقات میں فساد ڈالنا، خبردار ہو جاؤ، یہ وہ فعل ہے جو تمام نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔''

یہ حدیث رسولؐ خاص طور سے ان دیندار حضرات کے لئے قابل توجہ ہے جو نماز، روزہ اور صدقہ زکوٰۃ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں لیکن اصلاح بین الناس کی فکر نہیں کرتے۔

اور اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بھی سخت تنبیہ ہے جو جھوٹ، بہتان، افتراء اور غیبت کے ذریعہ لوگوں کے تعلقات خراب کرتے ہیں اور امت میں افتراق پیدا کرتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کے اس رویہ کے سبب ان کی ساری نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں۔

آج ہر مسلمان اس بات کا شاکی ہے کہ دین لٹ رہا ہے، اسلام اور مسلمانوں کی عبادت گاہیں خطرے میں ہیں، مذہب بیزاری بڑھتی جارہی ہے۔

لیکن اگر ہم اس کی بنیاد پر نظر ڈالیں تو قطعی طور پر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دین اس لئے نہیں مٹ رہا ہے کہ عیسائی اسے مٹا رہے ہیں۔ دین کے اقدار اس لئے نہیں ختم ہو رہے ہیں کہ یہودی اور اہل ہنود اس کے دشمن ہیں، بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، مسلمان فرقہ بندی میں گرفتار ہیں، مسلمان معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں، مسلمان دن رات ایک دوسرے کو ذلیل وخوار کرنے میں لگے ہیں۔

اگر آج مسلمان اپنی شکر رنجیوں کو مٹا دیں اور ہمارے لیڈران محض اس بات پر صلح کر لیں کہ ایک دوسرے کو ذلیل نہ کریں گے تو کوئی طاقت نہیں جو ان کی طرف انگلی اٹھا سکے۔

آج مسلمانوں میں جو آپسی خانہ جنگی نظر آرہی ہے، ان میں نوے فیصد لڑائیاں دین و ملت کے نام پر لڑی جارہی ہیں۔ اگر آپ سنجیدگی اور انصاف سے غور کریں گے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ ان تمام لڑائیوں میں درحقیقت ذاتی عداوتیں چھپی ہوئی ہیں۔

دین و مذہب کا نام محض عوام کو ورغلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور ایسے لڑنے والوں کے دلوں میں دین واسلام کی کوئی محبت نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو میں ایک مثال سے سمجھانا چاہتا ہوں۔

ایک مثال:

کسی شخص کے گھر آنگن میں ایک بہت ہی خوبصورت سایہ دار درخت لگا ہے جس میں خوشبودار پھول اور میٹھے پھل لگے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں اس درخت کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

اور کوئی شخص اگر اس درخت کی کسی پتی کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ اس سے لڑنے لگتا ہے۔

لیکن کوئی دوسرا آدمی اس درخت کی جڑ پر کلہاڑا مار رہا ہے لیکن یہ کچھ نہیں بولتا، چپکا بیٹھا تماشہ دیکھتا رہتا ہے۔

اس کے اس طرز عمل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس کو اس درخت سے کوئی محبت نہیں ہے۔

یہی حالت ان لوگوں کا بھی ہے جو زبان سے دین وملت کے مفاد میں گھل رہے ہیں۔

دوسری طرف اسلام کی جڑ پر حملہ کیا جارہا ہے، کلمہ طیبہ کا انکار کیا جارہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر حملہ ہے، تو کہیں نماز اور روزے کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ مگر انہیں اس طرح کے ہولناک حالات کا کوئی غم نہیں ہے۔

ان کو مسلمانوں کے کسی طبقہ سے نقصان پہنچا، بس کوئی معمولی مسئلہ یا بالکل فروعی اختلاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر کھڑے ہو گئے، کچھ جاہل اور سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلایا اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کر دیا۔

حالی مرحوم نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے ۔

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی　　جگر جس سے شق ہو وہ تقریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی　　مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

اس لئے اگر ہم اپنے آپ کو اور اپنے دین کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہماری بستی، ہمارے گاؤں، ہمارے محلّہ، ہمارے شہر یا ہمارے آس پاس جہاں مسلمان باہم لڑ رہے ہوں، ان میں صلح کرانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔

ہم میں بہت سے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کو جھگڑتے دیکھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں کیا واسطہ؟ ہم سے کیا مطلب؟ لڑنے والے خود اپنا نقصان کریں گے۔ یہ سمجھ لیجئے، کہ یہ خیال بہت غلط ہے۔

آپ کے محلّہ یا گاؤں میں آگ لگ جائے تو کیا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ اسے بجھانے کی کوشش کریں؟ اگر آگ نہ بجھی تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آپ کا گھر بھی آجائے؟

آج دوسری قومیں اپنے اندرونی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے تنظیمیں بنا رہی ہیں، لیکن افسوس ہم بہت سے جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ جدھر دیکھئے کوئی نہ کوئی یا تو جھگڑا پیدا کر رہا ہے یا جھگڑے میں حصہ لے رہا ہے۔ اور کوئی خود تو جھگڑالو نہیں ہے لیکن دوسروں کے جھگڑوں کو دیکھ کر خاموش تماشائی ہے۔ اس لئے ہم میں سے جو لوگ دینی تڑپ رکھتے ہوں، قوم وملت کی بقا و ترقی کے خواہاں ہوں، اسلام کا درد رکھتے ہوں، ان کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ ان کاموں اور باتوں سے اپنے آپ کو بچائیں جن سے سماج میں انتشار پیدا ہوتا ہو اور کہیں ایسی صورت حال دیکھیں تو اسے ختم کرنے پر اپنی پوری توجہ صرف کر دیں۔ ملت کی بقاء، قوم کی اصلاح اور ہماری ترقی اسی پر موقوف ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

زکوٰۃ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں جو رب العالمین اور قادر مطلق ہے۔ وہی دینے والا، وہی لینے والا ہے۔ وہی مارنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے۔ وہ جسے دینا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا اور جسے نہ دینا چاہے کوئی اسے دے نہیں سکتا۔ وہ جسے چاہتا ہے اتنا نوازتا ہے کہ خود اسے اپنی دولت کا حساب نہیں معلوم ہوتا اور جسے چاہتا ہے پائی پائی کا محتاج بنا دیتا ہے۔

لیکن اللہ نے جسے خوش حال اور دولت مند بنایا ہے اسے اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اپنی دولت کا ایک حصہ میری راہ میں خرچ کیا کرو۔

آدمی کے پاس جو کچھ ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ انسان کی زندگی اور اس کا سارا اثاثہ سب کچھ اللہ کی بخشش ہے۔

اس بخشش کا شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ دیا ہے، وہ اس کو اللہ کے قدموں میں ڈال دے۔

اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اللہ کے سامنے خود سپردگی کی ایک علامت ہے۔

آدمی دنیا میں جو کچھ کماتا ہے اسی لیے کماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو ہاتھ اور دو پاؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے ہیں جن سے وہ عمل کرے۔اس کو آنکھ اور زبان دی ہے جن سے وہ دیکھے اور بولے،اس کو دماغ عطا کیا ہے جس سے وہ سوچے اور منصوبے بنائے۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی دنیا میں رکھا ہے جو پوری طرح اس کے تابع ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ انسان اس کو جس طرح چاہے اپنے کام میں لائے۔اگر ایسا نہ ہوتو انسان جسم ودماغ کی تمام صلاحیتیں رکھنے کے باوجود دنیا سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔

زمین میں ڈالا ہوا بیج اگر پودے کی شکل میں نہ اگے بلکہ پتھر کے ٹکڑے کی طرح زمین میں پڑا رہے تو انسان کے لئے زمین سے غلہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔

فطرت کی طاقتیں اگر اپنا مقررہ عمل ظاہر نہ کریں تو نہ بجلی پیدا ہو اور نہ کوئی سواری حرکت کرے۔

ذرا ہم ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ہمیں کھانے اور کمانے کے یہ مواقع کس نے فراہم کئے؟اگر ہم بیمار پڑ جاتے،خدانخواستہ کوئی مستقل مرض ہماری جان کو لگ جاتا،یا لنگڑے،لولے، لنجے،اندھے،کانے،مفلوج اور مجنون ہو جاتے تو ہمارا کیا ہوتا؟

کیا ہم نے کبھی سنجیدگی سے سوچا،ہمارے بوئے ہوئے بیج کو زمین سے کون اگاتا ہے؟ ان اگے ہوئے پودوں کو بار آور کون کرتا ہے؟انہیں تناور کون بناتا ہے؟ان تنوں میں ڈالیاں، ڈالیوں میں پتیاں،پتیوں میں پھول،پھولوں سے خوشے،خوشوں میں دانے،دانوں میں غذائیت اور جوہریت اور ایسی جوہریت جو پیٹ میں پہنچتے ہی بجلی کی طرح اعصاب میں روانی،دماغوں میں تازگی اور دلوں میں توانائی اور فرحت پیدا کردے،کون بخشتا ہے؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے ہمیں کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

بس بیج کو زمین میں ڈالنے کے ہم ذمہ دار ہوتے ہیں۔اب آگے قدرت ہی کا تو ہاتھ ہوتا ہے،جو مناسب اور متوازن ہوا،پانی،سردی،گرمی،روشنی،تاریکی،خشکی اور تری سے ان پودوں کو نوازتا رہتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں غلوں اور پھلوں کا انبار لا کر اکٹھا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان جو کمائی کرتا ہے وہ براہ راست اللہ کا احسان ہوتی ہے۔

اس احسان کا بدلہ یہ ہے کہ انسان اپنی کمائی ہوئی دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے،وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے اللہ کے کمزور بندوں کی مدد کرے اور اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق صرف کرے۔

جب آدمی اپنی دولت کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے پناہ اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

غور کیجئے، مال اسی کا دیا ہوا ہے اور اسی کے دینے سے ملا ہے مگر اسی کی دی ہوئی چیز کو اس کی راہ میں خرچ کرنے پر وہ بے انتہا انعام اور ثواب دیتا ہے۔

وہ کتنا بڑا غنی ہے؟ چنانچہ اس نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. ''جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔''

یعنی جس قدر خلوص اور جتنے گہرے جذبہ کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر زیادہ ہوگا۔

جو اللہ ایک دانہ میں اتنی برکت دیتا ہے کہ اس سے سات سو دانے اُگ جاتے ہیں، کیا اس کے لیے کچھ مشکل ہے کہ ہماری خیرات کو اسی طرح نشو و نما بخشے اور ایک روپے کے خرچ کو اتنی ترقی دے کہ اس کا اجر سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ ہو کر ہماری طرف پلٹے؟

اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا بیان ہوا ہے۔

ایک یہ کہ وہ فراخ دست ہے۔ اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ ہمارا عمل فی الواقع جتنی ترقی اور جتنے اجر کا مستحق ہو وہ نہ دے سکے، دوسرے یہ کہ وہ علیم ہے، بے خبر نہیں ہے کہ جو کچھ ہم خرچ کرتے ہیں اور جس جذبے سے کرتے ہیں ان سے وہ ناواقف رہ جائے اور ہمارا اجر ضائع ہو جائے۔

لیکن یاد رہے کہ مال کا خرچ خواہ اپنی جائز ضروریات کی تکمیل میں ہو، یا اپنے بال بچوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پرورش کرنے میں، یا اپنے اعزہ واقارب کی خبر گیری میں، یا رفاہِ عام کے کاموں میں، یا اشاعت دین اور جہاد کے مقاصد میں۔ بہر حال اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور خالص اللہ کی رضا کے لئے ہو تو اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہی ہوگا۔

ہر انسان اس دنیا میں ایک کامیاب انسان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ایک تاجر کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ بہترین تاجر بن جائے اور پوری مارکیٹ میں سب سے زیادہ اسی کا کاروبار چمکے۔ ایک سیاسی لیڈر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سیاسی میدان میں صرف اسی کا لوہا مانا جائے اور ملک کے اہم عہدے اسی کے لیے مخصوص رہیں۔

ایک کسان کے اندر اس بات کی تڑپ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ اپنے کھیت میں بوئے وہ ضائع نہ ہونے پائے اور اس سے اسے ہزاروں گنا زیادہ پیداوار ملے۔ ایک طالب علم یہ چاہتا ہے کہ اس کی سال بھر کی محنت اکارت نہ ہونے پائے اور بہر صورت وہ اپنے امتحان میں کامیاب ہو جائے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین مسلمان بنے۔ ایسا مسلمان جو کتاب وسنت کی تعلیمات کی عملی تصویر ہو۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا چلتا پھرتا نمونہ ہو، جس کی ایک ایک ادا سے اسلامیت ٹپکتی ہو، جس کا کردار بھی اسلامی ہو اور اخلاق بھی اسلامی ہو۔

جس طرح ایک کسان، ایک تاجر، ایک سیاست داں اور ایک طالب علم اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قابلیتیں اپنے پیشے کے فروغ اور اس کی ترقی میں صرف کر دیتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کو اپنی تمام تر صلاحیتیں اچھا مسلمان بننے میں صرف کر دینی چاہئیں۔

اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں ہے۔

ہر مسلمان اس زندہ حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک مومن اللہ تعالیٰ سے قریب اور جنت سے بھی قریب ہوتا ہے۔ لیکن کافر اللہ سے دور اور جنت سے بھی دور ہوتا ہے۔ جہاں مومن اللہ کو محبوب ہوتا ہے وہیں کافر اللہ کا مغضوب ہوتا ہے۔ ایک مومن اللہ کی رحمتوں کا مستحق ہوتا ہے تو دوسری طرف غیر مومن اللہ کے غضب اور عتاب کا حق دار ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک مومن اور ایک غیر مومن کے انجام میں یہ غیر معمولی فرق کیوں ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ایک مومن اس لیے جنتی ہے کہ اس کا نام مسلمان جیسا ہے اور ایک غیر مومن اس لیے جہنمی بن جاتا ہے کہ اس کا نام غیر اسلامی ہے؟

کیا ایک مومن اللہ کو اس لیے محبوب ہے کہ وہ مومن خاندان میں پیدا ہوا ہے، اور ایک کافر اس لیے اللہ کے عذاب وعتاب کا مستحق بن جاتا ہے کہ اس نے ایک کافر خاندان میں جنم لیا ہے؟

نہیں، کوئی شخص نام اور خاندان کی وجہ سے جزا اور سزا کا مستحق نہیں بنتا۔ ایک انگریز کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ انگریز ہوگا۔ ایک بدھسٹ کے گھر میں جنم لینے والا فرد بدھسٹ ہوگا مگر ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا شخص صرف اس لیے مسلمان نہیں ہوسکتا کہ اس کے ماں باپ مسلمان ہیں، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایمان لائے اور اسی کے مطابق زندگی بسر کرے۔

پیدائش سے آدمی کو نسب مل سکتا ہے، وطنیت مل سکتی ہے مگر دین نہیں مل سکتا جب تک آدمی اسے شعوری طور پر اور صحیح معنوں میں نہ اپنائے۔

کنعان حضرت نوح علیہ السلام جیسے پیغمبر کے نطفہ سے پیدا ہوا، مگر اپنی بدعملی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوگیا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر جیسے بت پرست اور بت فروش کے یہاں پیدا ہوئے مگر ایمان، عمل اور اپنی قربانی کی وجہ سے خلیل اللہ کا خطاب پانے کے مستحق بن گئے۔

لیکن اسلام پر صحیح معنوں میں چلنے اور مومن کامل بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔

دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے انسان کو بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً روٹی، کپڑا، مکان اور دوسرے تمام سامان ضروریات۔

لیکن وہ ان تمام چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے الگ الگ توجہ نہیں دیتا بلکہ اپنا سارا زور مال حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے۔

کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جب اسے مال مل جائے گا تو اسے ہر طرح کا سامان ضرورت مل جائے گا۔

اس لیے فطری طور پر انسان دولت سے بے تحاشہ محبت کرتا ہے۔ اسی دولت کو حاصل کرنے کے لیے وہ دن رات ایک کردیتا ہے، اسی مال کے لیے وہ اپنے ضمیر تک کو بیچ دینے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تامل نہیں کرتا، اسی دولت کو پانے کے لیے وہ ہر طرح کے جائز وناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے، اسی مال کے لیے وہ دوسروں کے جائز حقوق پر ڈاکے ڈالتا ہے، اسی کے لیے وہ اپنے عزیز وطن کے رازوں کو دشمن کے ہاتھ بیچ دینے میں عار نہیں محسوس کرتا ہے۔

اسلام نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ آدمی کے دل میں مال کی اتنی محبت نہ رہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر غالب آجائے اور ان کے احکام کی تعمیل میں رکاوٹ بنے۔

تاریخ اسلام کا ایک واقعہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے اپنی زر پرستی یا کاہلی یا بزدلی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک نہیں کہا اور اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے بارے میں تلقین کی کہ چوں کہ عرصۂ دراز سے ان کی گھٹی میں زر پرستی رچی اور بسی ہوئی ہے اور انہیں اپنی دولت وثروت سے شدید قسم کی محبت ہے اور یہ اپنے غرض کے بندے بن چکے ہیں، ان کے پیش نظر قوم کا اجتماعی مفاد نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنے برے انجام کی خبر ہے اس لیے یہ لوگ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے اور آپ کے ساتھ دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون سے گریز کرتے ہیں۔

اس لیے بہتر ہوگا کہ اب سے آپ بطور چندہ، یا صدقہ کی ایک معتد بہ رقم ان سے لیتے رہیں تاکہ مال کی محبت کسی طرح ان کے دلوں سے کم ہو اور اس وصول شدہ رقم سے آپ ان کے تزکیۂ اخلاق اور تزکیۂ نفس کا انتظام کریں۔ اور آئندہ سے انہیں اپنی نیک دعاؤں میں شریک کریں اور ان کی بہی خواہی کے لیے تدابیر سوچتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. ”اے نبی! تم ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ۔ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیوں کہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے اور سننے والا ہے۔“

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا سب سے بڑا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائدہ یہ ہے کہ دولت اور ثروت اکٹھا ہونے سے جو گندگی انسان کے ذہن و دماغ میں پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کا تعلق تقریباً منقطع ہو جاتا ہے تو اس عمل کی بدولت وہ گندگی دور ہوتی رہتی ہے۔

جب آدمی اپنے گاڑھے پسینے سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ کے نام پر اور اس کی رضا کے لیے خرچ کرے گا تو اس کے دل میں دنیا کی وہ محبت باقی نہیں رہے گی جس میں گرفتار ہو کر وہ ہر طرح کے فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ پر بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ. ''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہوگا۔''

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نیکی کی اصل روح محبت الٰہی ہے، ایسی محبت کہ انسان کو رضائے الٰہی کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔

جس چیز کی محبت بھی انسان کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے اللہ کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو، بس وہی بت ہے اور جب تک انسان اس بت کو نہ توڑ دے تب تک نیکی کے دروازے اس کے لیے بند ہیں۔

اپنے مال و دولت کو صندوق اور تجوریوں میں ڈالے رکھنا اور زندگی کی جائز ضروریات اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ایک عظیم اور سنگین معاشی اور سماجی جرم ہے۔

آخرت میں جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہوگا ہی، اس جرم سے خود یہ دنیا بھی جہنم میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ قرآن نے بتایا کہ دیکھو وہ افراد اور قومیں جنھیں اللہ نے انواع و اقسام کی نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، اس خیال خام میں مگن نہ رہیں کہ ان خداداد نعمتوں اور صلاحیتوں کو سمیٹ کر رکھ لینا اور کسی کو ان سے مستفید نہ ہونے دینا ایک اچھا کام ہے بلکہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حرکت ان کے حق میں بہت مضر ثابت ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامت کے دن یہ خداداد نعمتیں ان کے گلے کا طوق بن جائیں گی اور انہیں ان کا سخت ترین حساب دینا ہوگا۔

قرآن مجید کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. ''جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں مگن نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے، نہیں، یہ بخیلی ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔''

سورۂ ہمزہ میں یوں بیان کیا گیا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ. الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ. يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ. كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ. ''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ اور پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ (جہنم) میں پھینک دیا جائے گا۔''

یعنی دنیا کے وہ لوگ جو اپنے آپ کو ہر عیب اور نقص سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں میں ان کو عیب ہی عیب نظر آتا ہے اور دولت سمیٹ کر گن گن کر رکھنا ان کے شب و روز کے مشغلے میں شامل ہے۔ اور ان کے دل و دماغ میں یہ خیال خام بیٹھا ہے کہ یہ دولت ان کے پاس ہمیشہ یوں ہی رہے گی اور اسے زوال نہیں آتا ہے، تو وہ یاد رکھیں کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب کہ ان کی دولت اور خود ان کو بھی ردی کھاتے کی طرح اس جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس میں ہر چیز پہنچتے ہی چکنا چور ہو جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ میں یہ حکم دیا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ. ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے (میری راہ میں) خرچ کیا کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش چلے گی۔"

اسی سورۃ میں خبر دار کیا گیا:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ. "اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورۂ توبہ میں اسے اللہ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بتاتے ہوئے فرمایا گیا:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَا اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ. "اور انہیں بدویوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے یہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں، وہ ضرور ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔"

سورۂ انفال میں اسے سچے اہل ایمان کی خصوصیت بتاتے ہوئے ارشاد ہوا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ. اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. "سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔"

سورۂ حج میں ایمان والوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان ہوا:

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ. اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. "اور اے نبی! بشارت دے دو عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو، جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں خرچ سے مراد ہر طرح کا خرچ نہیں ہے بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات کو پوری کرنا، رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینا اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی قربانی دینا مراد ہے۔

اسراف:

بے جا خرچ، عیش وعشرت اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی پر خرچ اور ریاکارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے ''انفاق'' کہا جائے بلکہ یہ اسراف اور تبذیر ہے۔

اور اس طرح ناجائز خرچ کرنے والوں کو قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں سخت تنبیہ کی گئی ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. ''بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا نافرمان ہے۔''

مال کا فضول خرچ کرنا اتنا برا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے۔ آخر کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان دنیا میں بدکاری اور گناہ پھیلاتا ہے اور بے جا خرچ کرنے والا شیطان کو اس کام میں مدد دیتا ہے۔

آج کے دور میں ناچ، باجہ، عیاشی، شراب نوشی، تھیٹر، سینما، ٹیلی ویژن اور اس قسم کے جتنے کام ہیں سب ان ہی بے جا خرچ کرنے والوں کے دم سے قائم ہیں۔

اگر یہ لوگ ارادہ کرلیں کہ فضول خرچی سے بچیں گے تو چند ہی دنوں میں گناہوں کی بستیاں اجڑ جائیں گی۔

اس کے علاوہ فضول خرچی کرنے والا عام طور پر مفلس اور محتاج ہوجاتا ہے۔

اور جب اس کے پاس خرچ کے لیے روپیہ نہیں رہتا تو وہ طرح طرح کی شرارتوں، دغابازیوں، مکروفریب اور چوری ڈکیتی سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی دنیا و آخرت برباد کرتا ہے۔

اور یہ افراد ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ جب کوئی حکومت اپنے اخراجات آمدنی سے زیادہ بڑھا لیتی ہے اور اپنے بجٹ میں کفایت شعاری کو مدنظر نہیں رکھتی تو اس کی تباہی بھی یقینی ہوجاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر دنیا کی کوئی سلطنت اس کا لحاظ نہ کرے تو وہ باقی نہیں رہ سکتی، کوئی قوم اس کو نظر انداز کردے تو وہ خواہ کتنی ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، فوراً اس کا زوال شروع ہو جائے گا، کوئی خاندان اس پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کی تباہی یقینی ہے۔ کوئی بھی شخص اگر اس کا خیال نہ رکھے تو اس کی زندگی کامیابی اور خوشی کے ساتھ نہیں گذر سکتی۔

لیکن یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ روزہ مرہ کی زندگی میں، شادی بیاہ میں، رسم ورواج میں، ریا ونمود کے کاموں میں، ٹھاٹ باٹ اور شان وشوکت کی زندگی بسر کرنے میں جتنی فضول خرچیاں مسلمانوں میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں ہیں۔

یہ تو تھا اجمالی طور پر اسراف کا بیان۔ اب آیئے اصل موضوع یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی طرف۔

قرآن مجید جو رشد وہدایت کی کتاب ہے اس کے بارے میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ. ''یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔''

متقی کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ. ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔''

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ. ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔''

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. ''اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (میری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

یعنی جو شخص بلا دیکھے ایمان نہ لائے، جو شخص نماز کا پابند نہ ہو اور جو شخص زر پرست اور ایسا تنگ دل ہو کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہوتا ہو، ایسے لوگ قرآن سے ہدایت نہیں پا سکتے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا:

اَيُّكُمْ مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهٖ. ''تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو۔''

لوگوں نے عرض کیا: ''ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔"

آپؐ نے فرمایا: اِعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. "سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

لوگوں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہمارا حال واقعی یہی ہے۔"

اس پر آپؐ نے فرمایا: اِنَّمَا مَالُ اَحَدِكُمْ مَاتَقَدَّمَ "تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لیے بھیج دیا۔"

وَمَالُ وَاُرِثِهِ مَا اَخَّرَ. "اور جو کچھ تم نے روک رکھا ہے وہ تو وارث کا مال ہے۔"

چوں کہ اللہ رب العالمین اس رقم یا چیز کو، جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرے، کئی گنا زیادہ انعام کے ساتھ واپس کرنے کا وعدہ فرماتا ہے، اس لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. "تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے، گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔"

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. "اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے اللہ کو قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیوں کو تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔"

سورۂ تغابن میں ارشاد ہوا:

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ.

"اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر کے واپس کرے گا اور تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاف کردے گا، وہ بہت بڑا مہربان اور بردبار ہے۔"

سورۂ حدید میں بیان ہوا:

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ۔ "بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے اجر کو دوگنا کردے گا اور ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔"

سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا۔ "اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو، جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے، وہی بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔"

جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ قرض دیتا ہے اور وعدہ فرماتا ہے کہ ہم نہ صرف اصل ادا کریں گے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ دیں گے۔

البتہ شرط یہ ہے کہ وہ ہو قرض حسن۔

یعنی اپنی کسی نفسانی غرض کے لیے نہ دیا جائے محض اللہ کی خاطر ان کاموں پر صرف کیا جائے جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔

لیکن جب آدمی اپنا مال خرچ کرے گا تو اس کے مال میں ضرور کمی ہوگی۔

مثلاً کسی کے پاس دس ہزار روپے ہیں اور اس میں سے اس نے ڈھائی سو روپے اللہ کی راہ میں خرچ کردیے تو یقیناً اس کی رقم دس ہزار سے گھٹ کر نو ہزار سات سو پچاس رہ جائے گی۔

لیکن مسلمان اگر اس طرح کا احساس اپنے دل میں پیدا کرے تو یہ ایمان کی کمی کی علامت ہے۔

کیوں کہ بظاہر دولت گھٹتی ہے۔ لیکن حقیقتاً اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ دوسرے راستے سے اس سے کہیں زیادہ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ انفال میں وعدہ فرمایا ہے:

وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ "اور اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔"

سورۂ سبا میں ارشاد ہوا:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ. "اے نبی! ان سے کہو، میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ بھی فرمایا کہ تم میری راہ میں خرچ کرنے سے کیوں کتراتے ہو؟ بخالت اور کنجوسی سے کیوں کام لیتے ہو؟ دیکھو!

اگر تمہیں اس بات کا ڈر لگا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے محتاج اور مفلس ہو جاؤ گے تو بظاہر تمہارا حال یہی ہوگا لیکن زیادہ دن نہیں گذرنے پائیں گے کہ اللہ تم کو اپنی مہربانی سے پھر نواز دے گا۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا:

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ. "اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ اگر چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

ترمذی کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین باتیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں، مال خیرات کرنے سے کم نہیں ہوتا، مظلوم جب صبر کرتا ہے تو اللہ کے نزدیک اس کا مقام اور بلند ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے لیے سوال کا دروازہ کھول لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص حلال کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ حلال کمائی ہی کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ صدقہ دینے والے کے لیے اسے پالتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برابر ہو جاتا ہے۔"

بخاری میں حضرت عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صدقہ اللہ کے غضب کو کم کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے: "صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے۔"

مشکوٰۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صدقہ دینے میں جلدی کرو، صدقہ مصیبتوں اور بلاؤں کے لیے ڈھال ہے۔"

مسند احمد میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے:

"صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹاتا ہے جس طرح پانی آگ کو۔"

منتخب کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے:

ایک واقعہ:

ایک بار ان کے پاس ایک سائل آیا۔ انہوں نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اپنی ماں سے ایک درہم لے آؤ۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ کے پاس گئے اور واپس آکر بتایا کہ اماں کہتی ہیں کہ گھر میں صرف چھ درہم ہیں جو آٹا منگوانے کے لیے رکھے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جاؤ وہ سب درہم لے آؤ اور اپنی ماں سے کہہ دو کہ وہ اپنے دینار و درہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ پھر یہ دونوں حضرات گھر کے تمام درہم لے آئے اور حضرت علیؓ نے انہیں سائل کو دیدیے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اونٹ بیچنے کے لیے حضرت علیؓ کے پاس آیا۔ آپؓ نے اس کا اونٹ ایک سو چالیس درہم میں ادھار خرید لیا۔ کچھ دیر کے بعد پھر ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میرا ہے۔ پھر کچھ بات چیت کے بعد اس نے وہ اونٹ حضرت علیؓ سے دو سو درہم میں خرید لیا۔

حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک سو چالیس درہم اس شخص کے حوالے کر دیے جس سے انہوں نے اونٹ ادھار خریدا تھا۔ اور باقی ساٹھ درہم حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچا دیے۔

حضرت فاطمہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ ساٹھ درہم کہاں سے آئے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے تحت، کہ ایک کے بدلے کم از کم دس گنا ملتا ہے، ہم نے اس کی راہ میں چھ درہم خرچ کیے اور اس نے ہمیں ان کے بدلے ساٹھ درہم عطا فرمائے۔

لیکن اللہ کی راہ میں وہی شخص مال خرچ کرے گا جسے اللہ پر کامل ایمان اور اس کے وعدوں پر پورا یقین ہو۔

جیسے ایک کسان اپنا قیمتی بیج زمین میں ڈالتا ہے۔ آخر وہ اپنا عزیز ترین سرمایہ خاک میں کیوں ملا دیتا ہے؟

اسی لیے نا کہ اسے یقین ہے کہ ایک بیج سے ہزاروں دانے ملیں گے۔ یہی یقین اسے اپنا قیمتی سرمایہ زمین میں ضائع کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔

چند واقعات:

غزوہ تبوک (۹ھ) کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مالی قربانی کے لیے کہا۔ لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق لائے اور آپؐ کے حوالے کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کے سامان کا نصف حصہ لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا لائے اور آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔

آپؐ نے پوچھا: ''ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو۔؟''

انہوں نے جواب دیا: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چھوڑ آیا ہوں۔''

اسی طرح تمام مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں دو سو اونٹ تھے اس کے علاوہ دو سو اوقیہ (تقریباً انتیس کلو) چاندی تھی، آپؓ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔

اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کر دیا۔

اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔''

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے پھر صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں تک جا پہنچی۔

ادھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسو اوقیہ چاندی لے آئے۔ حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ بھی کافی مال لائے۔

حضرت عاصمؓ بن عدی نوے وسق (تقریباً ساڑھے تیرہ ٹن) کھجور لے آئے۔

بقیہ صحابہؓ بھی پے درپے اپنے کم یا زیادہ صدقات لائے۔

صحابیہ عورتوں نے بھی اپنے زیورات بے دریغ اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا فرمائے گا۔''

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مدینہ آیا۔

اس قافلے میں ایک ہزار اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔ جب مدینہ کے تاجروں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ صبح ہوتے ہی وفد کی شکل میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

''مدینہ میں غلہ کی قلت کی وجہ سے لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں، آپ کے پاس شام سے آیا ہوا غلہ ہم خریدنا چاہتے ہیں تاکہ اسے مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچایا جا سکے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ لوگ مجھے شام کی خریداری پر کتنا نفع دیں گے؟''

تاجروں نے کہا: ''دس درہم پر بارہ درہم۔'' یعنی جو مال آپ نے دس درہم میں خریدا ہوگا ہم اسے بارہ درہم دے کر خرید لیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔''

تاجروں نے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر چودہ درہم دیں گے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے جواب دیا: ''مجھے اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے۔''

تب تاجروں نے آخری دام لگاتے ہوئے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر پندرہ درہم دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے میرے مال کا دس گنا نفع مل رہا ہے اس لیے میں اس کے ہاتھ بیچوں گا جو مجھے اتنا غیر معمولی نفع دے رہا ہے۔''

تاجروں نے حیران ہوکر پوچھا: ''ابھی آپ کا مال شام سے آیا ہے اور مدینہ کے تاجر یہاں موجود ہیں پھر ہم سے زیادہ قیمت کون دے رہا ہے؟''

انہوں نے کہا: ''میرا اللہ قرآن پاک میں فرماتا ہے، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. ''جو شخص ایک نیکی کے ساتھ آئے اس کے لیے دس گنا اجر وثواب ہے۔''

تم لوگ مجھے ایک کا ڈیڑھ دے رہے ہو اور اللہ کے یہاں مجھے ایک کا دس ملے گا، اس لیے اے تاجرو! تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے یہ تمام غذائی سامان مدینہ کے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیا۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ..... الخ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تم نیکی نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، اور مجھ کو سب سے زیادہ بیرحاء باغ پیارا ہے، لہٰذا میں اسی کو اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھ کو اس کا اجر دے گا۔ لیجئے آپ اسے جس کام میں مناسب سمجھیں صرف کریں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واہ وا، یہ تو بڑی آمدنی کی مال ہے، بڑے فائدے کا مال ہے۔''

مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہاں کا پانی ان کو پسند نہیں آتا تھا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک کنواں تھا جس کو بیئر رومہ کہا جاتا تھا۔ مہاجرین کو اس کا پانی بہت پسند تھا۔

اس کا مالک ایک مشک پانی ایک مد (چوتھائی صاع) کے عوض بیچتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: ''اس کنویں کو جنت کے ایک چشمہ کے عوض بیچ دے۔''

اس آدمی نے کہا: ''میرے اور میرے عیال کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، اس لیے میں نہیں دے سکتا۔''

اس صورت حال کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے بیر رومہ کو ۳۵ ہزار درہم دے کر خرید لیا۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: ''یا رسول اللہ! کیا اس کنویں کے عوض میرے لیے بھی جنت کا چشمہ ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی ایک خصوصی شکل ہے جسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہ بشرط نصاب فرض ہے۔

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ایمان کے بعد دو اعمال صالح کا ذکر آتا ہے۔ ایک نماز کا دوسرے زکوٰۃ کا۔

ایک معیاری اور کامل مومن کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ.

''بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔''

زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے ہر سال ایک مقررہ رقم عام طور پر ڈھائی فیصد، اللہ کے نام پر نکالی جائے۔

یہ زکوٰۃ ایک قسم کی سالانہ یاددہانی ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ آدمی اپنے مال کو اللہ کا مال سمجھے، اپنی کمائی میں اللہ کے حق کو تسلیم کرے۔

اس معاملہ میں زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ تاہم کم سے کم حد مقرر کر دی گئی ہے۔

قانونی زکوٰۃ کی صورت میں آدمی ہر سال کم از کم اللہ کا حق نکالتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ضروریات میں صرف کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس خرچ میں مسلمان کو نہ تو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس کو دوسروں پر احسان سمجھے اور نہ اس کو ایسا کرنا چاہیے کہ پانے والوں کو ذلیل کرے۔

اس کو اس جذبہ کے ساتھ دینا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہوا دوسروں کا حصہ ہے، وہ اس کو حق داروں کی طرف لوٹا رہا ہے۔

وہ اس لیے دوسروں پر مہربانی کرے تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر مہربانی کرے۔ وہ اس لیے دے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں محروم نہ کرے، وہ دوسروں کی مدد اس لیے کرے تا کہ وہ اللہ کی مدد کا مستحق بن جائے۔

زکوٰۃ ان ذمہ داریوں کی ایک علامت ہے جو ایک آدمی کو دوسرے انسانوں کے درمیان ادا کرنا ہے۔ وہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کا حق پہچانے، ہر انسان دوسرے انسان کے لیے دردمند ہو۔

یہ جذبات یہاں تک ترقی کریں کہ آدمی خود اپنی چیز تک میں دوسرے کا حصہ سمجھنے لگے، دوسرے سے کوئی معاوضہ نہ ملتے ہوئے بھی وہ اس کی عزت کا نگہبان ہو، دوسرے رشتہ اور دوستی کا تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اس کا خیر خواہ ہو۔ زکوٰۃ آدمی کو ایک طرف یہ سبق دیتی ہے کہ اس کی ہر چیز اللہ کا عطیہ ہے۔ تو دوسری طرف اس کو یہ احساس دلاتی ہے اگر تم اللہ کے بندے ہو تو تم کو معاشرہ کے اندر بے درد اور خود غرض بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ تمہاری کمائی میں دوسروں کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔

نماز اور زکوٰۃ ہر زمانے میں دین اسلام کے اہم رکن رہے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. ''اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔''

بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں، سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ. ''یاد کرو، بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔"

زکوٰۃ کی تاکید کرتے ہوئے سورۂ حٰمٓ میں ارشاد ہوا:

وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ.

"ہلاکت اور بربادی ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔"

اس آیت کریمہ نے یہ بات صاف کر دی کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنا شرک اور انکار کی ایک فیصلہ کن علامت ہے۔

دوسری طرف سورۂ اعراف میں یہ بتایا گیا:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ. "سو میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو میرا تقویٰ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جن کا ہماری آیتوں پر ایمان ہے۔"

اس آیت میں زکوٰۃ دینے کو تقویٰ اور ایمان کی قطعی شہادت ٹھہرایا گیا ہے۔

اس طرح یہ دونوں آیات ایک ہی حقیقت کا انکشاف کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ زکوٰۃ بھی ایمان کا ایک لازمی مظہر ہے۔

یعنی جہاں ایمان ہوگا وہاں زکوٰۃ بھی ضرور ادا ہوتی ہوگی۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جسے مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں، جس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے ہوں گے، اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا "میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔"

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دنیا میں جن اونٹوں کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو (قیامت کے دن) خوب موٹے تازے ہو کر آئیں گے اور اپنے مالک کو پاؤں سے روندیں گے۔ اور اسی طرح بکریاں بھی جن کی زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو، اپنے مالک کو کھروں سے روندیں گی۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنز العمال میں حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی مال تلف نہیں ہوتا نہ خشکی میں نہ تری میں، مگر زکوٰۃ نہ دینے سے، پس تم زکوٰۃ دے کر اپنے مالوں کی حفاظت کیا کرو۔''

قرآن مجید نے جب مسلمانوں کو مشرکین سے جنگ کا آخری حکم دیا تو فرمایا کہ اب تمہیں اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھنا ہے جب تک ان دشمنان اسلام کا قصہ پاک نہ ہو جائے، یا پھر وہ اس دین کو قبول نہ کر لیں جسے انہیں سمجھانے میں ایک لمبی مدت صرف ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بتاتے ہوئے کہ ان سب کا اسلام کب معتبر سمجھا جائے گا اور اس بنا پر ان کے خلاف جنگی کاروائیاں ختم ہو جائیں گی، سورہ توبہ میں بتایا گیا:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ. ''پس اگر یہ لوگ کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

اسی سورۃ میں آگے چل کر پھر فرمایا گیا:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ. ''سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اب وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے۔''

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کر لینے پر معاملہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ عملاً انہیں نماز قائم کرنی ہوگی اور زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اس کے بغیر یہ نہیں مانا جائے گا کہ انہوں نے کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔

اللہ کے کلام کی یہ صریح ہدایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ کسی غیر مسلم کا مسلمان قرار پانا کلمہ شہادت کے ادا کرنے کے بعد بھی دو باتوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ وہ نماز قائم کرے، دوسرے یہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے۔

جب تک کہ وہ ایسا نہیں کرتا، اس کا مسلمان ہونا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ. ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان (اہل عرب) سے جنگ کرتا رہوں۔''

حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. ''یہاں تک کہ وہ اللہ ہی کے معبود اور محمد کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دے دیں۔''

وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ. ''اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِذَا فَعَلُوْهُ عَصَمُوْا مِنِّی دِمَائَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ حِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ. ''جب وہ ایسا کر لیں گے تو اسی وقت سے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ پا سکیں گے اور اس کے بعد ان کا حساب لینا اللہ کا کام ہے۔''

صرف یہی نہیں کہ اسلام کے کسی منکر کا مسلمان ہونا ادائے زکوٰۃ کے بغیر معتبر نہ سمجھا جائے گا بلکہ جو لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں، وہ بھی اگر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو آپؓ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور جب کچھ صحابہؓ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس اقدام کے درست ہونے میں تردد کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ. ''اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے یہ فتنہ برپا کیا تھا ان میں کا ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم اسلام کے منکر نہیں ہیں، ہم نماز بھی پڑھتے ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔

صحابہ کرامؓ کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جا سکتی ہے؟

مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی سورۂ توبہ کی آیت (فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ. ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔'') کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ہمیں تو ان لوگوں کے چھوڑ دینے کا حکم صرف اس صورت میں دیا گیا تھا جب کہ یہ شرک سے توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

پھر جب تین شرطوں میں سے یہ ایک اڑا دیتے ہیں تو پھر ہم انہیں کیسے چھوڑ دیں؟

پھر انہوں نے فرمایا:

اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَ اَنَا حَیٌّ. ''کیا میرے ہوتے ہوئے دین کی اس طرح پامالی ہوگی۔''

اس استدلال سے تمام صحابہؓ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے پورا پورا اتفاق ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی جان اور اس کا مال اسی وقت تک قابل احترام ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تک وہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہے۔

اگر کوئی شخص نماز کے حکم پر تو عمل کرتا ہے مگر زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا اور اس طرح دونوں کی حیثیتوں میں فرق کرتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو نماز نہ ادا کرنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دین کے احکام کی اصولی تقسیم کی جائے تو ان کی دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک قسم ان احکام کی ہوگی جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے۔ دوسری قسم ان احکام کی ہوگی جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ نماز حقوق اللہ کا اور زکوٰۃ حقوق العباد کا مغز اور جوہر ہے۔

قرآن مجید نے مختلف موقعوں پر بالخصوص نماز اور زکوٰۃ کی اسی لیے تاکید کی ہے۔ اگر ایک شخص نے مسجد میں نماز کا حق ادا کر دیا تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہی شخص مسجد سے باہر آ کر اللہ کے حقوق بھول جائیگا۔

اسی طرح جس نے زکوٰۃ ادا کر دیا اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت کرے گا۔

جو شخص اپنے بھائیوں، پڑوسیوں، غریبوں، مسکینوں محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور مجبوروں پر اپنی گاڑھی کمائی خود اپنی خوشی سے صرف کرے گا اور صرف کر کے ان کو اپنا احسان مند بنانے کے بجائے الٹا ان ہی کا شکر گذار ہوگا، تو ان کا ایک ایک حق ادکیے بغیر اسے کیسے چین آئے گا؟

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص صاحب نصاب ہونے کے باوجود اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتا وہ ایک طرف اپنے مالک حقیقی کا حق ادا نہیں کرتا کیوں کہ مال کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ اس کے حکم سے سرتابی کرتا ہے۔

تو دوسری طرف وہ اللہ کے بندوں کے حقوق بھی مار لینے کا مجرم ہوتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ دین کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچاتا ہے کیوں کہ دین کے بہت سے کام زکوٰۃ اور صدقات ہی سے انجام پاتے ہیں۔

اسی لیے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں زکوٰۃ دینے والوں کی سزا کو رونگٹے کھڑا کر دینے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے انداز میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ. ''اور جو لوگ سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔''

دولت مندی ایک کڑی آزمائش، بلکہ ایک خطرناک فتنہ ہے۔ اور عام طور پر بدترین انجام کا سبب بنتی رہتی ہے۔

اس برے انجام سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو اپنی دولت کو اللہ کے محتاج بندوں پر اور دینی کاموں میں بے دریغ خرچ کریں۔

بخاری کی روایت ہے۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم یہی لوگ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔'' پوچھا گیا: ''یہ کون لوگ ہیں؟'' فرمایا: ''یہ دولت کے ڈھیر رکھنے والے ہیں، ان میں سے صرف وہی لوگ اس وبال سے محفوظ رہیں گے جو اپنی دولت اللہ کی راہ میں برابر اور بے تکان دیتے رہتے ہیں اور ایسے لوگ زیادہ نہیں ہوتے۔''

مقاصد زکوٰۃ:

زکوٰۃ کا حقیقی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کا دل دنیا کی حرص سے پاک رہے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے تیار رہے۔

اس حقیقت کو قرآن مجید کی سورۂ لیل میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى. الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى. ''اور اس (جہنم) سے دور رکھا جائے گا وہ شخص جو اللہ سے بہت ڈرنے والا ہے جو اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے محض پاک ہونے کے لیے۔''

سورۂ توبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا. ''اور ان کے مالوں میں سے صدقہ لو، جس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعہ انہیں پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ صدقہ وزکوٰۃ کی اصل غرض وغایت نفس کا تزکیہ اور دل کی پاکی ہے۔

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ دنیا کی محبت ہی وہ چیز ہے جو خدا پرستی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

یہ چیز انسان کو اللہ، اس کے رسولؐ اور آخرت سے بے توجہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ. "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

دنیا میں انسان کے پاس بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اور انسان کو ان سے تعلق اور لگاؤ بھی ہوتا ہے لیکن ان چیزوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور خطرناک محبت مال کی محبت ہوتی ہے۔

اسی لیے ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فِتْنَۃُ اُمَّتِیَ الْمَالُ. "میری امت کا فتنہ مال ہے۔"

اس لیے انسان اگر اپنے آپ کو مال کی محبت کی گرفت سے بچا لے تو اسے دوسری تمام چیزوں کی محبت سے نجات مل جائے گی۔

اور دنیوی پھندوں سے اس کا آزاد ہو جانا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

جب آدمی دنیوی بندھنوں سے آزاد اور پاک ہو جائے گا تو اس کے لیے رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کی طرف بڑھنا اور اچھے اعمال کی طرف راغب ہو جانا آسان ہو جائے گا۔

لیکن وہی زکوٰۃ، زکوٰۃ ہے جسے قرآن و حدیث کے مطابق ادا کیا جائے۔ یعنی مقررہ مقدار میں نکالی جائے اور اس کے لئے سچی نیت اور عملی اہتمام بھی ہو۔

قرآن مجید نے اس سلسلے میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہیں۔ مثلاً

سب سے اہم اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت صرف رضائے الٰہی کی طلب ہی اس کا محرک ہو کسی اور جذبے یا خواہش کا اس میں دخل نہ ہو۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ. "تم اپنی دولت صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہو۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہو۔'' کا مطلب قطعی طور پر یہ ہے کہ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

قرآن مجید نے سچے اور معیاری مومن کی پہچان بتاتے ہوئے جگہ جگہ اس بات کو دہرایا ہے کہ وہ زکوٰۃ اور صدقے صرف اللہ کی رضا کے لئے دیتے ہیں۔

مکی زندگی میں یارِ غار رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ مکہ میں جن بے کس غلاموں اور لونڈیوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اس قصور میں ان کے آقا ان پر ناقابل برداشت مظالم ڈھاتے تھے، ان کو خرید خرید کروہ آزاد کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے بے تحاشا ظلم وستم سے بچ جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس طرح غریب غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر روپیہ کرتے دیکھ کر ان کے والد نے ان سے کہا۔

''بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور اور بے کس لوگوں کو آزاد کرا رہے ہو۔ اگر تم مضبوط اور طاقتور جوانوں کو آزاد کراتے تو وہ تمہارے لیے مضبوط سہارا بنتے۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابا جان! میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے یہاں ہے۔''

بخاری شریف کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ. ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

انسان بڑی سے بڑی نیکی کرے، لاکھوں روپے غریبوں اور مسکینوں میں لٹا دے، یتیموں اور بیواؤں کے لیے ماہانہ وظیفے مقرر کردے، بڑے بڑے ادارے قائم کرے، عالیشان مسجدیں تعمیر کرائے لیکن اس قسم کے اعمال خیر سے اگر اس کا مقصد ریا کاری یا دنیا کے کسی فائدے کا حصول ہے تو اس طرح کے اعمال اللہ کے یہاں نہ صرف ضائع کر دیئے جائیں گے بلکہ یہی اعمال اس کے لیے وبال بن جائیں گے۔

اس طرح کے ریاکارانہ صدقہ وزکوٰۃ کو حدیث میں شرک بتایا گیا ہے۔

مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ. ''جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حشر کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بلائے گا جو شہید ہوا تھا۔ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور پوچھے گا کہ تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: ''یا اللہ! میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ تیری راہ میں شہید ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جہاد محض ناموری، شہرت اور لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا جو تجھے دنیا میں مل گئیں۔ اب تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے۔'' پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک ریاکار عالم کو بلایا جائے گا، اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے اور کہا جائے گا، تو نے علم کو اس لیے پھیلایا تھا تاکہ تو دنیا میں عالم، مقرر، خطیب اور واعظ کہلائے، یہ سب کچھ تجھے دنیا میں مل گیا۔ اب یہاں تیرے لیے سوائے دوزخ کے کچھ نہیں ہے۔ پھر اسے بھی جہنم کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

پھر ایک سخی کو بلایا جائے گا جس نے اللہ کی راہ میں بے شمار دولت خرچ کی ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا کہ تو نے مال و دولت اس لیے خرچ کیا تھا تاکہ دنیا تجھے سخی اور مخیّر کہے۔ تو جو چاہتا تھا وہ تجھے دنیا میں مل گیا۔ اب آخرت میں تیرا کچھ نہیں ہے۔ پھر اسے بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کے نام پر اپنی جانیں قربان کر دیں، جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت میں صرف کر دی، جنھوں نے اللہ کے نام پر بے دریغ اپنے مالوں کو خرچ کیا مگر ریا و نمود کے جذبے کے تحت، اس لیے ان کے یہ سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

ریاکارانہ جذبے سے دی جانے والی زکوٰۃ اور خیرات کس طرح ضائع ہو جاتی ہے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اسے ایک نہایت ہی لطیف مثال کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا. ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملاؤ، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔"

اس سے آگے آنے والی آیت میں ان لوگوں کی محرومی کا تمثیلی انداز میں بیان ہے جو اپنے مالوں کو صرف دنیا ہی کی تعمیر اور ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ. "کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو، نہروں سے سیراب، کھجوروں، انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا اور عین اس وقت وہ ایک تیز بگولے میں آ کر جھلس جائے، جب کہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے کم سن بچے ابھی کسی لائق نہ ہوں۔"

جو شخص اپنی کمائی کو صرف دنیوی عیش و آرام کا ذریعہ سمجھ کر اسے صرف دنیا کے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ ایسا شخص جب آخرت کی زندگی میں قدم رکھے گا، تو وہاں پہنچ کر اسے یکا یک معلوم ہوگا کہ اس کی پوری زندگی کی کمائی کی یہاں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ کمایا ہے وہ دنیا ہی میں رہ گیا، وہ آخرت کے لیے کچھ کما کر لایا ہی نہیں کہ اس کا پھل کھا سکے، اسے وہاں کوئی موقع ہی نہیں مل سکے گا کہ از سر نو اب آخرت کے لیے کمائی کرے، کیوں کہ آخرت کے لیے کمائی کرنے کا جو بھی موقع ہے، اسی دنیا میں ہے۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں جہاں نیت میں خلوص کا ہونا ضروری ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کسی صورت میں بھی لینے والے پر احسان نہ جتائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ دہر میں اپنے مخلص بندوں کا حال یہ بتایا ہے:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا. "اور یہ لوگ اپنا کھانا محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں، دراں حالیکہ وہ خود انہیں اپنے لیے محبوب ہوتا ہے (اور ان سے زبان حال یا زبان قال سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، تم سے کسی بدلے یا شکر گذاری کے خواہش مند نہیں ہیں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر مسلمان اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ ایک دن وہ میدان حشر میں اس حالت میں کھڑا ہوگا کہ دینے کی سب چیزیں اللہ کے اختیار میں ہوں گی اور وہ ہمہ تن محتاج بنا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہوگا۔

یہ احساس اسے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ وہ اللہ سے اپنے لیے چاہتا ہے وہی وہ دوسروں کے لیے بھی بنے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، مومن کے لیے ایک عملی دعا ہوتی ہے۔ یہ جذبہ اگر صحیح طور پر موجود ہو تو دینے والے کو کبھی یہ احساس نہ ہوگا کہ وہ کسی پر احسان کر رہا ہے۔

کیوں کہ وہ جو کچھ دے رہا ہے اللہ کے لیے دے رہا ہے، پھر اس کا احسان کس کے اوپر ہے؟

وہ جس کو دے گا اسے اپنے سے کمتر نہیں سمجھے گا اور زبان سے اس کی دل آزاری کا کوئی کلمہ نہیں نکالے گا۔

نصاب زکوٰۃ:

زکوٰۃ نصاب کی شرط کے ساتھ فرض ہے۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی (چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا اینٹ یا سکے کی شکل میں) یا اس کی قیمت کے سکے اور نوٹ ہوں (چاہے وہ گھر کی تجوریوں میں ہوں یا بینک میں) تو ان پر ہر سال ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔

یہی مسئلہ تجارتی مالوں کا بھی ہے۔

زرعی پیداوار کا نصاب پانچ وسق ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ڈھائی کلو کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے پانچ وسق کی مقدار تقریباً ساڑھے سات کنٹل ہوئی۔

پس جب ایک قسم کا غلہ اس مقدار تک پہنچ جائے تو اس میں اس حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی کہ اگر وہ فصل بارش، چشموں یا از خود نکلنے والے پانی سے سیراب ہوئی ہو تو اس میں سے پورے پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر کنویں اور نہر وغیرہ کی سینچائی سے پیدا ہو تو پورے پیداوار کا بیسواں حصہ۔

اور اگر اس سے کم پیداوار ہوئی ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

کسی کو اگر مال دفینہ مل جائے تو اس میں پانچواں حصہ (بیس فیصد) زکوٰۃ فرض ہے۔ مال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر جب پورا ایک سال گذر جائے تب زکوٰۃ فرض ہے۔

اگر سال کے اندر مزید مال جمع ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک جمع ہونے کی تاریخ سے لے کر پورا سال نہ گذر جائے۔ اور نصاب کو نہ پہنچ جائے۔

کسی کا وہ روپیہ جو دوسرے کے ذمہ قرض ہے، جب تک قرض دار کے پاس رہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ وصول ہو جانے پر اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

اس رقم پر بعض کے نزدیک ایک سال کی اور بعض کے نزدیک ساری مدت کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

اسی طرح تجارت کے مال میں بھی۔

مثلاً تجارت کا مال چند سال تک فروخت نہیں ہو سکا، تو جب تک وہ فروخت نہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

فروخت ہو جانے کے بعد بعض کے نزدیک ایک سال کی اور بعض کے نزدیک پوری مدت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

جو غلام، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ خدمت اور سواری کے لیے ہوں اس میں زکوٰۃ نہیں ہے لیکن جو تجارت کے لیے ہوں ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

جو مال نصاب کو نہ پہنچے یا اس پر سال نہ گذرے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

رہنے کے مکانات، کھانے کے برتنوں اور گھر کے سامان میں زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔

سونے اور چاندی کے زیورات (اگر وہ نصاب کو پہنچ جائیں) پر زکوٰۃ فرض ہے۔

ترمذی میں روایت آتی ہے، دو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ دونوں کنگن پہنے ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں نے اس کی زکوٰۃ دے دی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟'' انہوں نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو پھر ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔''

مصارف زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی رقم کسے دی جائے؟ اسے کن کن مدوں میں خرچ کیا جائے؟ قرآن مجید کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ توبہ میں اس کی پوری تفصیل بیان کردی گئی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. ''یہ صدقات دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کاموں پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز گردنوں کو چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔''

۱۔ فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنے معاش کے لیے دوسروں کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام ضرورت مندوں کے لیے عام ہے چاہے وہ کسی جسمانی نقص یا بڑھاپے کی منزل پر پہنچ جانے کی وجہ سے دوسروں کی اعانت کے مستقل محتاج ہو گئے ہوں، یا کسی عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں۔ جیسے یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ یا فسادات، سیلاب، آتشزدگی یا کسی قسم کے وقتی مصیبتوں کا شکار ہونے والے۔

۲۔ مسکین وہ شخص ہے جو عام حاجت مندوں کے مقابلے میں زیادہ پریشان حال ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو امداد کا مستحق ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں اور سخت خستہ حال ہوں، مگر نہ تو ان کی خودداری انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہو اور نہ ان کی ظاہری پوزیشن ایسی ہو کہ کوئی شخص انہیں ضرورت مند سمجھ کر ان کی مدد پر آمادہ ہو۔

حدیث میں مسکین کی یوں تشریح آئی ہے۔

''مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔''

۳۔ جو لوگ صدقات وصول کرنے، وصول کیے ہوئے مال کی حفاظت کرنے، ان کا حساب و کتاب لکھنے اور انہیں تقسیم کرنے کے کام پر مامور ہوں، وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

ایسے لوگ خواہ فقیر اور مسکین نہ ہوں، ان کی تنخواہیں صدقات ہی کی مد سے دی جائیں گی۔

۴۔ تالیف قلب کا مطلب ہے، دل کو موہنا۔

جو لوگ اسلام کی مخالفت اور اسے نقصان پہنچانے میں سرگرم ہوں اور مال دے کر انہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے باز رکھا جا سکتا ہو اور ان کے دشمنی کے جذبات کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو۔

یا مخالفین اسلام میں سے کچھ لوگ ایسی ذہنیت کے ہوں کہ اگر انہیں مال دیا جائے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ترک کر کے ان کے حامی اور مددگار بن جائیں گے۔

یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، لیکن ابھی ان میں پختگی نہ آئی ہو بلکہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی مدد نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔

ایسے تمام لوگوں کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔

ایسے لوگوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر، مسکین یا مسافر ہوں تب ہی زکوٰۃ کی مد ان پر خرچ کی جائے۔ بلکہ وہ مال دار اور خوش حال ہونے کے باوجود زکوٰۃ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

۵۔ گردنیں چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں تمہیں اتنی رقم دے دوں تو تم مجھے آزاد کر دو، اسے یہ قیمت ادا کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔

دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔

۶۔ ایسے قرض دار جو اپنا قرضہ چکانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، خواہ وہ کمانے والے ہوں یا بے روزگار، دونوں صورتوں میں ان کی مدد زکوٰۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ۔ یہ لفظ عام ہے۔

ہر وہ نیکی کا کام جس میں رضاء الٰہی ہو۔ اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔

لیکن دراصل فی سبیل اللہ سے جہاد فی سبیل اللہ مراد ہے۔ یعنی وہ جدوجہد جس سے دین کی نصرت ہوتی ہو، چاہے وہ جنگ کے ذریعہ ہو یا تعلیمی و تبلیغی اداروں کے ذریعہ۔

فی سبیل اللہ، میں دین کے تمام تقاضے شامل ہیں۔ مثلاً قرآن و حدیث اور دینی علوم کی ترویج واشاعت، مدارس اسلامیہ کا اجراء و قیام، طلبائے علوم دینیہ کی ضروریات کی کفالت، مبلغین اسلام کے ضروری مصارف اور وہ تمام کام جو نیکی اور بھلائی کے لیے ہوں۔ سب اس میں داخل ہیں۔

۸۔ مسافر، خواہ اپنے گھر میں غنی اور خوش حال ہو، لیکن حالت سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے تو زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

آدابِ زکوٰۃ:

شریعت نے جہاں زکوٰۃ کے نصاب اور اس کے مصارف کی وضاحت کی ہے وہیں اس نے اس بارے میں بھی کھلی ہوئی ہدایات دی ہیں کہ زکوٰۃ کے نکالنے اور اسے صرف کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلے میں شریعت نے بتایا کہ عام صدقات وخیرات کے بارے میں مسلمان کو آزادی ہے کہ وہ بطور خود اسے جس طرح چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ مگر قانونی زکوٰۃ کے بارے میں اسے یہ آزادی حاصل نہیں ہے۔

بلکہ جس طرح نماز کے لیے اس کا باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ بھی ایک اجتماعی نظم کے مطابق صرف کی جائے۔

نماز پنجوقتہ کی صورت میں لوگ اپنی مسجدوں میں اکٹھا ہوتے ہیں اور اپنے میں سے ایک شخص کو امام بنا کر اسے جماعت ہی کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ یہی زکوٰۃ کا بھی معاملہ ہے۔

اسلام کی واضح ہدایات اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ مسلم بستیاں جس طرح اپنی نمازوں کے لیے مسجد کا، جماعت کا اور امامت کا انتظام کرتی ہیں اسی طرح اپنی زکوٰتوں کے لیے بیت المال قائم کریں اور وہیں سے زکوٰۃ کی رقم مستحقین تک پہنچائی جائے۔

حضرات! مال ودولت اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت کا یہ حق ہے کہ جب یہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے۔

اگر ہم اس مال کی زکوٰۃ نکالے بغیر، اس کا استعمال کرتے ہیں تو ہماری مثال اس شخص جیسی ہوگی جو جانور کا گوشت اسے بلا ذبح کیے ہوئے اور بغیر خون نکالے ہوئے کھانا شروع کردے۔

زکوٰۃ حقیقت میں مال کا میل ہے، جس طرح خون جانور کے بدن میں گندگی ہے۔ لہٰذا وہی مال ہمارے لیے پاک ہوگا جس کی باقاعدہ زکوٰۃ نکال دی جائے۔

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مال ودولت میں بھی زکوٰۃ کی ملاوٹ ہو جائے گی وہ اسے تباہ وبرباد کردے گی۔''

اس حدیث میں زکوٰۃ کی حقیقت واہمیت اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے کے تباہ کن اثرات سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متنبہ کیا گیا ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے دو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ مال و دولت میں زکوٰۃ کی ملاوٹ کا کیا مطلب ہے؟ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کی ملاوٹ سے سارے مال ودولت کے تباہ و برباد ہونے کا واقعی مفہوم کیا ہے؟

دراصل مال میں زکوٰۃ کی ملاوٹ کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا ہے اور خوش حال بنایا ہے اور اس لائق کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقہ دے کر اللہ کے غریب اور ضرورت مند بندوں کی مدد کرے لیکن وہ اپنے مال میں سے صدقہ وزکوٰۃ نکالتا ہی نہیں، اس طرح زکوٰۃ وصدقہ جو غریبوں کا حق ہے، اس خوش حال انسان کے مال ہی میں شامل رہتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دے کر خوش حال بنایا ہے لیکن وہ دولت کا لالچی لوگوں سے غیر مستحق ہوتے ہوئے بھی صدقہ وزکوٰۃ وصول کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے حلال اور طیب کمائی کو زکوٰۃ وخیرات کی ملاوٹ سے غیر طیب بنالیتا ہے۔

یہاں مال میں زکوٰۃ کی ملاوٹ سے یہ دونوں ہی صورتیں مراد ہیں۔

زکوٰۃ کی ملاوٹ سے مال کے تباہ و برباد ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ واقعی طور پر ایسے شخص کا مال ومتاع کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو جائے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ دولت میں کھیلنے والا دانے دانے کا محتاج ہو جائے اور سب کچھ کھو کر ہاتھ مسلتا ہی رہ جائے۔

زکوٰۃ نہ دینے والا، اور مستحق غریبوں کے بجائے خود زکوٰۃ وخیرات وصول کرنے والا شخص یتیموں، بیواؤں اور اللہ تعالیٰ کے بے سہارا اور مجبور بندوں کا حق مارتا ہے۔

اور یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ مجبوروں، کمزوروں اور مظلوموں کی آہ لینے والا کبھی پھل پھول نہیں سکتا۔

اور زکوٰۃ کی ملاوٹ سے پورے سرمائے کی تباہی کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگرچہ بظاہر یہ سارا مال ومتاع مال والے کے پاس موجود رہتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ مومن کے لیے برباد ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ ناقابل استعمال ہو جاتا ہے، اس کی دینی اور اخلاقی حس ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ وہ ایسے مال سے استفادہ کرے جو زکوٰۃ کی ملاوٹ کی وجہ سے نحوست اور بے برکتی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکار ہو چکا ہے۔

جس مال میں غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کا حق شامل ہے، ایسا تباہ شدہ مال اگر مومن استعمال کرے گا تو وہ اس کے دین واخلاق کو تباہ کر ڈالے گا۔

اس حدیث میں ان دولت مندوں کو جھنجھوڑا گیا ہے جو اپنے بخل کی وجہ سے مال کے پرستار بن جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں زکوۃ وصدقات دیتے ہوئے ان کی جان نکلتی ہے۔

اسی طرح ان خوش حال لوگوں کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے جو ضرورت مند نہ ہوتے ہوئے بھی اللہ کے گرے پڑے بندوں کا حق مارتے ہیں اور مستحق نہ ہونے کے باوجود خیرات وزکوۃ وصول کر کے غریبوں اور ناداروں کا حق مار لیتے ہیں اور اپنی سنگ دلی کا بدترین مظاہرہ کرتے ہیں۔

انہیں جھنجھوڑا گیا ہے کہ کمزوروں کو ستا کر اور ان کا حق مار کر اللہ کے غضب کو مت بھڑکاؤ، اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے رہو اور اللہ کے مسکین بندوں کا حق دیتے رہو، اس لیے کہ صدقات وخیرات اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا سبب بنتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو گیا تو اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارا مال ومتاع اور برسوں کا جمع کیا ہوا سرمایہ دم بھر میں خاک کا ڈھیر ہو جائے۔

اگر یہ بچ بھی جائے اور تم اس سے استفادہ کرتے رہو تو یہ بھی تمہاری موت ہے۔

اس لیے کہ ایسے بے برکت، منحوس اور غیر طیب مال سے استفادہ تمہارے دین وایمان کو برباد کر ڈالے گا اور یہ سب سے بڑی تباہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی تباہی سے ہر طرح محفوظ رکھے۔

آمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کسبِ حلال

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ.

حضرات! اللہ رب العالمین کا یہ بہت بڑا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور ایمان واسلام کی سعادت بخشی لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا کہ مسلمان اور کافر میں کیا فرق ہے؟

ایک مسلمان دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ کی وحدانیت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور یوم آخرت پر یقین کامل رکھتا ہے اور اسی یقین کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے اصول وحدود کی پابندی کرتا ہے۔

لیکن ایک کافر نہ تو ان باتوں پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے حدود و قیود کی پابندی کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں ایمان وعمل کے ہونے اور نہ ہونے کا فرق ہے۔

اس دنیا میں انسان کے سامنے بہت سے کام اور بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں حاصل کرنے میں، جنہیں بچانے میں اور جنہیں ترقی دینے میں وہ ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔

لیکن انسان کے تمام دنیاوی مسائل میں سرفہرست معاش یعنی روزی کا مسئلہ ہے۔

ویسے تو اسلام نے اسے دنیا کے مسائل میں ضمنی حیثیت دی ہے لیکن موجودہ دور میں دین سے بے رغبتی کی وجہ سے دین کے ماننے والوں نے بھی اللہ کی عبادت، جو انسانی تخلیق کا اصل مقصد ہے، کے بجائے اسی معاش کو اپنی زندگی اور اس کی تمام جدوجہد کا اصل مرکز اور محور بنالیا ہے اور اصل مقصد یعنی اللہ کی عبادت و بندگی کو ضمنی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر شخص کو یہاں مکانات اور شاندار کوٹھیاں بنانے کی فکر ہے۔ مگر وہاں ٹھکانہ بنانے کی فکر نہیں ہے جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔

دنیا میں روشنی حاصل کرنے کے لیے ہر شخص بے چین ہے لیکن قبر کی تاریکی کا احساس کسی میں نہیں ہے۔

انسان دنیا کی ہر مصیبت سے گھبراتا ہے اور پناہ مانگتا ہے لیکن میدان حشر میں رونما ہونے والے واقعات کی اسے ذرا برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔

دنیا کی مفلسی اور تنگ دستی سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے لیکن آخرت کی نجات کی فکر نہیں ہے۔

دنیا کے فائدے کی بات ہو تو ہر شخص ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے مگر اللہ کے حکم پر دوڑ پڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

آج کے دور میں معاش کا مسئلہ ہی انسان کا اصل مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس دور میں ان ہی پارٹیوں اور ان ہی نظام میں عوام کے لیے کشش ہوتی ہے جو معاشی حل پیش کریں۔

آج جو لوگ معاشی طور پر مضبوط ہوتے ہیں ان ہی کو مدبر اور عقل مند سمجھا جاتا ہے اور ہر طرح کے اداروں میں عہدے اور مناصب بھی ان ہی کے لیے مخصوص رہتے ہیں۔

آج دنیا میں ان ہی حکومتوں کی بالادستی ہے جو دولت مند ہیں، جیسے یوروپی ممالک بالخصوص امریکہ اور جس ملک میں دولت کی کمی اور مادی وسائل کی کمیابی ہے، ہر طرح کے فتنے وہیں جنم لیتے ہیں، جیسے بنگلہ دیش اور نیپال وغیرہ۔

قرآن نے ایمان والوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تمام حدود کی پابندی کریں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱدْخُلُوا فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً. ''اے ایمان والو! اسلام کے اندر پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''

چوں کہ معاش کا مسئلہ سرفہرست ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمان کو ہمہ وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ روزی کمانے میں ان ہی تدبیروں کو اپنائے جنہیں اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے اور ان ذرائع سے قطعی طور پر بچے جن سے منع کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ. ''اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔''

اور یہی حکم تمام انبیاء اور ان کی امت کو دیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ مومنون میں بتایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ.

''اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، تم جو کچھ کرتے ہو مجھے اس کی پوری خبر ہے۔''

سورۂ بقرہ میں تمام انسانوں کو حکم دیا گیا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. ''اے انسانو! زمین کی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔''

جو شخص اسلام کی تعلیمات سے اور ان تعلیمات کی روح سے واقف ہے۔ یقیناً وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں انسان کا اصل مفاد، آخرت کا مفاد ہے۔ اس لیے اسے اپنی تمام تر توجہات اور جدو جہد کا مرکز مفاد آخرت کو بنانا چاہیے۔

اور ایمان والے کا یہی مزاج ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے فائدوں پر آخرت کے فائدوں کو ترجیح دیتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو زندگی گذارنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اسلام انہیں سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا۔

یہ خیال کرنا کہ اسلام میں انسان کی مادی ضروریات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اسلام سے کھلی ہوئی ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اللہ نے دنیا میں انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس دنیا میں مسلمان کو اپنا فرض بجالانے اور اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے جو کچھ کرنا ہے، اس کے لیے جسم اور جسمانی قوتیں بھی ضروری ہیں۔ ایسی صورت میں ان تمام سامان اور چیزوں کی ضرورت کیوں نہ ہوگی جس پر اس جسم اور جسمانی قوتوں کی بقا موقوف ہے؟

اور یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں انسان کی معاشی ضروریات کہا جاتا ہے اور قرآن نے جگہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہ اس سامان زیست کو مال اللہ ''اللہ کا مال۔''

طَيِّبَات، ''پاکیزہ چیزیں۔''

نِعْمَةُ اللّٰهِ، ''اللہ کی نعمت۔''

اور فَضْلُ اللّٰهِ ''اللہ کا فضل۔'' کہا ہے۔

اور مشکوۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. ''فرض عبادتوں کے بعد حلال روزی کمانا بھی فرض ہے۔''

جب اسلام نے روزی کمانے میں حلال ذرائع کی تاکید کی ہے اور حرام کمائی اور حرام چیزوں سے منع فرمایا ہے تو بدیہی طور پر ایک مسلمان کے سامنے یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ حلال کیا ہے؟ اور حرام کیا ہے؟

لیکن اس کا فیصلہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہے اپنے لیے حلال کرلے اور جس چیز کو چاہے حرام کرلے۔

بلکہ حلت اور حرمت کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ. ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پوری پابندی کرو تمہارے لیے مویشی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے، سوائے ان کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کرلو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے، بندوں کو اس کے احکام میں چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

لیکن بندۂ مومن اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے، یا حقیقت پر مبنی سمجھتا ہے۔ بلکہ اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔

جو چیز اس نے حرام کردی ہے وہ اس لیے حرام ہے کہ اس نے حرام کی ہے اور اسی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے جو حلال کر دی ہے وہ بھی کسی دوسری بنیاد پر نہیں بلکہ اس بنیاد پر حلال ہے کہ جو اللہ ان ساری چیزوں کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں کو اس چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔

لہٰذا قرآن قطعیت کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ چیزوں کی حلت اور حرمت کے لیے اللہ رب العالمین کی اجازت اور عدم اجازت کے سوا کسی بنیاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام یا کسی چیز کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا دارو مدار بھی اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز ہے۔

اور سورۂ مائدہ ہی میں یہ بات بتائی گئی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔''

حد سے تجاوز کرنے کا مطلب ہے، حلال کو حرام کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے اس طرح پرہیز کرنا کہ گویا وہ ناپاک ہیں۔

اور حلال کی سرحد سے باہر قدم نکال کر حرام کی حدود میں داخل ہونا بھی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

اس آیت میں جہاں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ خود حلال وحرام کے مختار نہ بن جاؤ۔

حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کہا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام کہا ہے۔

اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو گے تو خواہش نفس کے پیروکار اور حد سے تجاوز کرنے والے قرار پاؤ گے۔

وہیں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں اور بدھ مذہب کے بھکشوؤں کی طرح رہبانیت اور لذتوں کو چھوڑ دینے کا طریقہ نہ اختیار کرو۔

مذہبی ذہنیت رکھنے والوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ اگر آدمی اپنے نفس اور جسم کے حقوق ادا کرے گا تو اس کی روحانی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اپنے نفس کو دنیوی لذتوں سے پورے طور پر محروم رکھنا، اسے کچل ڈالنا اور دنیوی ساز و سامان سے بے تعلق ہو جانا، بجائے خود نیکی ہے اور اس کے بغیر اللہ کی قربت اور اس کی رضا حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض صحابہ بھی ایسے تھے جن کے اندر یہ ذہنیت پائی جاتی تھی چنانچہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ بعض صحابہؓ نے یہ عہد کرلیا ہے کہ پوری رات جاگ کر عبادت کریں گے اور بستروں پر نہ سوئیں گے، عورتوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے، گوشت اور چکنائی وغیرہ قطعاً استعمال نہ کریں گے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ''مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تم پر تمہارے نفس کے بھی حقوق ہیں، روزہ بھی رکھو اور کھاؤ بھی، راتوں کو قیام کرو اور سوؤ بھی، مجھے دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی، پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

پھر فرمایا: ''یہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو اور اچھے کھانے کو اور خوشبو اور نیند اور دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے؟ میں نے تو تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور پادری بن جاؤ۔ میرے دین میں نہ عورتوں سے پرہیز ہے نہ گوشہ نشینی ہے، ضبط نفس کے لیے میرے یہاں روزہ ہے، رہبانیت کے سارے فائدے یہاں جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی بندگی کرو، حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، تم میں سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔''

اس سلسلے میں بعض روایات سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابیؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ایک مدت سے بیوی کے پاس نہیں گئے ہیں اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے انہیں بلا کر حکم دیا کہ ابھی اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا ''میں روزے سے ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''روزہ توڑ دو اور جاؤ۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک عورت نے ان سے شکایت کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور تابعی حضرت کعب بن سور الازدی کو اس معاملہ کی چھان بین کے لیے بھیجا، اس کے بعد انہوں نے فیصلہ دیا کہ:

''اس خاتون کے شوہر کو تین راتوں کے لیے اختیار ہے کہ جتنی چاہیں عبادت کریں مگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی رات لازماً ان کی بیوی کا حق ہے۔“

جہاں تک حرام چیزوں کا سوال ہے، قرآن مجید نے ان تمام چیزوں کی پوری تفصیل بیان کردی ہے۔ مثلاً شراب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں سورۂ مائدہ میں حکم دیا گیا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، سب شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔“

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں، ایک شراب، دوسرے قمار بازی، تیسرے وہ مقامات جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کئے گئے ہوں، چوتھے پانسے۔

اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ”اب جن کے پاس شراب موجود ہو، نہ وہ اسے پی سکتے ہیں، نہ بیچ سکتے ہیں بلکہ اسے ضائع کردیں۔“

چنانچہ آپ کا حکم ہوتے ہی مدینہ کی گلیوں میں شراب بہادی گئی۔

بعض لوگوں نے پوچھا کہ اسے یہودیوں کو بطور تحفہ کیوں نہ دیدیں؟

آپؐ نے فرمایا: ”جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تحفہ دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔“ بعض لوگوں نے کہا کہ ہم شراب کو سرکہ میں کیوں نہ تبدیل کرلیں؟ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا: ”نہیں اسے بہادو۔“

ایک صحابیؓ نے اصرار کر کے دریافت کیا کہ دوا کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”نہیں وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔“

ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ یا رسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے، ہم لوگ شراب سے سردی اور تکان کا مقابلہ کرتے ہیں۔

آپؐ نے پوچھا: جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ”ہاں“ فرمایا: ”تو اس سے پرہیز کرو۔“ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ آپؐ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: "اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، شراب پر اور اس کے پینے والے پر، اور پلانے والے پر، اور بیچنے والے پر، اور خریدنے والے پر، اور کشید کرنے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے ڈھو کر لے جائی جارہی ہو۔"

قرآن نے خمر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

یہ عربی زبان میں انگور کی شراب کے لیے بولا جاتا تھا لیکن جو، گیہوں، کھجور، کشمش اور شہد کی شراب کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو ان تمام چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَ كُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ. "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "ہر وہ پینے والی چیز جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔"

شراب کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ. "خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔"

شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ. "تم پر حرام کیا گیا ہے، مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جانور جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو، نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرو، یہ سب افعال فسق ہیں۔"

اس آیت میں حتمی طور پر جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے ان ہی میں سے ایک پانسہ بھی ہے۔

اس کی تین قسمیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ مشرکانہ فال گیری، جس میں کسی دیوی دیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے یا غیب کی خبر دریافت کی جاتی ہے یا باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرایا جاتا ہے۔

مشرکین مکہ نے کعبہ کے اندر ہبل دیوتا کے بت کو اس کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر رکھے ہوئے تھے، جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کندہ تھے۔ کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا سوال ہو، کھوئی ہوئی چیز کا پتہ معلوم کرنا ہو یا خون کے مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہو۔ غرض کوئی بھی کام ہو، اس کے لیے ہبل کے پاس پہنچ جاتے، اس پر قربانیاں دیتے، اس کا نذرانہ پیش کرتے اور ہبل کے بت سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملہ کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانسہ داران تیروں کے ذریعہ فال نکالتا اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا، اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہبل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ دوسری قسم ہے توہمانہ فال گیری۔

اس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل وفکر سے کرنے کے بجائے کسی وہمی وخیالی چیز یا کسی اتفاقی شے کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ جیسے شگون، پچھتر، کسی کی چھینک سن کر راستہ بدل دینا، ستاروں کو دیکھ کر سفر میں جانے اور نہ جانے کا فیصلہ کرنا وغیرہ۔

۳۔ تیسری قسم ہے جوئے کے وہ سارے کھیل کا کام جن میں چیزوں کی تقسیم کا دارومدار جدوجہد، محنت، حقوق وخدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے، جیسے سٹہ، لاٹری، انشورنس، معمہ بازی وغیرہ جو ایک کبیرہ گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا. ”اے رسول! تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو، ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے، حالاں کہ ان میں لوگوں کے لیے نفع بھی ہے، مگر ان کا گناہ نفع سے زیادہ ہے۔“

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔''

اسی کے آگے ارشاد ہوا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

البتہ قرعہ اندازی کی وہ سادہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔

مثلاً کہیں ایسی صورت حال پیش آجائے کہ ایک چیز پر دو آدمیوں کا حق ہر حیثیت سے بالکل برابر ہے، اور فیصلہ کرنے والے کے لیے ان میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور ان میں سے کوئی اپنا حق خود چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ان کی رضامندی سے قرعہ اندازی پر فیصلہ کا دارومدار رکھا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ایسے موقعوں پر یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے کہ جب دو برابر حق داروں کے درمیان ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آتی تھی اور آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ اگر آپ خود ایک کو ترجیح دیں گے تو دوسرے کو ملال ہوگا۔

اس آیت سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ تمام چڑھاوے اور چیزیں بھی حرام ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام نذر و نیاز کے طور پر دی گئی ہوں۔

اور ان جانوروں کا گوشت بھی حرام ہے جو کسی آستانے پر ذبح کیے گئے ہوں۔ اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور اس کھانے پر بھی جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر پکایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. ''بے شک اللہ نے تم پر حرام کر دیا، مردار، اور سور کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو، یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔''

اس آیت کریمہ میں حرام چیزوں سے بچنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ مخصوص حالات میں ان کے استعمال کی اجازت بھی دی گئی ہے۔

مگر تین شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو، مثلاً بھوک یا پیاس سے جان جا رہی ہو، یا بیماری کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو، تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً حرام چیز کے چند لقمے یا چند قطرے یا چند گھونٹ سے اگر جان بچا سکتے ہوں تو اس سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ کیا جائے۔

یہی نہیں بلکہ اسلام نے ان تمام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے، جن کا کھانا پینا اور پہننا حرام ہے۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ. ''بے شک اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی تجارت کو حرام کر دیا ہے۔''

نہ صرف ان چیزوں کی تجارت حرام ہے بلکہ ان کی قیمت بھی حرام ہے۔

جیسا کہ امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا حَرَّمَ عَلٰى قَوْمٍ اَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهٗ. ''بے شک اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام کر دیا تو ان پر اس چیز کی قیمت کو بھی حرام کر دیا۔''

سود:

اسلام میں سود اور سودی کاروبار کو بھی بالکلیہ طور پر حرام کر دیا گیا ہے۔ اردو میں سود کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں ربٰو کا مفہوم ہے۔

یعنی وہ زائد رقم جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل رقم کے علاوہ وصول کرتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

مثلاً ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے اور اس کی قیمت کی ادائیگی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ایک وقت مقرر کر دے، اگر وہ مدت گذر جائے اور قیمت ادا نہ ہو تو مزید مہلت دے اور قیمت میں اضافہ کر دے۔

یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دے اور اس سے یہ طے کرے کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی۔

یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک مخصوص مدت کے لیے ایک شرح طے ہو جائے اور اس مدت میں اصل رقم اضافہ کے ساتھ واپس نہ ہو تو پہلے سے زائد شرح پر مزید مہلت دی جائے۔ اور یہ تمام صورتیں قطعاً حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. ''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''

اسی سورۃ میں یہ حکم بھی دیا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

سود خوری کو یہودیوں کی صفت بتایا گیا ہے:

قرآن نے تفصیل سے وضاحت کی کہ سود خوری وہ بلائے بے درماں ہے کہ جس کو اس کا چسکا لگ گیا اس کی پوری زندگی ہی حرام خوری میں گذر جاتی ہے، صحت جواب دے دیتی ہے، مہلک امراض لگ جاتے ہیں، اسے طیب اور حلال رزق کبھی میسر نہیں آتا۔

چنانچہ اس دنیا میں کچھ ایسے بھی یہودی تھے جنہیں کبھی حلال رزق میسر تھا، یہ تندرست اور توانا تھے لیکن اپنی شومیٔ قسمت اور شامت اعمال کی بدولت ایسا ہوا کہ وہ سود لینے لگے اور دھوکہ اور فریب سے لوگوں کا مال کھانے لگے۔ حالاں کہ انہیں اس فعل بد سے بہت سختی کے ساتھ روکا گیا مگر وہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام خوری کے لیے چھوڑ دیا۔ اور حلال، مفید اور طیب رزق سے وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محروم کردیے گئے جو کبھی ان کے نصیبے میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے بدنصیبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ.

''غرض ان یہودی بن جانے والوں کے اس ظالمانہ رویہ کی بنا پر، اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم نے وہ بہت سی پاک چیزیں ان پر حرام کردیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔''

قرآن نے صاف طور پر یہ بھی بتایا کہ سودی کاروبار میں قطعاً برکت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ. ''اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے۔''

یعنی سود اخلاقی، روحانی، تمدنی اور معاشرتی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتا ہے بلکہ تنزلی اور بربادی کا سبب بھی بنتا ہے۔ کیوں کہ سود خوری، خود غرضی، بخیلی، تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی عادتوں کے پیدا ہونے سے پروان چڑھتی ہے۔ اور یہ مہلک برائیاں انسان کے اندر اسی طرح کی صفات کو بھی پیدا کرتی اور نشو ونما دیتی ہیں۔

بھلا جس سماج میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا برتاؤ کریں، کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور ذاتی فائدوں کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، کوئی شخص کسی حاجت مند کی مدد کو اپنے لیے نفع خوری کا سبب بنائے، ایسا سماج کبھی مستحکم سماج بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ اس کے افراد کے اندر آپس کی محبت و ہمدردی کے بجائے باہمی بغض و کینہ، حسد، بے دردی اور بے تعلقی پروان چڑھنے لگتی ہے۔

اس کے برعکس جس سوسائٹی کا نظم آپسی ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی ہو، جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں، جس میں ہر شخص دوسرے کی ضرورت کے موقع پر کشادہ دلی کے ساتھ ہاتھ بڑھائے، ایسی سوسائٹی میں آپس کی محبت، خیر خواہی، ایثار اور دلچسپی نشو ونما پائے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے تمام افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پشتیبان ہوں گے۔ ان میں آپسی جھگڑے اور تصادم کا گذر نہیں ہوگا۔

سودی لین دین کی بدولت قوموں کی زندگیاں مشکل اور دشوار بن جاتی ہیں۔ ذرا ہم غور کریں۔

ہمارے پاس مال ہے جو فی الحال ضرورت سے فاضل ہے اور دوسرا شخص اس مال کا بے انتہا ضرورت مند ہے اور یہ حتمی ہے کہ اس کے استعمال سے اس کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی، اس کی مالی حالت سدھر جائے گی اور وہ اس قابل ہو جائے گا کہ آپ کا روپیہ چند دنوں یا چند مہینوں میں واپس کر دے تو پھر اس میں ہمارا جاتا ہی کیا ہے؟

اگر ہم مال کا کرایہ وصول کرنے لگیں، یا اپنی اس دولت کا اس سے سود لینے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے پاس یہ رقم یوں ہی آگئی ہے، یا یہ ہماری محنت اور کمائی کا نتیجہ ہے۔

ظاہر بات ہے کہ سود پر روپیہ وہی شخص دے سکتا ہے جس کو اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ مال ملا ہو۔

ضرورت سے زیادہ مال جو انسان کو ملتا ہے، قرآن نے اسے اللہ کا فضل بتایا ہے اور اللہ کے فضل کا صحیح شکر یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے بندے پر فضل فرمایا ہے اسی طرح بندہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر فضل کرے۔

اگر وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس اللہ کے فضل کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ جو بندے غریب ہیں انھیں دے کر ان سے اصل سے زائد وصول کرے، تو حقیقت میں وہ اللہ کا ناشکر ابھی ہے اور ظالم اور احسان فراموش بھی اور بدکار اور بدعمل بھی۔

سودی سماج کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس سماج میں سانس لینے والے نہ جانے کیوں اس درجہ کے خود غرض، خود پرست اور بے رحم ہو جاتے ہیں کہ کسی کی اذیت اور کرب کو دیکھ کر ان کے دلوں میں کوئی جنبش ہوتی ہی نہیں۔

بلکہ اس سماج کے دیندار لوگ بھی محض روایتی قسم کے دیندار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ کان کے بہرے، آنکھ کے اندھے اور دل کے کھوٹے بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان کے دل میں کبھی یہ چاہت ہوتی ہی نہیں کہ اگر اللہ کا بندہ کوئی کسی حیثیت سے گر گیا ہے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے سنبھالا دے کر اوپر اٹھائیں اور اپنے برابر لائیں تا کہ وہ اللہ ان سے راضی ہو جائے جس نے انہیں اپنی انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازا ہے، اور اس کے بالمقابل دوسرے کو اپنی کسی مصلحت کی بنا پر ان نعمتوں سے محروم رکھا ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے بھی نواز سکتا ہے اور ہمیں محروم کر سکتا ہے۔

ایک لطیفہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک بیمار شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو دس روپے شیطان کو خیرات کروں گا۔ جب وہ صحت یاب ہو گیا، تب اسے احساس ہوا کہ میں نے شیطان کو خیرات دینے کی نذر مانی ہے، اب میں شیطان کو ڈھونڈنے کہاں جاؤں؟

ایک عالم دین سے اس نے پوچھا کہ میں کیا کروں اور میری نذر پوری ہونے کی کیا صورت ہے؟

عالم نے بتایا کہ تم پتہ لگاؤ، جو عورت انتہائی بدزبان ہو اور اپنی بدزبانیوں سے اپنے پڑوسیوں کو مستقل اذیت میں مبتلا رکھتی ہو، وہی شیطان ہے، اسی کو روپے دے دو۔

تلاش کے بعد اسے ایک ایسی عورت کا پتہ چل گیا جس کی بدزبانیوں سے اس کے پڑوسی بری طرح تنگ تھے۔

اس نے عورت سے کہا کہ میں نے اس طرح کی نذر مانی تھی اور ایک عالم نے تم جیسی عورت کو شیطان بتایا ہے اس لیے یہ روپے رکھ لو۔

اس نے کہا: خدا کی پناہ! میں اپنی بدزبانیوں کی وجہ سے شیطان ہو گئی؟ آج سے میں قسم کھاتی ہوں کہ اپنی زبان کی حفاظت کروں گی اور میری ذات سے پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، اس لیے یہ روپے نہیں لوں گی۔"

وہ شخص پھر اسی عالم کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔

عالم نے کہا: جس مسلمان کا دل مسجد میں نہ لگتا ہو، مارے کاٹے مسجد جاتا ہو، سب کے آخر میں داخل ہوتا ہو اور سب سے پہلے نکل بھاگتا ہو اسے یہ روپے دیدو۔"

وہ شخص ایسے ہی ایک لاپرواہ نمازی کے پاس گیا اور اسے پوری بات بتا کر دس روپے دینے کی پیش کش کی، لیکن اس نے بھی اپنی اس کاہلی اور لاپرواہی سے توبہ کی اور آئندہ پکا نمازی بننے کا وعدہ کیا اور روپے لینے سے انکار کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے چارہ پھر عالم کے پاس گیا اور اسے ساری باتیں بتائیں۔

عالم نے کہا کہ اسے کسی سود خور مسلمان کو دیدو۔ وہ ایک سود خوار مسلمان کے پاس گیا اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور دس کا نوٹ اس کے سامنے رکھ دیا۔

اس نے نہ کچھ پوچھا، نہ کچھ سوچا فوراً جیب میں ڈال لیا۔

سود خور صرف اپنا سرمایہ لگاتا ہے اور بلا محنت کیے ہوئے اس سے کئی گنا رقم کماتا ہے۔

مشہور عالم سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات کہی ہے:

''دولت خود دولت کو جنم نہیں دیتی بلکہ دولت کو صرف محنت جنم دیتی ہے، اس لیے صرف محنت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نفع اور ملکیت کی بنیاد قرار پائے نہ کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنے والا مال کا حقدار ٹھہرے۔'' سید قطب کا یہ قول بھی ہے:

''یہ بالکل ناممکن ہے کہ کسی جماعت میں سود خوری کی لعنت بالکل عام ہو جائے اور پھر اس کے افراد میں باہم انس و محبت باقی رہے، جو شخص مجھے ایک دینار محض اس لیے دیتا ہے کہ وہ مجھ سے دو دینار وصول سکے، وہ در حقیقت میرا دشمن ہے۔ میں کبھی اپنا دل اس کی طرف سے صاف نہیں کر سکتا اور نہ اس کی محبت میرے دل میں جگہ پا سکتی ہے آپسی تعاون اسلامی سماج کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے اور سود اس اصول کا دشمن واقع ہوا ہے وہ اس بنیاد کو ڈھا دیتا ہے۔''

سود خور سمجھتا ہے کہ قرضہ دے کر قرضدار سے زائد رقم وصول کرنا ایک ایسا کامیاب طریقہ ہے جس سے انسان کامیاب اور فارغ البال ہوتا ہے، اور بلا محنت کیے ہوئے اچھا خاصہ سرمایہ جمع کر لیتا ہے۔

لیکن انسان کی ظاہر بین آنکھیں اسے ترقی تو کہہ سکتی ہیں مگر اللہ کے علم میں یہ ترقی نہیں، بلکہ سود خور کی ذہنی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی تنزلی اور بربادی کی کھلی ہوئی علامت ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ روم میں ارشاد فرمایا:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ. ''جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مالوں کو بڑھاتے ہیں۔"

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں سود خوار کے لیے یہ وعید بھی آئی:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. "جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، لہٰذا جس شخص کو اپنے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا تھا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

احادیث رسول میں بھی سود کی بڑی مذمت آئی ہے۔

مثلاً مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، اور سود کھلانے والے اور سود کے گواہ پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، اس کا ادنیٰ گناہ یہ ہے کہ گویا اس نے اپنی ماں سے زنا کیا۔"

بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے ایک پاکیزہ زمین میں لے گئے۔ جب ہم آگے چلے تو خون کی ایک ندی پر پہنچ گئے۔ دیکھا تو اس میں ایک مرد کھڑا ہے اور نہر کے بیچ میں ایک شخص ہے جس کے سامنے پتھر رکھے ہیں۔ وہ شخص جو ندی میں کھڑا تھا، بھاگنا چاہتا ہے تو وہ شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے پھر وہ جہاں تھا وہیں لوٹ جاتا ہے۔

میں نے فرشتوں سے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ جواب ملا کہ نہر میں جو کھڑا ہے وہ سود خور ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں معراج کی رات ایسی قوم پر پہنچا کہ ان کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں، جس میں سانپ ہیں، جو پیٹ کے باہر سے نظر آتے ہیں۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: یہ سود خور ہیں۔''

مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہوتا ہے تو وہ لوگ اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔''

لیکن بدقسمتی سے آج مسلمانوں کے یہاں سودی کاروبار اس طرح جڑ پکڑ چکا ہے کہ اس کی برائی، نقصان اور اس کے مضر اثرات کا خیال تک دل میں باقی نہیں رہا۔ اور یہ برائی اس قدر عام ہو رہی ہے کہ برائی معلوم ہی نہیں ہوتی۔

حالاں کہ پہلے مسلمان اسے ایک مکروہ فعل سمجھتے تھے اور مسلم سماج میں سود خوار کے گھر کا کھانا پانی لوگ اسی طرح ناپاک اور حرام سمجھتے تھے، جس طرح سور کے گوشت کو مسلمان آج بھی ناپاک اور حرام سمجھتے ہیں۔

ان سود خور اور رشوت خور گھرانوں میں شادی بیاہ کرنا تو در کنار رہا، ان کے ساتھ نماز پڑھنے کے بھی لوگ روادار نہیں تھے۔ یہاں تک کہ قوم وملت کی ضروریات کے لیے بھی ان لوگوں سے مالی تعاون لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔

اور یقیناً پوری آبادی میں مسلم سماج ہی وہ واحد سماج تھا جن کے روپیوں اور سونے چاندی کے زیورات سے نہ جانے کتنے ہندو اور مسلم گھرانے اور افراد اپنی نجی اور تجارتی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور انہیں اس کا کوئی معاوضہ نہیں ادا کرنا پڑتا تھا۔

لیکن افسوس یہ فکر وعمل کا کتنا بڑا انقلاب ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس سود کی لعنت میں مسلم سماج بھی کچھ اس طرح ملوث ہو گیا کہ اس ناپاکی نے نہ صرف یہ کہ جواز کی شکل اختیار کر لی، بلکہ یہ معیشت کے عروج وارتقاء کا ذریعہ سمجھی جانے لگی۔

رشوت:

آج کے دور میں حرام کمائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ رشوت بھی ہے۔ اور یہ بیماری اس قدر عام ہے کہ کہیں بھی چلے جائیں، کسی بھی محکمہ میں آپ کا کوئی کام ہو، مگر اس کے بغیر کامیابی نہیں ملتی۔

ناحق فائدہ اٹھانے کے لیے جو رقم دی جائے وہ رشوت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن جائز اور اپنا صحیح حق پانے کے لیے اگر پیسہ دینا پڑے تو دینے والا گنہ گار نہیں ہوگا، البتہ لینے والے پر اس کا وبال ہوگا۔

فرض کیجئے ایک شخص نے آپ کی جائداد ہڑپ کر لی، اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے حکام پیسہ طلب کرتے ہیں، اگر آپ اپنی جائز جائداد کو بچانے اور حاصل کرنے کے لیے پیسہ دینے پر مجبور کر دیے گئے تو یہ رشوت نہیں ہے۔

لیکن ایک دوسرے شخص کی جائداد یا زمین ہے اور آپ اسے ہڑپ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے آپ حکام کو پیسہ دے رہے ہیں تا کہ وہ آپ کے حق میں فیصلہ کر دیں تو یہ رشوت ہے۔

اور ایسے لوگوں کے بارے میں احادیث رسول میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ. ''اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور رشوت دلانے والے پر۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. ''اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔''

اس آیت میں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو، وہیں اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جب تم یہ جانتے ہو کہ مال دوسرے کا ہے اور اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، لیکن جس کی جائداد ہے اس کے پاس اس کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور تم اپنی چرب زبانی اور داؤں پیچ سے اس کی جائداد ہڑپ کر سکتے ہو تو اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ اس لیے کہ حاکم عالم الغیب نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ مقدمہ کی روداد سن کر وہ تمہارے حق میں فیصلہ دیدے۔

اس لیے عدالت کا فیصلہ تمہارے حق میں ہونے کے باوجود تم اس کے جائز مالک نہیں بن جاؤ گے، اللہ کے نزدیک وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں بہر حال ایک انسان ہی تو ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ، اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اس کی دلیلیں سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ دیدوں، مگر یہ سمجھ لو کہ اگر اسی طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیز تم نے میرے فیصلہ کے ذریعہ حاصل کی، تو دراصل تم جہنم کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے۔''

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔''

اس آیت میں جہاں غلط اور باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور ہڑپ لینے کی مخالفت آئی ہے وہیں باہمی رضامندی سے تجارت کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے: ''اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔''

تجارت:

اس کا صاف طلب ہے کہ اگر تجارت چھوڑ کر آپس کا مال ناجائز طریقوں سے کھاؤ گے تو تمہارے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔

منتخب کنز العمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے: ''روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔''

ترمذی میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچا اور امانت دار تاجر حشر کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

ابن ماجہ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تجارت کرنے والے کو روزی دی جاتی ہے اور غلہ روک کر بیچنے والا اللہ کی رحمتوں سے دور ہو جاتا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسند احمد میں حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: ''کون سی کمائی پاکیزہ تر ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور خالص تجارت (جس میں دغا اور فریب نہ ہو۔)۔''

تجارت کی اہمیت وفضیلت جاننے کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تجارت کی ہے۔

نبوت سے قبل آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام گئے اور وہاں سے بہت سا منافع لے کر واپس لوٹے۔

تاریخ ابن جریر میں ہے کہ ایک بار بحرین سے ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا مال تمہارے یہاں بکنے جایا کرتا تھا۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابوالحسماءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال خریدا اور اس سودے میں میرے ذمے کچھ قیمت باقی رہ گئی تھی۔ میں نے آپؐ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیں میں باقی دام لاتا ہوں۔ میں چلا گیا اور پھر بات میرے ذہن سے اتر گئی۔ جب تین روز کے بعد مجھے اپنی بات یاد آئی اور میں قیمت لے کر آپؐ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپؐ اسی جگہ موجود ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ''تم نے مجھے تکلیف دی تین دن سے میں تمہارا انتظار میں یہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔''

صحابہ کرامؓ کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی تھا۔

جب صحابہ کرامؓ نے کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں اکثر صحابہ تجارت ہی میں مشغول تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سامنے جب ایک انصاری بھائی نے اپنا آدھا مال پیش کیا تو انہوں نے کہا:

''مجھے بازار کا راستہ دکھادو میں تجارت کروں گا۔'' چنانچہ انہوں نے بڑی کامیابی سے تجارت کی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ بصرہ تک مال لے کر جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی تجارت شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی وسیع تجارت کا حال دنیا پر روشن ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اونٹوں کے تاجر تھے۔

مسلمانوں پر آج جو غربت چھائی ہوئی ہے اسے دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔

عموماً حالت یہ ہے کہ اگر کسی کے یہاں شادی کی تقریب پیش آجائے تو بلا قرض کے کام نہیں چلتا۔

اگر گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو علاج کے لیے قرض لینا پڑتا ہے، ایسا بھی ہو رہا ہے کہ مردہ کے کفن کا انتظام بھی قرض کے روپے سے ہوتا ہے، اور اکثر و بیشتر یہ قرضہ سودی ہوتا ہے۔

اس ملک میں دوسری قومیں بھی آباد ہیں لیکن ان کے گھروں میں مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، ان کے یہاں آسودگی ہے، خوشحالی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی آسمانی قانون ہے کہ مسلمان غریب ہوں اور غیر مسلم دولت مند ہوں؟

نہیں، دنیا میں امیری اور غریبی کا قانون ہر قوم کے لیے الگ نہیں ہے۔ دولت مندی کا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔

جو مسلمان کے لیے ہے وہی کافر کے لیے بھی ہے۔ جو آگے بڑھ کر اس قانون پر عمل کرے اس کے قدموں تلے دولت کے چشمے جاری رہیں گے۔

دولت پیدا کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ تجارت ہے۔ ملازمت سے غربت دور نہیں ہوسکتی، مزدوری سے غربت کا علاج نہیں ہوسکتا، کاشتکاری سے غریبی کا دروازہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ ان ذرائع سے چند افراد تو خوش حال ہو سکتے ہیں لیکن پوری قوم کی غربت نہیں ختم ہوسکتی۔ قومی غربت صرف تجارت سے ختم ہوسکتی ہے۔

مگر افسوس، غیروں نے اسے اپنایا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام تجارتیں، تمام منڈیاں اور تمام صنعت گاہیں ان ہی کے پاس ہیں۔

ہندوستان میں انگریز آئے تو تاجر بن کر آئے پھر تجارت ہی کے ذریعہ ہندوستان کے مالک بن بیٹھے۔

آج غیر مسلموں میں دولت کے جو خزانے نظر آرہے ہیں، یہ تجارت ہی کی دین ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان محنت کرتا ہے، خون پسینہ بہاتا ہے مگر دولت غیر مسلموں کی تجوریوں میں رکھی ہوئی ہے۔

بنارس میں ریشمی کپڑے بنانے والے مسلمان ہیں، بریلی میں فرنیچر کے بنانے والے مسلمان ہیں، میرٹھ میں قینچی کے صنعت کار مسلمان ہیں، علی گڈھ میں تالا بنانے کا کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مرادآباد میں برتن کے کاریگر مسلمان ہیں۔ مگر یہ سب غریب ہیں اور دولت سیٹھ جی کے گھر میں بھری ہوئی ہے، کیوں کہ تجارت ان کے ہاتھ میں ہے۔

تجارت مسلمانوں کے لیے صرف دنیوی خوشحالی کا ذریعہ نہیں تھی بلکہ اسی سلسلے میں دین کی اشاعت بھی ہوتی تھی اور اسی کے ذریعہ دین ودنیا کے اطراف وجوانب میں پھیلا۔

چین میں آج کئی کروڑ مسلمان ہیں جب کہ وہاں کبھی اسلامی حکومت نہیں تھیں۔ وہاں اسلام پھیلنے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ مسلمان تجارت کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور چین والے ان کی دیانت، امانت، سچائی، خلوص، ہمدردی اور خدا پرستی دیکھ کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جس طرح دوسری قومیں سود سے ترقی کررہی ہیں، مسلمان بھی جبھی ترقی کریں گے جب وہ پورے طور پر سودی کاروبار کو اپنا لیں۔ حالاں کہ یہ بہت بڑی گمراہی اور ذہنی دیوالیہ پن ہے۔

کیوں کہ دنیا کی ترقی سود سے نہیں بلکہ تجارت سے ہورہی ہے اور تجارت سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کا ایک معمولی حصہ سود میں دیا جارہا ہے۔

مثلاً آپ نے ایک ہزار روپے بینک میں جمع کیے، اس سے آپ کو سال میں پچاس روپے سود میں ملے، یقین کیجئے آپ کے اس ایک ہزار سے سال میں ڈیڑھ ہزار بنا اور آپ کو صرف پچاس روپے ملے۔

اگر آپ اس روپے کو تجارت میں لگا دیتے تو یہ رقم ڈیڑھ گنا ہوجاتی۔

اسلام نے ہر شخص کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی دولت کو مزید دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔

شریعت نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے اور اس کی بڑی فضیلتیں بیان کی ہیں۔ لیکن دولت سے مزید دولت بلا روک ٹوک نہیں پیدا کی جاسکتی۔ بلکہ اس پر زبردست قیود اور قانونی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ مثلاً تجارت میں بے لاگ سچائی اور دیانت کا اہتمام ضروری ہے۔ گاہک کو دھوکہ دینا اور اس سے اپنی چیز کا عیب چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔

مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّیْ. ''جس نے دھوکہ دیا وہ میرے لوگوں میں سے نہیں ہے۔''

اپنی تجارت اور بکری بڑھانے کے لیے اور زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا بھی بہت بڑی معصیت کا کام بتایا گیا ہے۔

مسلم ہی کی روایت ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ. ''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے قیامت کے دن بات کرے گا اور نہ ان کی طرف اپنی نظر کرم کرے گا۔''

ان میں ایک ہوگا: اَلْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ. ''اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ بیچنے والا۔''

تجارتی معاملات میں کوئی ایسا طریقہ نہیں اختیار کیا جاسکتا جس سے دوسرے افراد یا پورے سماج کو نقصان پہنچتا ہو۔

بھاؤ بڑھانے کے لیے ضروریات زندگی کو روکے رکھنا سخت منع ہے اور ایسے تاجروں پر لعنت کی گئی ہے۔

کوئی ایسا لین دین نہیں کیا جاسکتا جس میں بیچی جانے والی چیز بیچنے والے کے اپنے قبضے میں نہ ہو، کیوں کہ اس سے باہمی نزاع اور شر وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اسی طرح ان چیزوں کی بھی خرید وفروخت ممنوع ہے جن سے لوگوں کو دینی یا اخلاقی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جیسے نشلی چیزیں، تصویریں، رقص وسرود کے سامان، فحش لٹریچر وغیرہ۔

حرام ذرائع سے کمایا جانے والا مال نہ صرف یہ کہ حلال ذریعہ سے کمائے ہوئے مال کی بربادی کا سبب بنتا ہے بلکہ حلال کمائی اور پاک مال میں برکت ہے، قوت ہے، پائداری ہے۔ اور مال حرام میں گھاٹا ہے، نقصان ہے، تباہی اور بربادی ہے۔

ایک نکتہ:

قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو چیز پاک اور حلال ہوتی ہے اس کی پیدائش اور افزائش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن جو چیز حرام اور ناپاک ہوتی ہے اس میں قطعاً برکت نہیں ہوتی۔ مثلاً بکری پاک اور حلال ہے، جب کہ کتا ناپاک اور حرام ہے۔

بکری سال بھر میں دو بار بچے دیتی ہے وہ بھی ایک یا دو، یا حد سے حد تین، جب کہ کتیا سال بھر میں دو یا تین بار بچے دیتی ہے اور اکثر اس کے بچوں کی تعداد آٹھ دس تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر ہر جگہ یہ دیکھا جاتا کہ بکریاں جھنڈ کی جھنڈ پائی جاتی ہیں اور کتے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ روزانہ کروڑوں کی تعداد میں بکریاں ذبح کی جاتی ہیں۔ اور کتے کا گوشت کوئی نہیں کھاتا،

کیا یہ زندہ حقیقت یہ جاننے کے لیے کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال مال میں غیر معمولی برکت رکھی ہے اور حرام چیزوں کو برکت سے محروم کر دیا ہے؟

اسی لیے قرآن مجید و احادیث رسولؐ میں حلال کمائی کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور حرام کمائی کی بڑی وعید آئی ہے مثلاً، ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص حرام مال سے بچنے اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنے اور پڑوسیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کے لیے دنیا (روزی) کو حلال ذرائع سے طلب کرے گا، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔''

ترغیب و ترتیب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یوں منقول ہے: ''جس نے پاکیزہ روزی کھائی اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو تکلیف نہ دیا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''

مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص دور دراز کا سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور گرد آلود ہوتا ہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب! (مجھے یہ دے مجھے وہ دے) مگر اس کا کھانا اور پہننا حرام کا ہے اور وہ خود بھی حرام سے پلا ہے تو بھلا ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوگی۔''

مشکوٰۃ میں حدیث ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہوگی۔“

مشکوٰۃ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی منقول ہے: ”جس نے دس درہم کا ایک کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک اس کے جسم پر وہ کپڑا رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔“

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ اس نے حلال طریقے سے روزی کمائی ہے یا حرام طریقے سے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حکموں، کہ تم حلال روزی کھاء اور حرام سے بچو، میں ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔

کیوں کہ جس شخص کو فکر ہوگی کہ وہ حلال کھائے وہ محنت اور جدو جہد کے لیے کمر باندھے گا، وہ زمین و آسمان کے قدرتی خزانوں کی تلاش کرے گا، وہ تجارت، صنعت اور ملازمت میں ایمانداری اور دیانت داری سے کام لے گا، وہ دوسروں کے ساتھ دھوکا، مکر، فریب اور دغا نہ کرے گا، پس ایسا شخص ضرور کامیاب ہوگا۔ اور جس شخص کو حلال و حرام کی پرواہ نہ ہوگی، اس کا دل محنت اور جدو جہد کے بلند حوصلوں سے خالی ہوگا، اس کی نظر دوسروں کی کمائی ہوئی دولت پر ہوگی، وہ ہر معاملہ میں دغا اور فریب سے کام لے گا، وہ یتیموں، بیواؤں اور مجبوروں کی حق تلفی کرے گا، وہ بات بات پر جھوٹ بولے گا، وہ دباؤ اور ظلم سے غیروں کا مال ہڑپ کر لے گا، پس ایسے شخص کے لیے ناکامی، رسوائی اور تباہی یقینی ہے۔

یہ کوئی خیالی باتیں نہیں ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے رشوت سے، سودی کاروبار سے، فریب اور مکر سے اور چوری اور نمک حرامی سے مال جمع کیا وہ یکبارگی ایسے تباہ ہوئے جسے دیکھ کر دشمنوں کو بھی رحم آتا ہے اور یہ تباہی افراد تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ حلال و حرام کی تمیز نہ کرنے کی وجہ سے، حکومت، قوم اور جماعت پر بھی تباہی نازل ہوئی۔

جس مذہب کے علماء اور رہبر ناجائز رقمیں لے کر غلط سلط مسئلے بتاتے ہیں وہ مذہب برباد اور بدنام ہو جاتا ہے، جس حکومت کے اہل کار رشوت لے کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں وہ حکومت معاشی دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس قوم کے لیڈر روپیوں پر بک جاتے ہیں وہ قوم مٹ جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض جہاں حرام کمائی اور حرام خوری کا دور دورہ ہے، وہاں ہلاکت اور بربادی ضروری ہوتی ہے۔

دنیا کی تمام چیزوں کی طرح حلال وحرام مال میں بھی الگ الگ اثر ہوتا ہے۔ حلال مال کھانے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے، طبیعت میں نیکی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے اور حرام مال سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، طبیعت نیکی سے بھاگتی ہے۔ انسان کے دل سے ہمدردی، غمگساری اور خوف خدا جاتا رہتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ رزق حلال کے پابند اور حلال وحرام میں تمیز نہ کرنے والوں کے اخلاق و عادات میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔

حلال روزی سے گداز قلب پیدا ہوتا ہے، معرفت بڑھتی ہے اور ایمان میں پختگی آتی ہے لیکن اس کے برخلاف حرام روزی کی طرف میلان سے دل بجھ جاتا ہے۔ افکار و خیالات میں تاریکیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک طرح سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔

اب اپنی اپنی پسند ہے جو جیسا پسند کرتا ہے اس کا انجام وہی ہوگا۔

کچھ لوگ جو لطیف مزاج اور پاکیزہ خیال ہوتے ہیں، وہ ہر معاملے میں پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور عرفان حق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اور بعض لوگ اندھے اور باؤلے ہوتے ہیں، وہ بلا سوچے سمجھے ہر چیز کو نگل جاتے ہیں اور اسی میں مست رہتے ہیں۔

ایک واقعہ:

مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں ایک بھنگی کی کہانی لکھی ہے، جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ باعث عبرت ونصیحت بھی ہے۔

ایک بھنگی کسی عطر فروش کی دوکان کے پاس سے گذرا اور دوکان کے پاس پہنچتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

لوگوں نے اسے ہوش میں لانے کے لیے عطر سونگھایا، گلاب چھڑکا اور بہت سی تدبیریں کیں، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اس کے بھائی کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ فوراً سمجھ گیا اور تھوڑی سی غلاظت لاکر اس کی ناک پر رکھ دیا۔ بدبو کا ناک میں جانا تھا کہ آنکھیں کھل گئیں اور بے ہوشی جاتی رہی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقیناً یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ عطر سونگھانے اور گلاب چھڑکنے سے جو نہایت لطیف چیزیں ہیں، اسے ہوش نہ آیا لیکن بدبو کے سونگھنے سے بھلا چنگا ہو گیا۔

لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

کیوں کہ آدمی جس ماحول میں رہتا ہے، جن حالات سے گذرتا ہے، وہی کیفیت اور اسی طرح کے اثرات اس کے دل و دماغ میں رچ بس جاتے ہیں۔ انہی سے اسے راحت ملتی ہے اور وہی اس کے مرض کی دوا ثابت ہوتے ہیں۔

اسی طرح آج ہماری حالت ہے کہ صرف حرام کمائی ہی میں ہمیں ذہنی سکون ملتا ہے اور حرام روزی ہی کو ہم اپنی اصلی روزی سمجھتے ہیں۔

لیکن ایمان والے ہمیشہ حلال روزی کی جستجو کرتے تھے اور حرام کمائی اور حرام روزی سے اس قدر دور بھاگتے تھے جیسے کوئی شخص سانپ اور زہریلے جانور سے بھاگے۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام تھا، ایک دن وہ دودھ لے کر آیا اور ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے پی لیا، اس کے بعد غلام نے بتایا کہ اس نے کچھ لوگوں کو غیب کی باتیں بتائی تھیں جس سے خوش ہو کر انہوں نے بکری انعام میں دی تھی، یہ اسی کا دودھ ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی اور سارا دودھ باہر نکال دیا۔

یہ اس لیے کہ اگر حرام کی کوئی چیز قلب تک پہنچ گئی تو اس کو فاسد اور تاریک بنا دے گی۔

کتاب و سنت نے حلال و حرام کو کھول کھول کر واضح طور پر بتا دیا ہے۔ لیکن بعض چیزیں مشتبہ ہوتی ہیں جن کے بارے میں انسان فیصلہ نہیں کر پاتا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟

ایسی چیزوں کے بارے میں ایک مومن کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

بخاری و مسلم میں حضرت نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حلال واضح ہے اور حرام واضح اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، جو شخص ان مشکوک چیزوں سے بچا وہ اپنا دین اور اپنی عزت بچا لے گیا اور جس شخص نے ان مشتبہ چیزوں کو اختیار کیا وہ حرام میں ملوث ہو گیا۔''

ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر جو شک میں نہیں ڈالتی ہے، اس لیے کہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک وتردد کا باعث ہے۔''

مومن کو مشتبہ چیزوں سے اسی طرح بچنا چاہیے جس طرح وہ حرام چیزوں سے بچتا ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے، آپ کے سامنے ایک پیالہ گوشت رکھا ہے جسے آپ کھانے جا رہے ہیں، آپ کا میزبان جو آپ کا ایک مخلص ترین دوست ہے، کہتا ہے کہ یہ حلال بکری کا گوشت ہے لیکن فوراً ہی ایک معتبر آدمی آ کر کہتا ہے کہ یہ تو مردار کا گوشت ہے۔

ظاہر بات ہے کہ آپ اس گوشت کو استعمال نہ کریں گے کیوں کہ آپ شک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی طرح جس کا ضمیر مردہ نہ ہو بلکہ زندہ ہو اس کو مشتبہ چیز فوراً کھٹک جاتی ہے لیکن جس کا ضمیر مردہ ہو اس کے لیے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔

چند واقعات:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، بہت بڑے امام اور محدث تھے۔ انہوں نے حق کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسند احمد، ان کی مشہور کتاب ہے جس میں چالیس ہزار حدیثیں درج ہیں۔

آپؒ پر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ حکومت کی طرف سے آپ کی خدمت میں بڑی بڑی دولت پیش کی گئی مگر آپ نے اس میں سے ایک پیسہ بھی لینا گوارا نہیں کیا، محض اس اندیشہ سے کہ پتہ نہیں بادشاہ نے اسے حلال طریقے سے حاصل کیا ہے یا حرام طریقے سے؟

ایک بار انہیں معلوم ہوا کہ ان کے لڑکے صالح شاہی عطیہ قبول کرتے ہیں، تب سے ان کے گھر کی کوئی چیز نہیں استعمال کی۔

ایک دفعہ آپؒ کی طبیعت خراب ہو گئی، حکیم نے انہیں بھنے ہوئے کدو کا پانی پینے کا حکم دیا۔ ایک روز صالح کا چولہا گرم تھا، لوگوں نے کہا اس پر کدو بھون لیا جائے مگر انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا:

''اس شخص کے گھر شاہی رقم آتی ہے اور اس رقم سے خریدی ہوئی چیزیں اس چولہے پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پکتی ہیں۔اس لیے میں اس چولہے سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتا۔''

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ بھی ایک مشہور امام و محدث گذرے ہیں۔ان کے والد مبارکؒ کو ایک شخص نے اپنے باغ کا نگہبان مقرر کیا۔اس باغ میں ہر طرح کے میوے اور عمدہ عمدہ پھل تھے،مگر انہوں نے کبھی کسی درخت کا پھل نہیں کھایا۔

ایک دن باغ کے مالک نے ان سے کہا:''ایک کھٹا انار لے آؤ۔''

مبارکؒ باغ سے ایک انار توڑ لائے،مالک نے چکھا تو وہ میٹھا نکلا،وہ مبارکؒ پر ناراض ہو گیا اور کہا:''میں کھٹا انار مانگتا ہوں اور تم میٹھا انار توڑ لائے ہو،اتنے دن سے تم اس باغ میں رہتے ہو تمہیں ابھی تک کھٹے اور میٹھے پھلوں کی تمیز نہیں ہوئی۔''

انہوں نے جواب دیا:''میٹھا اور کھٹا تو چکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور میں نے آج تک کوئی پھل چکھا ہی نہیں تو میں کیا جانوں کہ کون سا پھل میٹھا ہے اور کون کھٹا ہے؟''

باغ کے مالک نے تعجب سے پوچھا:''کیا اتنے زمانے میں تم نے اس باغ کا کوئی پھل کھایا ہی نہیں؟''

انہوں نے کہا:''آپ نے مجھے صرف باغ کی رکھوالی پر مقرر کیا تھا،کھانے کی اجازت تو نہ دی تھی۔پھر میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا مال کیسے کھاتا؟''

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ ایک بار انہوں نے اپنے شریک تجارت کے پاس کچھ سامان بھیجا،جس میں ایک کپڑا عیب دار تھا،اس سے کہلا دیا کہ بیچتے وقت گاہک سے اس کا پورا عیب بیان کر دینا۔

شریک نے اسے بیچ دیا مگر عیب بیان کرنا بھول گیا اور یہ بھی اسے یاد نہیں رہا کہ خریدار کون تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے سامان کی پوری قیمت خیرات کر دی،جس کی مقدار تقریباً تیس ہزار درہم تھی اور شریک سے قطع تعلق کر لیا۔

ایک دن حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ایک شخص کے دروازے پر دھوپ میں بیٹھا دیکھا گیا۔کسی نے کہا:ادھر سایہ میں آجائیے تو کیا حرج ہے؟انہوں نے کہا:

''اس صاحب خانہ کے ذمہ میرے چند درہم قرض ہیں،اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سایہ میں بیٹھوں اور نفع حاصل کروں۔"

الغرض ایک مومن کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ وہ صرف کسب حلال کی فکر کرے اور حرام کمائی سے قطعاً پرہیز کرے۔

شہد یقیناً ایک لذیذ اور مفید چیز ہے لیکن اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ملا ہے، تو کیا وہ اسے پینے پر تیار ہو گا؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح حرام روزی بھی سم قاتل سے کم نہیں ہے۔ اس کے استعمال کے بعد دنیا و آخرت کی بربادی لازمی ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو معاش کے معاملے میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے، کیوں کہ دنیا کے چند روزہ آرام اور لذت کے لیے آخرت کا ابدی نقصان برداشت کرنا کسی حال میں بھی عقل مندی کا کام نہیں ہے۔

آخر میں ایک بار پھر میں اسی حدیث رسول کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حرام روزی اور حرام پوشاک سے بندہ کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی ہیں۔

آج ہم ہر چہار طرف ذلت اور بربادی کا شکار ہیں اور ہیبت ناک دور سے گذر رہے ہیں، ہم ان حالات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر بے سود، ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں مگر ساری دعائیں صدا بصحرا ثابت ہوتی ہیں، آخر کیوں؟

کہیں یہ ہماری حرام کمائی اور حرام روزی کا نتیجہ تو نہیں ہے؟

لہٰذا ہمیں ہوش میں آ جانا چاہیے اور صدق دل سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے ہر طرح کے کسب حرام کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں خلوص اور ارادوں میں استحکام عطا فرمائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

روزه

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّابَعْدُ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.

مومنو! مژدہ کہ رمضاں کا مہینہ آیا   فرش والوں کے لیے عرش کا زینہ آیا
عاصیوں کو لب ساحل سے لگانے کیلئے   رحمتِ خاص کی جانب سے سفینہ آیا
تھیں جو انگشتری توریت و زبور و انجیل   لیلۃ القدر میں قرآں کا نگینہ آیا
قید جب ہوکے شیاطین اندھیروں میں گرے   تب تو ابلیس کے دانتوں میں پسینہ آیا

جس نے آداب پہ روزوں کے بھی رکھی ہے نظر
ایسے خوش بخت کے دامن میں خزینہ آیا

حضرات! تمام تعریف، ہر قسم کی بزرگی و برتری اور عظمت و کبریائی اللہ رب العالمین ہی کے لیے لائق اور زیبا ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا، زندگی گزارنے کے لیے ہمیں ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں عطا فرمائیں، اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بننے کا شرف بخشا اور ہماری نجات اور مغفرت کے لیے رمضان کا مقدس ترین مہینہ عطا فرمایا۔

اس دنیا میں ہمارا اور آپ سب کا یہ معمول ہوتا ہے کہ ہم اپنے دوست کو کھانا کھلاتے ہیں، دشمن کو نہیں۔ ہم اس کے ساتھ الفت اور محبت کا سلوک کرتے ہیں جو ہماری باتوں کو مانتا ہے، لیکن جو شخص ہماری باتوں کو ٹھکراتا ہے، ہم اس کے ساتھ کوئی بھی اچھا سلوک کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت عام ہے، دوست کے لیے بھی اور دشمن کے لیے بھی، فرماں بردار کے لیے بھی اور نافرمان کے لیے بھی، ماننے والے کے لیے بھی اور انکار کرنے والے کے لیے بھی۔

چنانچہ جس طرح وہ ایک مومن کو روزی دیتا ہے، اسی طرح ایک کافر کو بھی روزی دیتا ہے۔ جس طرح وہ کلمۂ توحید کے پڑھنے والے کے کھیت میں پانی برساتا ہے اسی طرح اس کلمہ کے منکر کے کھیت کو بھی پانی سے محروم نہیں رکھتا۔ یہ زمین جس طرح سے اللہ کے فرماں بردار کے لیے بنائی گئی ہے اسی طرح اللہ کا نافرمان بندہ بھی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سورج کی کرنیں اور آسمان سے اترنے والی بارش مومن اور کافر کو یکساں طور پر فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ اللہ کی چلائی ہوئی ہوا سے بلا استثنا ہر کوئی فیض اٹھاتا ہے، چاہے وہ اللہ کی عبادت کر رہا ہو یا اس کے وجود تک سے انکاری ہو۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بڑی مومنانہ بات کہی ہے ؂

ادیم زمین سفرۂ عام اوست   چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

”روئے زمین اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچھایا گیا دستر خوان ہے چاہے دوست اس سے فائدہ اٹھائے چاہے دشمن۔“

ذرا ہم غور کریں، جس اللہ کی رحمت اور ربوبیت کا یہ عالم ہو کہ وہ غیروں پر، دشمنوں پر، نافرمانوں پر، منکروں پر، مشرکوں پر اور دہریوں پر اس قدر مہربان ہو وہ اللہ اپنے ماننے والوں پر، اپنے رسولؐ کے امتیوں پر، اپنے دوستوں پر، اپنے فرمانبرداروں پر اور اپنی طرف رجوع کرنے والوں پر کس قدر مہربان ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف رجوع کرنے والوں سے کس قدر محبت ہوتی ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ”مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔“

اللہ کا در وہ در ہے جہاں نادم ہو کر آنے والے کو اس کے گناہوں پر معطون نہیں کیا جاتا کہ کل تک تو نے کبھی یاد نہیں کیا، آج کیسے آ گئے؟

جیسے یار لوگ بزرگوں کے آستانوں پر بیٹھ کر صدا لگاتے ہیں کہ

”کچھ لے کے آؤ گے تو کچھ لے کے جاؤ گے، خالی ہاتھ آؤ گے تو خالی ہاتھ جاؤ گے“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر یہ وہ در ہے کہ جہاں کہا جاتا ہے:

''خالی ہاتھ آؤ، دامن بھر کر جاؤ، کچھ نہ لے کر آؤ، سب کچھ لے کر جاؤ، اس در پر آنے والوں کی جیب کو نہیں دل کو دیکھا جاتا ہے''

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. ''میرے (خطاکار) بندوں کو بتا دیجئے کہ میں غفور الرحیم ہوں''

یعنی تمہارے گناہ بہت ہیں تو میری رحمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّھَارِ ''اللہ تعالیٰ روزانہ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن کا گنہگار توبہ کر لے''

وَ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ ''اور دن کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے''

خطا کار بندہ جب نفس سے مغلوب ہو کر، یا شیطان کے دھوکے میں آ کر اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے اور پھر نادم ہو کر اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کے دامن رحمت کو اپنے لیے کھلا ہوا پاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. ''جو شخص برا کام کر ڈالے یا اپنے نفس پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ کو غفور الرحیم پائے گا۔''

کسی باپ کا بیٹا نالائق اور بے وفا نکل جائے، اپنے باپ کی کمائی ہوئی ساری دولت و جائداد کو تباہ کر ڈالے اور اپنی حرکتوں سے باپ کے بنائے ہوئے گھر کی تباہی کا سبب بن جائے پھر اچانک اس کے دل میں ندامت پیدا ہو اور اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اپنے باپ کے قدموں میں گر پڑے، تو روٹھا ہوا باپ اپنے باغی بیٹے سے اتنی جلدی راضی نہیں ہوتا جتنی جلدی اللہ تعالیٰ اس خطا کار سے راضی ہو جاتا ہے جو گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے۔

انسان نے بہت بڑے بڑے گناہ کیے ہوں لیکن اسے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اللہ کے در پر سر جھکا کر دیکھے، اس کی رحمت کو آزما کر دیکھے، اس کے آنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دیر ہے، اللہ کے راضی ہونے میں دیر نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں بڑی عجیب بات کہی ہے۔

''جب کوئی خطا کار انسان شرمندہ ہو کر اللہ کے حضور جھکتا ہے اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے یوں سہارا دیتی ہے جیسے کوئی شیر خوار بچہ گہوارے میں لیٹا ہو، وہ بھوکا ہو، پیاسا ہو، اس کی طبیعت اداس اور بے چین ہو، وہ رو رہا ہو اور تڑپ رہا ہو تو اس کے رونے کی آواز سن کر ماں بے قرار ہو جاتی ہے، وہ فوراً بچے کو اٹھاتی ہے، اسے دودھ پلاتی ہے اور بہلاتی ہے اور اسے اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک وہ اپنے بچے کو مسکراتا ہوا نہ دیکھ لے۔

جس طرح بچے کے رونے سے ماں کی ممتا بے قرار ہو جاتی ہے، اسی طرح فرش پر جب گنہگار روتا ہے تو عرش پر اللہ کی رحمت بے قرار ہو جاتی ہے۔''

کہنے والے نے بہت خوب کہا ہے ؎

تم کو شکوہ ہے ہمارا مدعا ملتا نہیں   دینے والے کو گلہ یہ ہے، گدا ملتا نہیں
بے نیازی دیکھ بندے کی کہ کہتا ہے کریم   دینے والا دے کسے، دست دعا ملتا نہیں

اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت عمدہ، جامع اور لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

ایک حدیث مسلم کی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا:

''اگر تم میں سے کسی کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھو گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی پر لدا ہو۔ اور وہ شخص اپنے اونٹ، اپنے ساز و سامان اور اپنی روزی کو تلاش کر کر کے ناامید ہو چکا ہو، یہاں تک کہ ناامید ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو اور عین اسی حالت میں وہ یکایک دیکھے کہ اس کا کھویا ہوا اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہے تو اس کو جیسی خوشی ہوگی اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔''

دوسری حدیث بخاری کی ہے جو اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار کر کے لائے گئے۔ انہی قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ کہیں کھو گیا تھا اور وہ اپنے بچے کی جدائی سے اس قدر بے چین اور پریشان تھی کہ جس کے بچے کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاتی اسے اٹھا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کو دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا:

''کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟''

ہم نے کہا'' ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار وہ آپ گرتا ہو تو اپنی حد تک یہ اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا. ''اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت جو اس کے مومن اور فرماں بردار بندوں کے لیے مخصوص ہے، اسی کا گراں قدر حصہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔

جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا پہلا عشرہ اللہ کی رحمت کا، دوسرا اللہ کی مغفرت کا اور تیسرا جہنم سے رہائی کا ہے۔''

بخاری کی حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رمضان میں ادا کی جانے والی نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے اور فرض کا اجر و ثواب اور دنوں کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔''

لیکن کوئی بھی نعمت ہمارے لیے تبھی مفید اور کارآمد ہو سکتی ہے، جب ہم دل و جان سے اس کی قدر کریں۔ ویسے کوئی بہت بڑی نعمت ہو اور ہم اسکی قدر نہ کریں تو نقصان ہمارا ہو گا نہ کہ اس قیمتی نعمت کا۔

مثلاً صفائی ایک مسلمہ اصول ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے بدن، اپنے کپڑے، اپنے گھر اور اپنے گرد و پیش کو صاف ستھرا رکھے لیکن اگر پوری دنیا صفائی کو چھوڑ کر گندگی اختیار کر لے تب بھی صفائی کی اہمیت اور افادیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔

سورج سے پوری دنیا کو روشنی ملتی ہے لکن کوئی شخص اگر اس کی روشنی سے اپنی نگاہیں بند کر لے تو سورج کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ نقصان اس کا ہو گا جس نے سورج کی روشنی سے اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھیں بند کر لی ہیں۔

اسی طرح کوئی شخص رمضان کے مقدس مہینے کی بے قدری کرے، روزوں کی پرواہ نہ کرے، بلا عذر شرعی روزہ توڑ دے اور کھلے عام کھائے پئے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ رمضان اور اس کے روزوں کی بے قدری کر رہا ہے بلکہ خود اپنے آپ کو اللہ کی ایک عظیم ترین نعمت سے محروم کر رہا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ کسی بھی نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس کا اسی طرح استعمال کریں جس طرح اس کے استعمال کا حق ہوتا ہے۔

فرض کیجیے، یہ لاؤڈ اسپیکر جو میرے سامنے لگا ہے اور میری آواز کو دور تک پہنچا رہا ہے، یہ اپنا کام کیوں کر رہا ہے؟ اسی لیے نا کہ اس کا صحیح استعمال ہو رہا ہے۔"

لیکن اگر اس کے تاروں کو اس کی مشین سے الگ کر دیں، یا ایمپلی فائر اور بیٹری کا کنکشن کاٹ دیں یا ہارن کا ربط مشین سے توڑ دیں تو ظاہر بات ہے کہ لاؤڈ اسپیکر موجود ہونے کے باوجود ہمارے لیے بیکار اور بے فائدہ ہوگا۔

ایک دوسری مثال لیجیے: ایک شخص کے جسم پر پھوڑے ہیں، ڈاکٹر نے اسے ایک مرہم دیا اور بتایا کہ اس کا استعمال کرو، تمہارے جسم کے پھوڑے ختم ہو جائیں گے لیکن مرہم کو لگانے کے بجائے اس نے اسے کھا لیا تو بھلا اسے کوئی فائدہ ملے گا؟

حالاں کہ مرہم کا بدن پر لگانا بھی اس کا استعمال کرنا ہے اور اسے کھا لینا بھی اس کا استعمال کرنا ہے لیکن مرہم کا لگانا اسی کا صحیح استعمال ہے اور مرہم کا کھا لینا اس کا بے جا استعمال ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک کے فیوض و برکات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری نیتوں میں خلوص ہو۔ دل میں اپنی عبدیت اور اللہ کی معبودیت کا یقین ہو، فلاحِ آخرت کی آرزو ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب ہو یعنی ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔

بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَّ اِحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. "جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔"

رمضان المبارک:

اب آیئے ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں رمضان المبارک کی عظمت، فضیلت اور اہمیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ایک نظر ڈالیں۔

قرآن مجید، جو رشد و ہدایت کی کتاب ہے جس کے نازل ہو جانے کے بعد آسمانی کتابوں کے نزول کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے...... اسی مقدس مہینے میں نازل کیا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ. ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راستہ دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

اسی مقدس ماہ میں جہاد کی فرضیت کا حکم ہوا۔

اسی مہینے میں وہ مبارک رات ہے جسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے، جس کی ایک رات ایک ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔''

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک بار رمضان کے آنے پر آپؐ نے فرمایا:

''یہ (رمضان کا) مہینہ آگیا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینے (کی عبادت) سے بہتر ہے۔ جو اس رات کی نیکی سے محروم رہا وہ کل نیکیوں سے محروم رہا اور اس کی نیکیوں کو وہی چھوڑے گا جو بدنصیب ہوگا۔''

ترمذی میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن جکڑ دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور کوئی دروازہ کھلا نہیں رکھا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔''

اس دنیا میں انسان کے پاس بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جیسے مال، اولاد، بیوی، اعزہ و اقارب، زمینیں، مشینیں اور کارخانہ وغیرہ لیکن انسان کا اصل سرمایہ اس کی نیکیاں اور اس کے اچھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال ہیں۔

کیوں کہ دنیا کی چیزیں صرف دنیوی زندگی میں انسان کے کام آتی ہیں لیکن نیکیاں دنیا میں بھی سکون وعافیت کا سبب بنتی ہیں اور آخرت میں بھی نجات اور مغفرت کا ذریعہ بنیں گی۔

فرض کیجئے ایک شخص ایسا ہے جس کے تین دوست ہیں، بتایئے ان تینوں میں سب سے زیادہ محبوب، قابل قدر اور قابل اعتماد دوست کون ہے؟

اس کا پہلا دوست وہ ہے جو پوری زندگی اس آدمی کے ساتھ رہتا ہے، ہر بھلے برے وقت میں اس کے کام آتا ہے لیکن جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ دوست اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

دوسرا دوست وہ ہے جو پوری زندگی اس آدمی کے ساتھ رہتا ہے، موت کے وقت بھی اس کے ساتھ رہتا ہے اور کفن دفن تک اس کا ساتھ نبھاتا ہے اور کفن دفن کے بعد اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

تیسرا دوست وہ ہے جو پوری زندگی اس کے ساتھ رہتا ہے، ایک ایک سانس تک اپنا سایہ اس شخص پر رکھتا ہے۔ بیماری اور مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ موت کے وقت بھی اس کے ساتھ رہتا ہے اور قبر میں جب منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں تو اس وقت بھی وہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور میدانِ حشر میں...... جہاں کوئی کسی کا یار و مددگار نہیں ہوگا......اس کا مددگار اور اس کی نجات اور مغفرت کا ذریعہ بنے گا۔ بتایئے ان تینوں میں کون اصل دوست ہے جس کی دوستی قابل اعتبار ہے؟

ظاہر بات ہے کہ وہی دوست جو زندگی میں بھی ساتھ دے، بیماری اور موت کے وقت بھی ساتھ دے، قبر میں سوال و جواب کے وقت اس کا رہنما ہو اور حشر کی ہولناکیوں سے بھی بچائے۔

انسان کا پہلا دوست جو صرف اس کی زندگی میں اس شخص کے ساتھ رہتا ہے وہ اس کا مال ہے۔ یعنی مال، زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے اور موت آجانے کے بعد انسان مال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پاتا، اور نہ مال اس کے کام آتا ہے۔

دوسرا دوست جو زندگی بھر ساتھ رہتا ہے اور موت کے وقت بھی ساتھ رہتا ہے اور کفن دفن کے بعد جدا ہوتا ہے وہ انسان کی اولاد، اس کی بیوی اور اس کے اعزہ وا قارب ہیں۔

تیسرا دوست جو پوری زندگی ساتھ رہتا ہے، قبر میں بھی ساتھی ہوتا ہے اور حشر میں بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مددگار ہوگا۔وہ انسان کے اچھے اعمال اور اس کی نیکیاں ہیں۔

معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کمائی ہوئی دولت، اپنی زمین، اپنی جائداد، اپنے بینک بیلنس اور اپنے بیوی بچوں اور عزیز واقارب سے زیادہ اس سرمایہ کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے جسے نیکی کہا جاتا ہے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں سے ایک کا نام ریان ہے، یہ دروازہ صرف روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا کوئی ایسا بھی خوش نصیب ہے جو جنت کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہونے کا حق رکھتا ہو؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، ہے۔'' انہوں نے پوچھا: ''وہ کون ہے؟'' ارشاد ہوا: ''تم اے ابوبکر! تم جنت کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہو سکتے ہو۔''

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ مقام اور مرتبہ کیوں ملا؟

ظاہر بات ہے کہ ان کے اچھے اعمال اور ان کی نیکیوں کی وجہ سے ملا۔ اور رمضان کا مقدس مہینہ نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو اللہ کی طرف سے منادی کرنے والا پکارتا ہے:

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ. ''اے نیکی اور ثواب کے کمانے والے آگے بڑھ۔''

وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ. ''اور اے برائی کرنے والے برائی سے باز آجا۔''

آیئے ہم اس بات کا تفصیلی جائزہ لیں کہ رمضان کا مہینہ کس طرح سے نیکیوں کی بہار کا مہینہ ہے۔

روزہ دار صبح صادق سے پہلے سحری کھاتا ہے۔

سحری:

مسلم شریف کی حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً. ''سحری کھالیا کرو کیوں کہ سحری کھانے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برکت ہے۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

اَلْفَرْقُ بَیْنَ صِیَامِنَا وَ صِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اَکْلَۃُ السَّحْرِ. "ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔"

روزہ دار صبح صادق سے پہلے روزہ کی نیت کرتا ہے، جو بہت ضروری ہے۔

ترمذی کی حدیث ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے صبح صادق سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ، روزہ نہیں ہے۔"

لیکن یاد رہے کہ نیت کے لیے حدیث میں کوئی الفاظ نہیں آئے ہیں۔ نیت صرف دل کے ارادے کا نام ہے۔

افطار:

روزہ دار پورا دن بلا کھائے پیئے گذار دیتا ہے اور غروب آفتاب کے فوراً بعد یہ دعا پڑھ کر افطار کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ. "اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیری دی ہوئی روزی پر افطار کر رہا ہوں۔"

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کھجور سے روزہ افطار کرنا چاہیے کیوں کہ اس میں برکت ہے، اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے کرنا چاہیے کیوں کہ وہ پاک ہے۔"

چنانچہ آپؐ کا معمول تھا کہ کھجوروں سے افطار کرتے تھے۔ اگر تازے کھجور نہ ملتے تو خشک کھجوروں سے اور اگر وہ بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی سے افطار کرتے تھے۔

افطار کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "افطار کے وقت دعا رد نہیں ہوتی بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے۔"

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرادے اس کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔ وہ دوزخ سے آزاد کر دیا جاتا ہے اور اسے روزہ دار کے برابر ثواب ملتا ہے جب کہ روزے دار کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔"

کسی نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر کسی کو یہ فراخی میسر نہیں ہے کہ وہ کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی عطا فرماتا ہے تو دودھ سے یا کھجور سے یا پانی سے افطار کراتا ہے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (کوثر) سے ایسا جام پلائے گا جس کو پی کر اسے کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔"

تراویح:

رمضان میں نمازِ عشاء کے بعد، وتر سے پہلے ایک مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے جسے تراویح کہتے ہیں۔

بخاری کی حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَّ اِحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. "جو شخص رمضان کی راتوں میں اخلاص و ثواب کی نیت سے قیام کرے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ: "وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔"

نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعت ہے۔

بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں (رات کی نماز) گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

ابن حبان اور ابن خزیمہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو رمضان میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور پھر وتر پڑھی۔

موطا امام مالک میں حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو آٹھ رکعت نماز (تراویح) پڑھائیں۔

شب قدر:

اس مقدس مہینے میں وہ مخصوص رات ہے جسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ قدر میں ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ. ''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ. ''اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟''

لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. ''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ. ''فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اِذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔''

سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ. ''وہ رات طلوع فجر تک سراسر سلامتی ہے۔''

مؤطا امام مالک میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گذرے ہوئے لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں، جو آپ کی امت کی عمروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اس پر آپؐ کو افسوس ہوا کہ میری امت ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے۔ گویا اتنے سال اور ماہ کی عبادت سے بڑھ کر شب قدر کی ایک رات کی عبادت ہے۔

شب قدر کے لیے کسی مخصوص رات کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔

بخاری کی روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی ایک مخصوص دعا سکھائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ. ''اے اللہ! تو مجسم معافی ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس میرے گناہوں کو بخش دے۔''

اعتکاف:

رمضان مقدس کی عبادات میں سے ایک مخصوص عبادت اعتکاف ہے۔ اس میں بندہ دنیا کی ہر چیز سے بے تعلق ہو کر اور ہر لطف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف لو لگا کر دن رات اس کی عبادت کرتا ہے جس سے دل کی غفلت کا پردہ دور ہو جاتا ہے اور اس پر اللہ کی یاد کا سکہ جم جاتا ہے، اس سے روح کی صحیح تربیت ہوتی ہے اور انسان کے اندر عبادت و ریاضت کی صلاحیت اجاگر ہو جاتی ہے۔ یہ عبادت رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔اور آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواجِ مطہرات نے اعتکاف کیا۔

ذرا ہم غور کریں کہ رمضان کا مہینہ نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرنے کا کتنا بہترین موقع ہے۔ان موقعوں کو،ان گھڑیوں کو اور لمحوں کو ضائع کر دینے والا کتنا بدنصیب ہے؟

مستدرک حاکم میں واقعہ آتا ہے:

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منبر کے پاس جمع ہونے کا حکم دیا۔جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ منبر پر چڑھے اور جب اس کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسری پر قدم رکھا تو کہا آمین اور جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر کہا آمین۔ جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا"یارسول اللہ! ہم نے آپ سے آج ایک ایسی بات سنی جو اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔"

آپؐ نے فرمایا:"ہاں۔بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ میرے پاس آئے،جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا"وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے جو رمضان کا مہینہ پائے اور اللہ کی مغفرت نہ حاصل کرے۔"اس پر میں نے آمین کہا۔پھر جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا"وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے جس کے سامنے آپ کا ذکر آئے اور آپؐ پر درود نہ بھیجے۔"اس پر میں نے آمین کہا۔اور جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا:"وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے جو اپنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت کا حق دار نہ بن جائے۔"اس پر بھی میں نے آمین کہا۔

ایک نکتہ:

رمضان میں روزہ دار بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کرتا ہے اور بھوک و پیاس سے انسان کے اندر جسمانی کمزوری پیدا ہوتی ہے،کیوں کہ غذا ہی پر انسان کی قوت اور بقا کا دارومدار ہے لیکن انسان کی اصل طاقت اس کی جسمانی طاقت یا اس کی مادی طاقت نہیں ہے بلکہ انسان کی اصل قوت اس کی روحانی قوت ہے۔

جسمانی طاقت رکھنے والا زندگی کے بہت سے معرکوں میں ناکام رہتا ہے مگر روحانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاقت والا زندگی کے کسی بھی میدان میں نہ تو ناکام ہوتا ہے، نہ مایوس اور دل برداشتہ۔

روزہ بظاہر انسان کے اندر کمزوری لاتا ہے لیکن حیرت انگیز طور پر وہ انسان کی روح کی ارتقاء اور اسے طاقتور بنانے میں سب سے زیادہ مؤثر رول ادا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ روحانی مقابلے کا یہ مہینہ اسلام کی تاریخ میں فوجی مقابلے کا بھی مہینہ رہا ہے اور حیرت انگیز طور پر کفر واسلام کے بڑے بڑے معرکے اسی مقدس ماہ میں پیش آئے ہیں اور قلیل التعداد اور بے سروسامانی کے باوجود فتح وکامرانی نے ایمان والوں کے قدم چومے ہیں۔ مثلاً

غزوۂ بدر رمضان ۲ھ میں پیش آیا۔

اس میں ایمان والوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ اور یہ تقریباً نہتے، سامان حرب و ضرب سے عاری اور بھوک و افلاس کے مارے تھے۔ لیکن قلیل التعداد اور بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو قریش کی تین گنی سے زیادہ فوج پر ایسی فیصلہ کن فتح نصیب فرمائی کہ ستر بڑے بڑے کافر اس میں مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں گرفتار بھی ہوئے۔

فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔ اور یہ بات بلاشک وشبہ کہی جاسکتی ہے کہ اس فتح نے اسلام کو پورے عرب پر غالب کردیا۔

غزوۂ تبوک رمضان ۹ھ میں ہوا۔ جس کے نتیجے میں رومیوں پر اہل اسلام کی شاندار فتح ہوئی اور ان کے دلوں پر فدایانِ اسلام کا رعب سا گیا۔

جنگ فلسطین رمضان ۱۵ھ میں ہوئی۔

اس جنگ میں اسلامی فوج نے حضرت عمرو ابن عاصؓ کے زیر قیادت فلسطین کو نہ صرف فتح کیا بلکہ مسلمانوں کے قبلہ اول اور معراج محمدی کی پہلی منزل، یعنی بیت المقدس کو بھی اسلامی حدود میں شامل کرلیا۔

معرکۂ اسپین رمضان ۹۱ھ میں پیش آیا۔

اس معرکہ میں طارق بن زیاد کی قیادت میں اسلامی فوج اسپین میں داخل ہوئی اور پھر پورا اسپین مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔

واقعۂ سندھ رمضان ۹۶ھ میں پیش آیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ محمد بن قاسم ہندوستان کے سندھ علاقے میں داخل ہوئے اور وہاں اسلام کو پھیلایا جس کے نتیجے میں آج کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔

جنگ صقلیہ رمضان ۲۱۲ھ میں ہوئی۔

اس جنگ میں زیاد ابن اغلب نے جزیرہ صقلیہ کو فتح کیا۔

حطین کی جنگ رمضان ۵۸۴ھ میں ہوئی۔

یہی وہ جنگ ہے جس میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبی طاقتوں پر حیرت انگیز فتح حاصل کی۔

معرکہ عین جالوت رمضان ۶۵۸ ہجری میں پیش آیا۔

اس معرکہ میں تاتاریوں کی شکست فاش ہوئی اور مسلم دنیا میں ان کی پیش قدمی روک دی گئی۔

جنگ سوئز رمضان ۱۳۹۳ ہجری میں ہوئی۔

اس بھیانک جنگ میں مصری فوجوں نے اسرائیلی، فرانسیسی اور برطانوی فوجوں کو شکست دے کر نہر سوئز پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

کفر واسلام کے درمیان پیش آنے والے یہ معرکے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ روزہ کی بھوک و پیاس کی مشقت انسان کو کمزور نہیں کرتی بلکہ روحانی طور پر اسے اتنا طاقتور بناتی ہے کہ وہ زندگی کے فیصلہ کن معرکوں میں اور زیادہ قوت اور حوصلہ کے ساتھ حصہ لے سکے۔

انسان جب کفر کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اس پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

ایک مثال:

جیسے ایک گاؤں میں بہت سے بچے ہوتے ہیں۔ وہ سڑکوں پر کھیلتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مارتے ہیں، اچھل کود کرتے ہیں مگر انہیں کوئی نہیں روکتا کیوں کہ وہ آزاد ہیں۔

لیکن ان میں سے جو بچہ اسکول میں اپنا نام لکھا دیتا ہے، اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ مثلاً اس طرح بیٹھو۔ اس طرح پڑھو، اس طرح چلو۔ فلاں وقت پڑھنے میں صرف کرو اور فلاں وقت سے فلاں وقت تک لکھنے کا کام کرو۔

اسی طرح آدمی جب تک دائرۂ کفر میں ہوتا ہے تب تک وہ آزاد ہوتا ہے۔ مگر ایمان لانے کے بعد وہ اللہ کا اقراری بن جاتا ہے پھر اس پر طرح طرح کی ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مومن پر جو ذمہ داریاں عائد کی جاتی ہیں انہی میں سے ایک بہت بڑا فریضہ رمضان کا روزہ بھی ہے۔

روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اس کی فرضیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔''

بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ. ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔''

شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. ''اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ. ''اور نماز قائم کرنا۔''

وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ. ''اور زکوۃ دینا۔''

وَصَوْمِ رَمَضَانَ. ''اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

وَالْحَجِّ. ''اور بیت اللہ کا حج کرنا۔''

لیکن روزہ فرض کرنے سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مشقت میں ڈالے، ان کے جسموں کو کوئی تکلیف پہنچائے، ان کے قویٰ کو کمزور کرے اور انہیں نحیف و لاغر بنائے۔

یاد رہے، اسلام عبادات میں تنگی اور سختی کے شائبہ سے بھی کوسوں دور ہے۔ وہ جسمانی اور روحانی ضروریات وحوائج کے درمیان نہایت صحیح اور کامل توازن اور اعتدال قائم کرتا ہے۔

چنانچہ جہاں وہ روح کے درجے بلند کرنے اور طالب حق میں روحانیت پیدا کرنے کے لئے اس کو عبادت وریاضت پر آمادہ کرتا ہے، وہیں اس کو اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ جسم کو اس کی فطری اور جائز خواہشات اور ضرورتوں سے محروم نہ رکھا جائے کیوں کہ یہ ضروریات اور خواہشات، عبادت اور ریاضت کے منافی نہیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسم، روح کا ظرف ہے، دونوں کے درمیان نہایت گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔ اور یہ تعلق اور لگاؤ اسی وقت قائم اور باقی رہ سکتا ہے جب جسم اور روح دونوں کو ان کی ضروری اور فطری حوائج سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔

انسان سال کے گیارہ مہینوں میں اپنی خواہش اور چاہت کے مطابق بہتر سے بہتر لذیذ اور عمدہ قسم کے کھانے اور مشروبات دن اور رات کے جس حصے میں بھی چاہتا ہے، کھاتا اور پیتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ اس طرح معدے کو طویل مدت میں مختلف قسم کی غذاؤں سے غیر معمولی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

پس روزے کی فرضیت کے مختلف مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ سال میں کم از کم ایک ماہ تک اپنے معدے کو آرام لینے کا موقع دیا جائے اور اس کا بوجھ ہلکا کر دیا جائے تاکہ وہ اس مہلت کے زمانے میں تازہ دم ہو کر آئندہ گیارہ مہینے پوری قوت اور مستعدی کے ساتھ اپنا عمل جاری رکھ سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ معدے کی اس راحت کے زمانے میں ایک دوسرا بہت بڑا فائدہ ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ روح کو جسمانی کثافتوں اور آلائشوں سے پاک ہونے کا زریں موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔

روح سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اس کے اندر جلا اور چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

غور کیجیے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت و عنایت سے ان پر ایسی عبادت فرض کی جس میں سوائے فائدے کے ذرا بھی ضرر اور نقصان نہیں ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ لیکن اسلام میں جو روزہ ہے وہ دوسری قوموں کی طرح نہیں ہے۔ ان میں خاص اور متعین غذاؤں کے چھوڑ دینے کا نام روزہ ہے۔ ایسی حالت میں نہ تو ان کو روزہ دار کہا جا سکتا ہے نہ بے روزہ۔

وہ روزے کی حالت میں روزمرہ کی ان غذاؤں کو چھوڑ دیتے ہیں جن سے غذائیت حاصل ہو اور جسم میں نشوونما کا مادہ پیدا ہو۔

لیکن اسلام میں جو روزہ ہے وہ بالکل قرین قیاس اور فطرت اور عقل و فہم کے مطابق ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزہ دار صبح صادق سے آفتاب کے غروب ہونے تک کھانا پینا اور جنسی میل و ملاپ کو بالکلیہ طور پر ترک کر دیتا ہے پھر آفتاب غروب ہو جانے کے بعد اسے افطار کی آزادی مل جاتی ہے تا کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ ہر قسم کے کھانے کھا سکے۔

اس طرح روزوں سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً نفس انسانی کو زیر کرنا، قوت بہیمیہ پر غلبہ حاصل کرنا، نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا اور نفس کو اس کی فطرت کے مطابق معقول اور مناسب آزادی دینا۔

پس معلوم ہوا کہ اسلامی روزہ، دوسری قوموں کے روزوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معقول، نفع بخش اور انسانی فطرت و عقل کے عین مطابق ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس فریضہ کو خوشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

روزہ ایک انفرادی عبادت ہے اس لیے اس کا اجر و ثواب بھی بے حد و حساب ہے۔

مسلم کی حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ بْنِ اٰدَمَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ عَشَرَ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِئُ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ طَعَامَهُ لِاَجْلِيْ. ''انسان کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا۔ (آخر) انسان اپنی شہوت نفس اور اپنا کھانا پینا میری ہی خاطر تو روکے رکھتا ہے۔''

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ. ''روزہ (گناہوں کے لیے) ڈھال ہے۔''

بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں نے اس کو کھانے پینے اور خواہش نفس سے روکا تھا تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا، اے میرے پروردگار! میں نے اس کو راتوں کو سونے سے باز رکھا تھا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ بالآخر ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔''

روزہ ایمان و یقین کا لازمہ ہے۔ جیسے برف کا لازمہ برودت اور ٹھنڈک ہے۔ جیسے آگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا لازمہ حرارت اور گرمی ہے، یعنی جہاں برف ہوگا وہاں برودت اور ٹھنڈک ضروری ہوگی۔ جہاں آگ جلائی جائے گی وہاں حرارت اور گرمی ضرور پیدا ہوگی۔ جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ برف ہو اور اس میں ٹھنڈک نہ ہو یا آگ جلائی جائے اور وہاں حرارت نہ پیدا ہو اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ دل میں ایمان ویقین ہو لیکن روزے کا شوق نہ ہو۔

اسی لیے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہہ کر روزے کا حکم دیا گیا ہے۔

جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روزہ کی بھوک و پیاس کی مشقت وہی شخص برداشت کرسکتا ہے جس کا سینہ ایمان ویقین کی دولت سے لبریز ہو۔

انسان کو گمراہ اور بے راہ کرنے والی عام طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں۔ آباء واجداد کے رسم ورواج، ماحول اور اس کے تقاضے اور نفس اور اس کے بے جا مطالبات۔

جہاں تک پہلی چیز یعنی باپ دادا کے زمانے کے رسم ورواج کا تعلق ہے تو یہی وہ چیز ہے جو انسان کو حق اور صداقت کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

تاریخ سے اس بات کا پکا ثبوت ملتا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے حق کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی چیز تھی۔ وہ کہتے تھے:

بَلۡ وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا "بلکہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو اسی مذہب پر پایا تھا۔"

اب دوسری چیز کو لیجیے یعنی ماحول اور اس کے تقاضے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دیکھتا ہے کہ فلاں شخص جو اب تک غریب تھا، بلیک، رشوت، چوری، بے ایمانی، غصب اور مکر وفریب سے بہت مالدار ہوگیا۔ پہلے یہ پائی پائی کا محتاج تھا، لوگ اسے اپنے قریب بٹھانے میں عار محسوس کرتے تھے لیکن اب اس کے یہاں دولت کی اتنی بہتات ہے کہ لوگ اس کے قریب بیٹھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

تو کیوں نہ میں بھی ایمانداری اور راست بازی کا راستہ چھوڑ کر اسی طرح کا کاروبار کروں تاکہ میں بھی دولت مند اور دوسروں کی نگاہوں میں قابل احترام بن جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا:

وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ "اگر تو نے زمین میں بسنے والوں کی اطاعت کی تو وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری اور سب سے زیادہ خطرناک چیز انسان کا نفس ہے۔

انسان جب نفس پرستی کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ آنکھ ہونے کے باوجود سچائی کو دیکھ نہیں پاتا۔ وہ کان ہونے کے باوجود حق وصداقت کی باتیں سننے سے محروم رہ جاتا ہے۔ وہ دل ودماغ رکھنے کے باوجود حق کی حقانیت کو محسوس نہیں کر پاتا۔ وہ ہر چیز اپنے اندر ہضم کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر ہدایت کی باتیں اس کے دل میں نہیں اتر سکتیں۔

جیسے ایک لوہے پر پلاسٹک کا کاغذ بچھا دیا جائے اور اس پر پانی ڈالا جائے تو بظاہر پانی لوہے پر گرایا جائے گا لیکن اس کے باوجود اس پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرے گا کیوں کہ پلاسٹک کا کاغذ لوہے اور پانی کے درمیان رکاوٹ بن جائے گا۔

اسی طرح سے نفس پرستی انسان کے دل اور ہدایت کی باتوں کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ ایک بار ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''اے محمد! اگر اس چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں تو میں تمہارے دین کو قبول کرلوں گا۔''

اللہ تعالیٰ کے حکم سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس طرح نہیں کہ چاند میں کوئی لکیر بن جائے یا اس میں کوئی دراڑ نظر آنے لگے بلکہ چاند اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ

بیچ میں کوہ صفا آیا نظر   چاند تھا آدھا اِدھر آدھا اُدھر

ابوجہل نے اپنی آنکھوں سے اس حیرتناک منظر کو دیکھا مگر یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ ''یہ سب جادو کی باتیں ہیں۔''

ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا مگر نفس کی غلامی نے اسے آپ کا دشمن بنا دیا تھا۔ مکہ میں یہ آپ کا قریب ترین پڑوسی بھی تھا۔ جب کبھی آپ کے گھر کھانا پکتا تو آپؐ کے کھانے میں پورے گھر کی غلاظت اور گندگی ڈال دیا کرتا تھا۔

اس کے خبث نفس کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں صاحبزادوں حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہ کا یکے بادیگرے انتقال ہو گیا تو یہ شخص سگا چچا ہونے کے باوجود آپؐ سے ہمدردی کرنے کے بجائے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے پاس جاتا تھا اور ان سے کہتا تھا: ''لوگو! خوش ہو جاؤ، آج محمدؐ بے نام ونشان ہو گئے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترمذی میں واقعہ آتا ہے:

طارقؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہتے جاتے تھے: یَاَیُّھَا النَّاسُ! قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا. "لوگو! کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، فلاح پا جاؤ گے۔"

اور پیچھے ایک شخص ہے جو آپؐ پر پتھر مار رہا ہے، یہاں تک کہ آپؐ کی ایڑیاں خون سے تر ہو گئی ہیں اور مارنے والا یہ کہتا جاتا ہے:

"لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانو۔" میں نے لوگوں سے پوچھا: "یہ پتھر مارنے والا شخص کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔"

ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ قریبی تھا۔ آپؐ کے عادات واطوار سے بخوبی واقف تھا مگر نفس پرستی نے ان کے دل ودماغ پر پردہ ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپؐ کی خوبیوں پر اس کی نگاہ نہیں جمی اور وہ آپ کا کٹر دشمن بن گیا۔

پوری تاریخ انسانیت اس پر گواہ ہے کہ ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ اور ایک ملک کا دوسرے ملک کے ساتھ ٹکرانا اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ لِنَفْسِهٖ. "اصلی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دشمن کو، سانپ کو اور موذی جانوروں کو مارنا آسان ہے لیکن نفس کو مغلوب کرنا آسان نہیں ہے۔

شیر اور پہلوان کو پچھاڑ دینا ممکن ہے لیکن نفس کو پچھاڑ دینا دشوار ترین ہے۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

نہنگ واژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا

ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی جنگ سے واپس ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم لوگ چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہو۔" صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ بڑا جہاد کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "آدمی کا اپنے نفس سے جہاد کرنا۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اسلام نے نفس کشی کی نہیں بلکہ ضبط نفس کی تعلیم دی ہے۔

یعنی انسان اپنے نفس کو سرکش نہ ہونے دے، اسے من مانی سے روکے اور احکام شریعت کے تابع بنائے رکھے۔ یہ نہیں کہ اسے اذیتیں دے دے کر بے دم بنا لے اور اس کے جبلی مطالبات کو مجروح کر ڈالے۔ جیسے مسلسل روزے رکھنا۔

بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّھْرَ.

''جس نے زندگی بھر مسلسل روزے رکھے اس کا روزہ، روزہ نہیں ہے۔''

مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالْوِصَالَ. ''تمہیں دو یا دو سے زائد دنوں کو ملا کر (بلا سحری وافطار) روزہ رکھنے سے پوری طرح دور رہنا چاہیے۔''

بخاری میں واقعہ آتا ہے کہ ایک سفر کے دوران آپؐ نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک بھیڑ اکٹھی ہے اور ایک شخص کے اوپر سایہ کر رکھا گیا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ ایک روزہ دار ہے۔

آپؐ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِیْ السَّفَرِ. ''یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ سفر میں (اس طرح کا) روزہ رکھا جائے (جس کی مشقتیں عام برداشت سے باہر ہوں۔)

ابوداؤد میں واقعہ آتا ہے۔ مدینہ سے باہر رہنے والے ایک صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ سے ملاقات کی اور واپس چلے گئے۔

سال بھر بعد دوبارہ آئے اور اب جو آئے تو اس حال میں کہ ان کی شکل وصورت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ انہوں نے آپؐ سے پوچھا: ''یارسول اللہ! کیا آپؐ مجھے پہچان نہیں رہے ہیں؟'' آپؐ نے دریافت فرمایا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں وہی شخص تو ہوں جو گذشتہ سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔'' آپؐ نے پوچھا: ''کس چیز نے تمہاری ہیئت بدل کر رکھ دی ہے؟ تم تو اچھی شکل وصورت کے تھے۔'' انہوں نے بتایا: ''یہاں سے واپس جانے کے بعد آج تک میں نے رات کے سوا کبھی کھانا نہیں کھایا، یعنی مسلسل روزے رکھتا رہا۔'' یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: لِمَ عَذَّبْتَ نَفْسَکَ. ''تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب دیا۔''

روزہ ضبط نفس کا سب سے کامیاب اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان روزے کی حالت میں عام طور پر تین چیزوں سے بالکلیہ طور پر بچتا ہے۔کھانا، پانی اور جنسی میل وملاپ۔

اور یقیناً یہی وہ تین چیزیں ہیں جن پر بندش لگ جانے کے بعد نفس کی تمام خواہشات پر بندش لگ جاتی ہے۔

اسلام میں جتنے اعمال ہیں سب میں ریا ونمود کا دخل ہوسکتا ہے لیکن روزہ ایسا انوکھا عمل ہے جس میں ریا کاری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

کیوں کہ جتنے اعمال ہیں وہ سب کرنے سے ہوتے ہیں مگر روزہ وہ عمل ہے جو کچھ نہ کرنے کا نام ہے۔اس لیے روزہ دوسروں کے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے۔

ایک شخص روزے کی حالت میں ہوتو کوئی شخص اسے دیکھ کر یہ نہیں جان سکتا کہ یہ روزے سے ہے، جب تک وہ خود نہ بتائے۔

البتہ اگر کوئی شخص نماز ادا کررہا ہے یا خیرات دے رہا ہے یا قربانی کر رہا ہے یا کسی مجبور کی مدد کر رہا ہے یا حج کو جارہا ہے تو یہ کام دوسروں کو نظر آتے ہیں۔اور جو کام دیکھنے میں آتے ہیں انہی میں ریا ونمود کی گنجائش ہوتی ہے۔لیکن روزہ کسی کے دیکھنے میں آتا ہی نہیں۔اس لیے اس میں ریا ونمود کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟

اسی لیے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّهُ لِيْ وَ أَنَا أَجْزِيْ بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ طَعَامَهُ لِأَجْلِيْ. ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا۔(آخر بندہ اپنی شہوت نفس اور اپنا کھانا پینا میری خاطر تو روکے رکھتا ہے۔''

''روزہ میرے لیے ہے'' یہ ارشاد دراصل اسی حقیقت کی نہایت عمدہ تعبیر ہے کہ روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے انداز میں اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے۔جیسا کہ فتح الباری میں حدیث آئی ہے:

لَيْسَ فِي الصِّيَامِ رِيَاءٌ ''روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی۔''

مقصد روزہ:

اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔یعنی اس کا کوئی حکم، کوئی فیصلہ کوئی بات اور کوئی تخلیق حکمت اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصلحت سے خالی نہیں ہے۔

جہاں تک اس کی تخلیق اور اس کی قدرت کا تعلق ہے، ہم آئے دن اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ اس کائنات میں ہمہ وقت بامعنی سرگرمیاں جاری ہیں اور ہری بھری گھاس سے لے کر نیلے آسمان تک ہر چہار طرف ایک اتھاہ حکمت نظر آتی ہے۔

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا   اگر سمجھو تو وہ چپ بیانِ راز کرتی ہے

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ''زمین کی قوت کشش بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے آدمی چند فٹ کی بلندی سے زمین پر گرتا ہے تو اسے بہت زیادہ چوٹ لگتی ہے۔''

لیکن اعتراض کرنے والا بھول گیا کہ اگر زمین میں اتنی قوتِ کشش نہ ہوتی تو ہم زمین پر باقاعدہ چل پھر نہیں سکتے تھے۔ تب پانی دریاؤں اور سمندروں میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ تب ہمارے کارخانے اور مکانات اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ تب ہماری ریلیں پٹریوں پر اور موٹریں سڑکوں پر دوڑ نہیں سکتی تھیں۔ اس طرح اگر زمین میں اتنی قوتِ کشش نہ ہوتی تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

شمالی ہندوستان میں کسی علاقہ میں سانپوں کی کثرت تھی جس کی وجہ سے لوگ بہت ہراساں اور پریشان رہتے تھے۔ آخرکار سرکار کی طرف سے ''سانپ مارو'' تحریک چلائی گئی اور چند مہینوں میں اس علاقہ سے سانپوں کا صفایا ہو گیا۔

لیکن حیرت انگیز طور پر اس علاقہ میں ایسی زبردست بیماری پھیلی جس سے بہت سی موتیں ہو گئیں۔

بعد میں ریسرچ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس علاقے کی فضاؤں میں زہریلے اثرات تھے جنھیں سانپ اپنی خوراک بناتے تھے اور جب سانپ نہیں رہ گئے تو زہریلے اثرات کی وجہ سے وہاں بیماریاں پھیل گئیں اور بہت سے لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔

غور کیجئے، سانپوں اور زہریلے جانوروں کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمت چھپی ہوئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق حکمت سے خالی نہیں ہے اسی طرح اس کا کوئی فرمان حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزے کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟

قرآن میں اس کی وضاحت آئی ہے:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. ''تا کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔''

تقوی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔

قرآن میں بار بار مختلف جگہوں پر تقویٰ کا ذکر اور اس کا بیان آیا ہے۔ مثلاً قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. ''یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔''

جنت کے متعلق بتایا گیا:

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. ''یہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

ایک جگہ فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. ''بیشک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. ''اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست اور مددگار ہے۔''

ایک جگہ یہ بشارت دی گئی:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. ''اللہ تعالیٰ متقیوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ. ''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور میں نے اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دیا ہے جو صاحب تقویٰ ہیں۔''

مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابیؓ ابن کعب سے جب تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا: ''کیا تمہیں کبھی خاردار جھاڑیوں میں چلنے کا موقع ملا ہے؟'' انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت ابی ابن کعبؓ نے پوچھا: ''پھر تم اس میں کس طرح چلے؟'' سوال کرنے والے نے کہا: ''میں اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر چلا۔'' حضرت ابی ابن کعبؓ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کے خوف سے خود کو معصیت اور اللہ کی نافرمانی سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچانا، یہی تقویٰ ہے۔''

انسان دنیا میں اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں ارشاد ہوا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. ''میں نے جن وانسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

عبادت اور اطاعت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے بجالایا جائے اور جن جن کاموں اور باتوں سے روکا ہے ان سے پورے طور پر بچا جائے۔

اللہ کے حکموں کا بجالانا بھی عبادت اور اطاعت ہے اور اس نے جن جن کاموں اور باتوں سے روکا ہے ان سے رک جانا بھی عبادت واطاعت ہے۔

ایک مثال:

جیسے ایک مریض ہے۔ ڈاکٹر اسے دوا دیتا ہے کہ اسے فلاں فلاں وقت اتنی مقدار میں کھاؤ۔ ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر اسے بتاتا ہے کہ فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو۔ اب ڈاکٹر کے بتائے ہوئے نسخہ کے مطابق عمل کرنا بھی اپنا علاج کرنا ہے اور ڈاکٹر نے جن جن چیزوں سے روکا ہے ان سے پرہیز کرنا بھی اپنا علاج کرنا ہے۔

اسی طرح مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ نیک کاموں کی طرف رغبت کرے اور برے کاموں سے بچے۔

برائی سے نفرت کرنا ایمان کا مزاج ہے۔

بخاری کی حدیث ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مومن چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو پہاڑ کے برابر سمجھتا ہے لیکن ایک منافق بڑے سے بڑے گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی اس کی ناک پر بیٹھ جائے اور اسے اڑا دے۔''

لیکن برائی اور گناہ سے بچنے کی مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی آدمی سماج کے ڈر سے برائی نہیں کرتا۔ یہ احساس اسے گناہ سے روک دیتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں گا تو بدنام ہو جاؤں گا، مجھ پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا، میرا کاروبار فیل ہو جائے گا، میرے بچوں کی شادیاں نہیں ہوں گی، کبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیماری اور جسمانی کمزوری کے خوف سے برائی کے کاموں سے باز رہتا ہے کہ اگر میں شراب پیوں گا تو میری صحت برباد ہو جائے گی، ورم جگر کا مرض پیدا ہو جائے گا، دل کی دھڑکن بڑھ جائے گی اور میں دن بہ دن کمزور ہوتا چلا جاؤں گا۔

کبھی آدمی نوکری کے چلے جانے کے اندیشہ سے رشوت، کام چوری اور غصب سے بچتا ہے کہ اگر میں نے رشوت لی اور پکڑا گیا تو میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔

اس طرح گناہوں سے بچنا تقویٰ نہیں ہے۔

ایک مثال:

فرض کیجئے، آپ کے گاؤں یا محلہ میں ایک شخص میٹھے خربوزے بیچنے آیا۔ وہ خربوزے تولنے اور پیسے لینے میں محو ہے۔ آپ بالکل اس کے قریب بیٹھے ہیں۔ اس کی محویت کو دیکھ کر آپ نے سوچا کہ کیوں نہ میں چپکے سے ایک خربوزہ چرا لوں۔ اس ارادہ سے آپ نے خربوزہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اچانک سامنے والے مکان پر آپ کی نگاہ گئی، تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص اس مکان کی چھت سے آپ ہی کو دیکھ رہا ہے۔

اب آپ کا خربوزہ کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ رک جائے گا۔ آپ چوری سے بچ جائیں گے مگر اللہ کے ڈر سے نہیں بلکہ اس آدمی کے ڈر سے جو چھت سے آپ کی حرکات کو دیکھ رہا ہے۔

یہ تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہ ہو اور انسان اللہ کے خوف سے گناہوں سے باز رہے۔

ایک واقعہ:

خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ ایک رات وہ گشت پر تھے، پوری رات گشت کرتے کرتے گذر گئی۔ صبح صادق سے کچھ پہلے وہ ایک چھوٹے سے مکان کے پچھواڑے سے گذرے جس میں ایک بڑھیا اور اس کی نوجوان بیٹی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو محسوس ہوا کہ ماں بیٹی میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ رک گئے۔ بڑھیا اپنی نوجوان بیٹی سے کہہ رہی تھی "بیٹا! صبح ہونے والی ہے جلدی سے اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو۔" لڑکی نے جواب دیا: "ماں! کیا تمہیں خبر نہیں کہ خلیفہ نے منادی کرادی ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی ڈال کر نہ بیچے۔" ماں نے کہا "تو پاگل ہو گئی ہے۔ ارے خلیفہ کہیں دیکھ رہا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا "اماں!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر خلیفہ نہیں دیکھ رہا ہے تو کیا ہوا، وہ اللہ جس کے سامنے کھڑے ہو کر ہمیں اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے۔ اس لیے میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی۔" بات ختم ہو گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر پہنچے۔ صبح ہونے کے بعد انہوں نے بڑھیا اور اس کی لڑکی کو بلایا۔ رات کے واقعہ کی تصدیق کی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے حضرت عاصمؓ کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ کر دیا۔

کیوں کہ قرآن کی یہی تعلیم تھی: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ. "تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔"

اب سوال یہ ہے کہ روزہ کس طرح تقویٰ پیدا کرتا ہے؟ آپ نے روزہ کیوں رکھا؟ کیا حکومت کی طرف سے کوئی فرمان جاری ہوا تھا جس کی تعمیل میں آپ نے بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کی؟ کیا اس کے لیے گرام سبھا کی طرف سے کوئی تجویز پاس ہوئی تھی؟ کیا روزہ رکھنے سے آپکی زمینوں کی مال گذاری معاف ہو جاتی؟ کیا روزہ رکھنے سے بازار میں سودا سستا ملنے کی امید تھی؟ یا آپ کا اور کوئی مادّی فائدہ تھا؟

نہیں، آپ نے، ہم نے اور ہر روزہ دار نے کسی مادی فائدے کے لیے روزہ نہیں رکھا بلکہ صرف اللہ کی رضا اور اس کی اس خوشنودی کے لیے رکھا۔

پھر روزہ کی حالت میں سخت مراحل آئے۔ آپ کو بھوک لگی، جس کی وجہ سے نقاہت اور کمزوری محسوس ہونے لگی، گھر میں کھانا تھا، کوئی دیکھنے والا نہیں تھا مگر آپ نے روزہ کی تکلیف کو برداشت کیا اور افطار کا وقت آنے سے پہلے ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں ڈالا۔

آپ کو سخت پیاس بھی لگی، حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ مارے پیاس کے آپ کا گلا خشک ہونے لگا، آپ وضو کرنے بیٹھے، کلی کے لیے آپ نے ٹھنڈا پانی منہ میں ڈالا، نفس کہتا ہے اسے اندر کر لو، کوئی دیکھنے والا نہیں، یہاں تک کہ بغل میں بیٹھا ہوا وضو کرنے والا بھی اسے بھانپ نہیں سکتا مگر آپ نے اس پانی کو اندر نہیں جانے دیا بلکہ کلی کر کے باہر پھینک دیا۔ کیوں؟

اسی لیے نا کہ آپ کو یقین تھا کہ کوئی دیکھنے والا نہ دیکھے مگر اللہ دیکھ رہا ہے۔ اسی احساس اور یقین نے آپ کو روزہ توڑنے سے باز رکھا۔

سوچیے روزہ تقویٰ کی صفات پیدا کرنے کا کتنا بہترین ذریعہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزہ کا ظاہری حق یہ ہے کہ آپ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہر روزہ توڑنے والی چیز سے علیحدہ رہیں۔

اور روزہ کا باطنی حق یہ ہے کہ آپ صرف زبان اور پیٹ ہی کا روزہ نہ رکھیں بلکہ یہ بھی کوشش کریں کہ آپ کے جسم کا ہر حصہ روزہ دار بن جائے۔

آپ اپنے دماغ کو بری تجویزوں، غلط منصوبوں، نقصان دہ تدبیروں اور ناجائز خیالات سے پاک رکھیں۔

آپ اپنے دل میں کھوٹ، نفاق، حسد، کبر اور دشمنی کے جذبات نہ پیدا ہونے دیں۔

آپ زبان سے جھوٹ نہ بولیں، کسی کی غیبت نہ کریں، گالی نہ نکالیں، جھوٹی گواہی نہ دیں، کبر و غرور، خوشامد اور فریب کی باتیں نہ کہیں۔

کانوں سے ان چیزوں کو سنیں تک نہیں۔

ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہ کریں، یا ان سے غلط اور ناجائز کاموں کی طرف حرکت نہ کریں۔

آپ یہ خیال کریں کہ آپ کے جسم کا ہر حصہ روزہ دار ہے اور اپنے کسی بھی عضو بدن کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ احکام شرع کی خلاف ورزی کر کے آپ کے روزے کو فاسد کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک سال کے بعد صرف ایک مہینے کے واسطے یہ طریق زندگی صرف اس لیے تجویز کیا ہے تا کہ آپ متقی بن جائیں۔

آپ کی عادتیں درست ہو جائیں، آپ کے اندر شیریں کلامی پیدا ہو جائے، آپ اسلامی اخلاق کا نمونہ بن جائیں۔ آپ میں جسمانی یا روحانی طور پر جو بیماریاں پیدا ہو چکی ہیں ان کی اصلاح ہو جائے اور آپ ایک مہذب، شریف اور اصلاح یافتہ انسان کی حیثیت سے زندگی گذار سکیں۔

ایک نکتہ:

جہاں ایک طرف روزہ کو اہم ترین عبادت اور اللہ کی قربت کا ذریعہ بتایا گیا ہے وہیں روزہ کے بارے میں حدیث میں ایک عجیب وغریب بات بتائی گئی ہے۔

دارمی کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الظَّمْاءُ. "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کے پلے، اپنے روزے سے پیاس کے سوا اور کچھ نہیں پڑتا۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوچئے، کتنی حیرت انگیز بات ہے؟

ایک مزدور دن بھر شہر کی سڑکوں پر رکشہ چلائے، اس کا پورا جسم محنت سے چور چور ہو جائے، وہ پسینہ سے شرابور ہو لیکن شام کے وقت اس کی جیب بالکل خالی رہے۔ کتنا بدنصیب ہے وہ مزدور؟

ایک کسان اپنے کھیتوں میں ہل چلائے، بیج اور کھاد ڈالے، پودوں میں آب پاشی کرے اور اس قدر محنت کرے کہ کھیت کے پیچھے اپنے آرام و آسائش اور کھانے پینے کی پرواہ تک نہ کرے لیکن فصل کے کٹنے کے موقع پر اس کے گھر میں ایک مٹھی غلہ بھی نہ آئے۔

کتنا محروم ہے وہ کسان؟

اسی طرح ایک روزہ دار دن بھر بھوک پیاس کی مشقت برداشت کرے اس کے باوجود اسے صرف بھوکا اور پیاسا رہنے کے سوا کچھ نہ ملے تو وہ روزہ دار کتنا بدنصیب ہے؟

بخاری کی روایت کے مطابق ایسے روزہ دار کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ. ”جس کسی نے (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا، وہ جان لے کہ اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ شخص بس اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو یہ ہدایت کی:

فَاِنْ كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَسْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ. ”پس جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ نہ وہ بدکلامی کرے، نہ غل مچائے اور کوئی اس سے گالی گلوچ کرنے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو (اس سے بھی اور اپنے جی سے بھی) کہے کہ میں روزے سے ہوں۔“

اگر کوئی روزہ دار روزہ کی حالت میں غیبت، چغلی، گالی، بدزبانی اور فحش گوئی سے نہیں بچتا تو اس کی مثال اس مالی جیسی ہے جس کے ایک ہاتھ میں پانی کا برتن ہے جس سے وہ اپنے پودے کو سینچ رہا ہے اور دوسرے ہاتھ میں کلہاڑی ہے جس سے وہ پودے کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

اناج، روٹی، چاول، دودھ، پھل، پانی، یہ سب حلال ہیں مگر روزہ کی حالت میں یہ تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزیں ممنوع ہیں۔

اور غیبت، چغلی، بدکلامی اور فحش گوئی یہ سب حرام کام ہیں۔

مگر افسوس ہماری عام عادت بن گئی ہے کہ روزہ کی حالت میں حلال چیزوں سے بچیں گے اور حرام کاموں سے بچنے کی کوئی فکر نہ کریں گے۔

احتیاط:

شریعت کا یہ مسئلہ ہے کہ جب سورج غروب ہو جائے تو بلا تاخیر روزہ کھول دینا چاہئے۔

اس کے بارے میں ابوداؤد میں حدیث آئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَايَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِراً مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ. ''دین اس وقت تک برابر غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں عجلت سے کام لیتے رہیں گے۔''

مسلم کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَايَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُو الْفِطْرَ. ''جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے حالت خیر میں رہیں گے۔''

ترمذی میں حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْراً. ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو افطار کرنے میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہے۔''

لیکن بعض لوگ سورج غروب ہو جانے کے بعد بھی افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے ''احتیاط'' دے رکھا ہے۔

جہاں جلدی کرنی چاہئے وہاں احتیاط کے نام پر تاخیر کرتے ہیں جب کہ یہ خلاف سنت ہے اور بدزبانی اور غیبت وغیرہ سے پورے طور پر پرہیز کرنا چاہئے لیکن ان موقعوں پر احتیاط کرنے پر خود کو تیار نہیں کر پاتے۔

ہمدردی کا مہینہ:

مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کو شَهْرُ الْمُوَاسَاة ''ہمدردی کا مہینہ'' بتایا ہے۔

ہر مسلمان پر دوسرے انسانوں کے حقوق ہیں۔ جیسے دولت مندوں پر غریبوں کے حقوق،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑوسیوں پر پڑوسیوں کے حقوق، والدین پر اولاد کے حقوق، اولاد پر والدین کے حقوق اور صاحب وسعت لوگوں پر مسکینوں محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کے حقوق وغیرہ۔

لیکن کسی بھوکے، پیاسے اور پریشان حال کی مدد وہی کر سکتا ہے جسے بھوک و پیاس کا احساس ہو۔

اور بھوک و پیاس کا احساس وہی کر سکتا ہے جو بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کر چکا ہو۔

ایک جگہ کسی ماں کا بچہ اچانک مر گیا۔ ماں اپنے بیٹے کے غم میں زار و قطار رو رہی تھی۔ ایک دوسری عورت کا ادھر سے گذر ہوا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے جگر کا ٹکڑا ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو چکا ہے تو وہ بھی زار و قطار رونے لگی۔

وجہ یہ تھی کہ چند روز قبل اس عورت کا بچہ بھی فوت ہو چکا تھا اس لیے اسے اس بات کا احساس تھا کہ اپنے لخت جگر کی موت کا ماں کو کس قدر صدمہ ہوتا ہے۔

رمضان کے پورے مہینے میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اس لیے بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے تاکہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس ہو اور جب ہم کسی کو معذور اور مجبور دیکھیں تو فوراً اس کی مدد کو دوڑ پڑیں۔

گویا روزہ اسلامی معاشرے میں ہمدردی اور غم گساری کی لہر دوڑاتا ہے۔ وہ مالداروں اور صاحب وسعت لوگوں کو پورے ایک ماہ تک ناداری کے عملی تجربے کراتا رہتا ہے۔ وہ انھیں تیس بار یا کم از کم ۲۹ بار یہ محسوس کراتا ہے کہ فاقہ اور بھوک کسے کہتے ہیں اور ان بندگانِ خدا کے دل پر کیا گذرتی ہوگی جو ان کا شکار ہوا کرتے ہیں۔

یہ عملی تجربہ اور یہ احساس قدرتی طور پر ان کے اندر یہ عزم پیدا کر دیتا ہے کہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کو ان کے اپنے حال پر نہ چھوڑ دیں گے۔

صدقۃ الفطر:

اسی لیے رمضان کا مہینہ پورا ہو جانے پر مسلمانوں پر صدقۃ الفطر فرض کیا گیا ہے۔ تاکہ غریب بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکے۔

بخاری اور مسلم میں حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، غلام اور آزاد، مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے پر فطرہ فرض کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اسے نماز (عید الفطر) سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں ''ہم لوگ فطرہ کی زکوٰۃ ایک صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع منقی نکالتے تھے۔''

ابو داؤد میں حدیث ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرہ کی زکوٰۃ روزوں کی پاکی اور مسکینوں کے کھانے کے لیے فرض کر دیا ہے پس جو اس کو نماز سے پہلے ادا کرے گا تو وہ زکوٰۃ مقبول ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک غریب کا حق یعنی صدقۃ الفطر نہ ادا کر دیا جائے، روزے زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں۔

صدقۃ الفطر کی ادائیگی اور نماز سے پہلے ادائیگی کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے سرفراز کیا ہے ان کے لیے تو ہر دن عید کا دن ہے۔ وہ روزانہ قسم قسم کے لذیذ اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے ہیں۔

لیکن جو غریب نان شبینہ کے محتاج رہتے ہیں، عید کے روز جب ان کا پیٹ نہیں بھرے گا، نہ ان کا اور نہ ان کے بچوں کا تن ڈھکے گا تو ان کے لیے عید کی ساری خوشیاں اور مسرتیں ختم ہو جائیں گی۔

اسی لیے صدقہ فطر کا حکم دیا گیا تا کہ غرباء اور مساکین کو ''عیدی'' کے طور پر کچھ دیا جا سکے اور نماز عید الفطر سے پہلے وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔

صبر کا مہینہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس ماہ کو ''شھر الصبر'' ''صبر کا مہینہ'' بھی بتایا ہے۔

صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں صبر کا مطلب ہے راہ حق میں آنے والی مصیبتوں کو جھیل لینا۔ حق پر ثابت قدم رہنا۔ گوارا ہوں یا ناگوار، موافق ہوں یا ناموافق، دشوار ہوں یا آسان، ہر طرح کے حالات میں ایمان سے ذرّہ برابر بھی جنبش نہ کرنا، ہر اس مصیبت کو جھیل لینا جو اللہ کے راستے میں آ جائے۔ اور ہر اس فائدے کو ٹھکرا دینا جو اللہ کی ناراضگی کے صلہ میں ملے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صابر وہ ہے جسے کوئی خوف، کوئی لالچ، کوئی دباؤ اور خواہشات نفسانی کا کوئی بھی تقاضہ سیدھے راستے سے نہ ہٹا سکے۔

صابر وہ ہے جس کے مزاج میں تلون نہ ہو بلکہ ثابت قدمی ہو۔

یہ کمزوری اس میں نہ ہو کہ برا وقت آیا تو اللہ سے گڑگڑانے لگے اور اچھا وقت آتے ہی سب بھول جائے یا اچھے حالات میں اللہ کی بندگی کی اور مصیبت کی ایک چوٹ پڑتے ہی اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگے۔

صبر کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً ستر جگہوں پر آیا ہے۔

صبر اسلامی زندگی کی خوراک ہے، جس طرح بلا خوراک کے کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح صبر کے جذبات پیدا کیے بغیر کوئی شخص راہ حق کا مسافر نہیں بن سکتا۔

روزہ مومن کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کرتا ہے۔

جہاد میں اللہ کی خوشنودی کے لیے بھوک، پیاس، تکان اور بے آرامی کی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں، اپنے گاڑھے پسینے سے کمائی ہوئی دولت خرچ کرنی پڑتی ہے اور اپنی جان تک کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

اتنی کڑی جفاکشی وہی کرسکتا ہے جس میں حد درجہ صبر اور برداشت کی قوت ہو۔

روزہ اس قوت صبر کے پیدا کرنے کا، اور ان قسم کی مشقتوں کا خوگر بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

روزہ میں آدمی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ کوئی کھانے کی چیز کھاتا ہے اور نہ کوئی پینے کی چیز پیتا ہے۔ اس طرح اپنی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت کو چھوڑ کر وہ صبر کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

کھانا، پینا چھوڑ دینے کی وجہ سے اسے دن میں بھوک لگتی ہے، پیاس ستاتی ہے مگر وہ ان تمام چیزوں کو برداشت کرتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پانی ہوتا ہے مگر پیاس کے باوجود وہ اس کو نہیں پیتا، اس کی آنکھوں کے سامنے کھانا ہوتا ہے مگر بھوک کے باوجود وہ اس کو نہیں کھاتا۔

سوچیے روزہ کی حالت میں صابرانہ زندگی کی کتنی بہترین تربیت ہوتی ہے۔

لیکن افسوس مسلمانوں میں جس طرح اور اعمال اور عبادت میں کوتاہیاں ہو رہی ہیں اسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح روزوں کی پرواہ بھی اب نہیں رہی۔

بلا عذر روزہ چھوڑ دینا اور کھلے عام کھانا پینا، عام مشغلہ بن گیا ہے۔

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابۂ کرام اور اسلاف امت کے حالات کتب احادیث وتواریخ میں محفوظ ہیں کہ وہ کس طرح شوق اور رغبت کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔

ان کو معلوم تھا کہ اسلام اپنے پیروؤں کو بہادر فوجی اور ایسا دلیر اور جری بنانا چاہتا ہے جو وطن، قوم اور عزت وناموس کی حفاظت کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

انہوں نے دیکھا کہ اسلامی روزہ انسان میں فوجی اسپرٹ اور مجاہدانہ روح پیدا کرنے کا مؤثر اور کامیاب وسیلہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے روزے کی بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں کا ہر فرد دنیا کی متمدن حکومتوں کے تربیت یافتہ فوجی سے بھی زیادہ جری اور بہادر سپاہی بن گیا۔

انہوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان اپنے اندر مصائب وآلام جھیلنے کی قوت پیدا کرے، حوادث اور خطرات کے وقت بے قرار اور بے چین نہ ہو جائے، مشکلات اور آزمائشوں کی پرواہ نہ کرے اور کسی بھی مصیبت یا غم کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

انہیں معلوم تھا کہ روزہ ان تمام باتوں کا کفیل اور ضامن ہے، اس لیے انہوں نے اسے محبت اور چاہت کے ساتھ رکھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر یہ اوصاف اس حد تک پائے گئے کہ انسانی تاریخ ان اوصاف میں ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہمیں ایمان واحتساب کے ساتھ روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

عید الفطر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّابَعْدُ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَاتَفَرَّقُوْا.

رحمت حق کا چھلکتا جام عید الفطر ہے — روزہ داروں کے لیے انعام عید الفطر ہے
دن ہے یہ تجدید پیمان و وفاداری کا دن — نظم و ضبط و جہد کا پیغام عیدالفطر ہے
یہ فقط آرائش تزئین تن ہی تو نہیں — روح کی پاکیزگی کا نام عیدالفطر ہے
آج کے دن بھی اگر محروم فرحت ہیں غریب
اہل ثروت کے لیے دشنام عید الفطر ہے

خواتین وحضرات!

اللہ رب العالمین کا ہزار ہزار شکر اور احسان ہے جس نے ہمیں پیدا کیا، انواع واقسام کی نعمتوں سے مالا مال کیا، سوچنے، سمجھنے اور برے بھلے کو پہچاننے کی صلاحیت بخشی۔ اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بننے کا شرف بخشا، ہماری نجات اور مغفرت کے لیے رمضان کا مقدس مہینہ عطا فرمایا اور رمضان اور اس کے روزوں کی اجرت کے لیے عید الفطر کا یہ مبارک ترین تہوار منانے کا موقع نصیب فرمایا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيْراً.

جس طرح سے ایک مزدور کو مزدوری ملتے وقت خوشی ہوتی ہے اسی طرح سے روزہ دار کو عیدالفطر کے دن خوشی ہوتی ہے۔

اسلام نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اس دن روزہ دار نہ صرف یہ کہ خوش رہے، بلکہ خوشی اور مسرت کا اظہار بھی کرے۔ یعنی عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کرے، حسب استطاعت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اچھے کپڑے پہنے، اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے، طاق کھجوریں کھا کر عیدگاہ جائے، اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی عیدگاہ لے جائے، یہاں تک کہ حائضہ عورتیں بھی جائیں، وہ نماز نہ پڑھیں لیکن دعا میں شریک رہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ دوسرے سے مانگ لے۔

جس راستے سے عیدگاہ جائے اسے بدل دے۔ واپسی دوسرے راستے سے کرے۔

اور مسلمان جب عیدگاہ کی طرف چلے تو اس کے دل میں فاسد خیالات نہ ہوں، اس کی زبان پر فضول اور لایعنی باتیں نہ ہوں بلکہ دل میں اللہ کی عظمت کا احساس ہو اور زبان پر اس کی وحدت اور کبریائی کا یہ ترانہ ہو۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اسی کے لیے ہر قسم کی تعریف ہے۔"

اسلام میں صرف دو تہوار ہیں۔ ایک عیدالفطر، جو رمضان کے ختم ہونے پر شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے، دوسرے عیدالاضحیٰ، جو دسویں ذی الحجہ کو منائی جاتی ہے۔

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں مذہبی، قومی یا ملکی رسم و رواج کے مطابق خوشی اور مسرت کے کچھ دن مخصوص نہ ہوں۔

خوشی کے یہ تہوار اگرچہ کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کی یادگار ہوتے ہیں لیکن ان کو منانے میں جن جن برائیوں کا ارتکاب ہوتا ہے اسے ہر شخص جانتا ہے۔

جیسے کرسمس، گڈ فرائی ڈے، بیساکھی، ہولی، دیوالی، دسہرہ اور نوروز وغیرہ کو مناتے وقت دنیا بھر کی قباحتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً

شراب نوشی، جوا، بے حیائی، گندگی، بدکرداری وغیرہ۔

لیکن اسلامی تہوار کی شان ہی نرالی ہے۔ یہاں نہ باجہ وگاجہ ہے، نہ شراب و قمار ہے، نہ کسی قسم کا لہو و لعب ہے، نہ کسی قسم کا شور و غل ہے بلکہ انتہائی سنجیدگی اور متانت ہے، اسلامی مساوات کا عملی نمونہ ہے، اتحاد اور اتفاق کا شاندار مظاہرہ ہے اور اپنی عبدیت اور اللہ کی معبودیت کا برملا اظہار ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائیو اور بہنو!

رمضان کا مہینہ گذر گیا۔اس کے روزے پورے ہو گئے،سحری اور افطاری کا دور ختم ہو گیا،اب ہم میں سے جو لوگ پورے ایک سال تک زندہ رہیں گے وہی آئندہ رمضان کی بہاریں دیکھ سکیں گے۔لیکن کسی کو خبر نہیں کہ وہ زندہ رہے گا یا آئندہ رمضان آنے سے پہلے قبر کے حوالے کر دیا جائے گا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس مقدس مہینے کی قدر کی اور اللہ کی رضا کے لیے بھوک و پیاس کی مشقتیں برداشت کریں۔اور بد نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کی برکتوں سے اپنی نگاہیں بند کر لیں۔

سورج نکلا لیکن آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے،اس کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔چاند ساری دنیا کو منور کرتا رہا مگر بے بصیرت اندھے نور کے ہوتے ٹھوکریں کھاتے رہے۔شفاف پانی سے بھرا ہوا دریا ٹھاٹھیں مار کر بہتا رہا مگر یہ کنارے پر بیٹھے اپنے پیاسے ہونٹوں کو تر بھی نہ کر سکے۔اسی طرح رمضان شریف آیا اور چلا گیا لیکن یہ بد قسمت اور حرماں نصیب اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم رہے۔

آج ہم سب مل جل کر عید الفطر کی نماز دوگانہ ادا کرنے آئے ہیں۔دیکھئے اس وقت ہم میں کتنی روح پرور اجتماعیت ہے۔نہ آپس میں کوئی بھید بھاؤ ہے نہ اونچ نیچ کی کوئی تفریق ہے۔نہ کسی کے دل میں کسی کے خلاف منفی جذبات ہیں اور اسی طرح کی یگانگت اور اجتماعیت اللہ کو مطلوب اور محبوب ہے۔

خواتین و حضرات!

آج میں عید الفطر کے خطبے میں ایک دلخراش حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔وہ ہے آپس کی نا اتفاقی۔کیا کروں ؎

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے نالہ کرتا ہوں تو اندیشہ رسوائی ہے

آج ہمیں اور ہم میں سے ہر شخص کو یہ شکایت ہے کہ پورا ہندوستان فرقہ پرستی کی آگ میں جھلس رہا ہے اور اس فرقہ پرستی کا سب سے بڑا نشانہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت یعنی ہم مسلمان ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن کیا کبھی ہم نے یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ جب ہم اپنی صفوں میں بڑھتی ہوئی فرقہ بندی کو نہیں ختم کریں گے تو پھر ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کا مقابلہ کیسے کریں گے؟

ہمارے لیے سب سے زیادہ خطرناک چیز دوسروں کی فرقہ پرستی نہیں ہے، بلکہ اپنی صفوں میں پروان چڑھنے والی فرقہ بندی اور گروہ بندی ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے عروج اور سربلندی کا اصلی دور وہی تھا جب وہ باہم متحد، ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار اور آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے۔

اور ان کے زوال اور ان کی بربادی کا دور اسی دن سے شروع ہوا جب وہ پارٹی بازی، گروہ بندی اور آپسی سر پھٹول میں مبتلا ہو گئے۔

مسلمانوں کا وہ دور کتنا شاندار اور تابناک تھا جب وہ پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی جرأت، ان کی طاقت، ان کی شجاعت، ان کی بے باکی اور ان کی حق گوئی کی حالت یہ تھی کہ

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
حق سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

حالاں کہ ان کی سربلندی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ دولت مند تھے، سامان حرب وضرب سے لیس تھے، بے شمار مادی وسائل کے مالک تھے بلکہ وہ اتنے غریب اور مفلوک الحال تھے کہ غزوۂ احد میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو انہیں جو کفن ملا وہ صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی۔ جب ان کے سر کو اس سے ڈھکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں کے حصے پر اسے ڈالا جاتا تو سر کھل جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے چچا کے سر کے حصے کو ڈھک دو اور پاؤں پر اذخر نام کی گھاس رکھ دو۔''

ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا دفنائے گئے۔

تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا ان اذیت ناک حالات کو بیان کر رہی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کے خاندان والوں پر گذرے۔ بیان کرتے کرتے انہوں نے کہا ''اس رات میں نے وہ کام ٹٹول کر کیا۔'' سننے والوں کو بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے پوچھا ''ام المومنین! کیا آپ کے گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''بھائی! ہمارے گھروں میں چراغ جلانے کے لیے تیل کہاں ہوتا تھا۔ اگر چراغ کے لیے تیل ہوتا تو اسے ہم بھوک کی وجہ سے پی نہ جاتے۔''

یہ مسلمانوں کے گھروں کی حالت تھی۔

اور مسلمانوں کی مسجدیں بھی کچی، کمزور اور اندھیری ہوتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ گئے، تو آپؐ نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد کی دیواریں کچی تھیں، اس میں کھجور کے کھمبے لگا دیئے گئے تھے، چھت کے نام پر کھجور کے پتے رکھ دیئے گئے تھے اور مسجد بالکل اندھیری رہتی تھی۔ سب سے پہلے جس صحابی نے اس میں چراغ جلایا وہ حضرت تمیمؓ داری تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو روشن دیکھا تو آپؐ نے فرمایا:

نَوَّرْتَ الْاِسْلَامَ. ''اے تمیمؓ! تم نے اسلام کو روشن کر دیا۔''

پھر آپؐ نے حضرت تمیمؓ کو بہت دعائیں دیں۔ آپؐ نے کہا:

نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. ''اللہ تعالیٰ تیرے قلب کو دنیا اور آخرت میں منور رکھے۔''

یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ جب مسلمانوں کے گھروں میں چراغ جلانے کے لیے تیل نہیں تھا، جب مسلمانوں کی مسجدیں اندھیری رہتی تھیں، جب مسلمان دو دو روز تین تین روز کے فاقے سے رہتے تھے تو اسلام ہر طرف غالب تھا اور پوری دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اور آج مسلمانوں کے گھر روشن ہیں، وہ ہر طرح کے مادی وسائل سے مالا مال ہیں، ان کے یہاں ضروریات زندگی کی کوئی کمی نہیں ہے اور ان کی مسجدیں جدید قسم کے قمقموں سے جگمگا رہی ہیں اس کے باوجود مسلمان ذلیل و خوار ہیں اور اسلام کہیں بھی غالب نہیں ہے۔

یہ فرق صرف اس لیے ہے کہ اس دور کے مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِخْوَۃٌ۔ کے تحت ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار اور باہمی اتحاد کا کامل نمونہ تھے۔

اور آج ہم نے اس خوبی کو گنوا دیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہماری کہیں وقعت نہیں ہے اور ہم اپنی ایک جائز بات بھی منوانے کی اہلیت اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں۔

اس خوبی کو دوسری قوموں نے اپنایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر میدان میں وہ بے تحاشہ آگے بڑھ رہی ہیں۔

حالیؔ مرحوم نے اس کا بہت عمدہ تجزیہ کیا ہے ؎

عروج ان کا جو تم عیاں دیکھتے ہو　　جہاں میں انہیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو　　انہیں برتر از آسماں دیکھتے ہوں
یہ ثمرے ہیں ان کی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

آج کے دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمان دین کے نام پر پارٹی بازی میں مبتلا ہیں۔ وہ دین جس نے اتحاد و اتفاق کو اللہ کی نعمت قرار دیا، وہ دین جس نے مل جل کر رہنے کی تعلیم دی، وہ دین جو دلوں کو توڑنے کے لیے نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کے لیے آیا تھا اسی دین کی آڑ میں نا اتفاقی اور سر پھٹول ہے۔

حالاں کہ حیرت انگیز طور پر جب دنیا کے کسی فائدے کو حاصل کرنے کی بات ہوتی ہے تو سب ایک ہو جاتے ہیں اور جب دین کی ترقی، دین کی نشر و اشاعت اور دینی تعلیم کے لیے اتحاد کی بات ہوتی ہے تو ایک کا منہ مغرب کی طرف ہو جاتا ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف۔

اور صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی آپسی نزاع پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا نزلہ ان کے ذاتی معاملات پر نہیں گرتا۔ ان کے کاروبار اور تجارت پر نہیں گرتا، ان کی مشینوں اور زمینوں پر نہیں گرتا، ان کے بینک بیلنس پر نہیں گرتا بلکہ سارا نزلہ ان اداروں پر اتارا جاتا ہے، جہاں اللہ کا کلام پڑھایا جاتا ہے، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سکھائی جاتی ہیں۔

حدیث میں مسلمانوں کی علامت بتائی گئی ہے: کَمَثَلِ الْجَسَدِ ''جیسے ایک جسم کی مثال۔''

جسم کے کسی حصے میں کوئی تکلیف ہو تو پورا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

فرض کیجئے میرے پاؤں میں کوئی زہریلا جانور ڈنک مار دے یا اس میں چوٹ لگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو میرا ہاتھ فوراً میرے پاؤں کی مدد کے لیے اٹھ جائے گا۔

کیوں کہ میرا ہاتھ جانتا ہے کہ پاؤں بھی میرے ہی جسم کا حصہ ہے۔

اسی طرح سے کہیں یہ نہیں دیکھا گیا کہ کسی شخص نے اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لیا ہو، یا اپنی انگلی کاٹ ڈالی ہو، یا اپنی آنکھیں نکال دی ہوں، یا اپنے سر پر پتھر مار لیا ہو یا اپنی ٹانگوں کو توڑ ڈالا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی بربادی کو اپنی بربادی سمجھے، دوسروں کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے، دوسروں کی بے عزتی کو اپنی بے عزتی سمجھے، جب وہ کسی کو برباد کرنے کے منصوبے بنائے تو یہ نہ سمجھے کہ اسے برباد کرنے جا رہا ہے بلکہ یہ محسوس کرے کہ وہ خود اپنی بربادی کے منصوبے بنا رہا ہے۔ جب وہ کسی کو ذلیل کرنے کی تدبیریں کرے تو یقین کرے کہ صرف اسے نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو بھی ذلت کے گڑھے میں ڈال رہا ہے۔

مسلمان وہ نہیں ہے جو اپنے خون کو خون اور دوسروں کے خون کو پانی سمجھے۔ مسلمان وہ نہیں ہے جو اپنی عزت کو عزت اور دوسروں کی عزت کو کھلونا جانے۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ برائی اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. ''اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیا کرتے ہیں۔''

یعنی ایمان والے ردعمل کی نفسیات کا شکار نہیں ہوتے کہ وہ برائی کا جواب برائی سے دیں۔ انہیں دوسروں کی بری باتوں پر غصہ ضرور آتا ہے لیکن جب وہ لوٹاتے ہیں تو انتقام کی صورت میں نہیں بلکہ درگزر کی صورت میں لوٹاتے ہیں۔

فرض کیجیے، کسی نے آپ کو گالی دی اور جواب میں آپ نے بھی اسے گالی دیدی تو پھر آپ میں اور اس میں کیا فرق رہ گیا؟ جس سطح پر وہ کھڑا تھا اسی سطح پر آپ بھی کھڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

اگر کسی کے پاؤں میں کتے نے کاٹ لیا اور جواب میں اس نے بھی کتے کے پاؤں میں کاٹ لیا تو اس میں اور کتے میں کیا فرق رہ گیا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج مسلمانوں میں سب سے زیادہ پارٹی بازی اور گروہ بندی ہے۔

ذرا عالمِ تصور میں جائیے۔مسلمان روزانہ دن بھر میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔بیچ میں خانہ کعبہ ہوتا ہے اور دنیا کے تمام مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔اتحاد کے ایسے شاندار امکان کے باوجود مسلم قوم ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ غیر متحد ہے۔

کسی نے بالکل صحیح کہا ہے:

''مسلمان صرف اس بات پر متحد ہیں کہ وہ کبھی متحد نہیں ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَاتَفَرَّقُوْا ''تم سب مل جل کر اللہ کی رسی یعنی کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور متفرق نہ بنو۔''

اور قرآن میں یہ تاکید بھی آئی ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. ''ہرگز نہ لڑنا ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

آج پوری دنیائے اسلام جس بحران سے گذر رہی ہے اور جن دشوار ترین حالات سے دوچار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

عرب ممالک کو دیکھئے،ان کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے،ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان کے پاس لامحدود وسائل ہیں اور دنیا میں جتنے قدرتی ذرائع ہیں ان کے آدھے سے زیادہ حصے پر انہی کا قبضہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہودیوں کا چھوٹا سا ملک اسرائیل ان کے سروں پر تلوار بن کر لٹک رہا ہے،آج بھی عربوں کے ہزاروں مربع میل علاقوں پر اسرائیل نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے اور ان مقبوضہ علاقوں کو اسرائیل میں باقاعدہ شامل کرنے کے لیے وہاں یہودیوں کی بستیاں بسا رہا ہے۔

اسرائیل کے سابق وزیر جنگ موشے دایان نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک بہت سچ کی بات کہی ہے۔وہ لکھتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہر چھوٹی بڑی بات پر لڑنے والے یہ عرب اسرائیل کے لیے کوئی خطرہ نہیں بن سکتے۔"

اس کی بات بالکل درست ہے۔

امریکہ اور برطانیہ کی ناجائز اولاد اسرائیل، اتنا چھوٹا ملک ہونے کے باوجود عربوں کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ اور عرب ممالک اتنی بڑی طاقت ہونے کے باوجود اسرائیل کے لیے کوئی خطرہ نہیں بن پاتے۔ صرف آپس کی رسہ کشی اور نااتفاقی کی وجہ سے۔

اب سوال یہ ہے اور آیئے ہم سب مل کر ٹھنڈے دل اور کھلے دماغ سے اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کریں:

کہ اتحاد اگر اس قدر ضروری اور مفید ہے تو پھر ہماری صفوں میں اتحاد کیوں نہیں ہوتا؟ جب کہ اتحاد کے لیے دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ اتحاد کے عنوان پر رسالوں میں لمبے چوڑے مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اس کے لیے سمپوزیم منعقد ہوتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس طرح کی کوششوں کے باوجود مسلمانوں میں نااتفاقی کی بیماری ختم ہوتی دکھائی نہیں دیتی؟

اصل میں ایک تو ہوتا ہے بگاڑ، اور کچھ ہوتے ہیں اس بگاڑ کے اسباب۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن چوں کہ بگاڑ کے اسباب باقی رہتے ہیں اس لیے ساری کوششیں رائگاں ہو جاتی ہیں اور بگاڑ ختم نہیں ہوتا۔

ذرا ہم اسے تفصیل سے سمجھیں۔

دنیا میں مختلف قسم کے طریقۂ علاج رائج ہیں۔ جیسے ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک، آیورویدک اور یونانی وغیرہ۔

ایلو پیتھک کی تھیوری ہے ازالۂ تکلیف، یعنی تکلیف کو دور کیا جائے لیکن طب یونانی کی تھیوری ہے ازالۂ سبب، یعنی بیماری کے سبب کو دور کیا جائے۔

فرض کیجئے، آپ کے سر میں درد ہے، آپ کسی ایلو پیتھک ڈاکٹر کے یہاں جائیں گے تو وہ آپ کو درد ختم کرنے والی گولیاں دیدے گا۔ اس سے یقینی طور پر آپ کا دردِ سر چند لمحوں کے لیے ختم ہو جائے گا لیکن کچھ دیر کے بعد پھر وہی کیفیت ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اگر آپ کسی یونانی طبیب کے یہاں چلے جائیں تو پہلے وہ جاننے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کرے گا کہ یہ درد کس سبب سے ہے؟

اگر اسے معلوم ہوگا کہ پیٹ کی خرابی کی وجہ سے ہے تو سب سے پہلے وہ پیٹ کی خرابی کا علاج کرے گا نہ کہ درد سر کا۔

کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جب بیماری کا سبب ختم ہو جائے گا تو بیماری خود بخود دور ہو جائے گی۔

اسی طرح نااتفاقی کے بھی کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ جب تک ہم انہیں ختم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تب تک ہمارا سماج ایک متحدہ سماج نہیں بن سکتا، اس کے لیے ہم چاہے جتنا ہاتھ پاؤں ماریں۔

اس کا پہلا سبب ہے اخلاص کی کمی۔

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ہر عمل اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔

اخلاص تمام اعمال اور عبادات کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے اسی طرح اخلاص کے بغیر اعمال وعبادات بے کار ہیں۔

بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ. ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

اسلام میں نیت کو کتنی اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے بستر پر سو نے گیا، سونے سے پہلے اس نے یہ نیت کی کہ آج میں تہجد کی نماز ضرور پڑھوں گا۔

پھر وہ سو گیا اور جب نماز تہجد کا وقت ہوا تو اس پر نیند کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ وہ جاگ نہیں سکا۔ جب مسجد سے فجر کی اذان ہوئی تب اس کی آنکھ کھلی۔

لیکن چوں کہ اس نے تہجد کی نیت کی تھی اور نیند کی وجہ سے اسے ادا نہیں کر سکا اس لیے اس کے نامہ اعمال میں تہجد کا پورا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

لیکن بندہ اگر کوئی ایسا عمل یا ایسی نیکی کرے جو اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو بلکہ ریا اور نمائش کے لیے ہو، کہ دوسرے لوگ دیکھ کر اسے نیکوکار سمجھیں گے، لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید کا جاننے والا ہے اس لیے وہ اس طرح کے اعمال کو قبول نہیں فرمائے گا۔

کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کہیں صرف ایک اینٹ رکھ دے تو ہو سکتا ہے کہ وہی اینٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نجات کے لیے کافی ہو جائے۔

لیکن اگر اس نے بہت بڑا ادارہ قائم کر دیا، بہت بڑی مسجد تعمیر کرا دی، بہت سے محتاجوں کے لیے وظیفے مقرر کر دیے، لوگوں کی سہولت کیلیے سڑکیں بنوا دیں، کنویں کھدوا دیے لیکن مقصد کچھ اور ہے تو صرف یہی نہیں کہ اس کی یہ بڑی بڑی نیکیاں اکارت ہو جائیں گی بلکہ اس طرح کی نیکیاں اس کے لیے وبالِ جان بھی بن سکتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ. ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔''

وَ مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ. ''اور جس نے دکھاوے کا صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔''

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حشر کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ایک شہید کو بلائے گا، اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان نعمتوں کا اعتراف بھی کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''تو نے میرے لیے کیا کیا؟'' وہ کہے گا ''اے اللہ! میں نے تیری راہ میں اپنی جان کی قربانی دیدی۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''تو جھوٹا ہے، تو نے شہادت میری رضا کے لیے نہیں حاصل کی تھی۔ تو میدانِ جنگ میں اس لیے گیا تھا کہ دنیا تجھے بہادر، مجاہد اور شہید کہے۔ تیرا جو مقصد تھا وہ تجھے مل گیا۔ اب یہاں تیرے لیے جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

چنانچہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک عالم کو بلایا جائے گا اور اس سے بھی یہی سوال ہو گا۔ عالم جواب دے گا:
''اے اللہ! میں نے تیرے دین کو گاؤں گاؤں، گلی گلی اور گھر گھر پہنچایا۔'' ارشاد ہو گا ''یہ سب تو نے صرف اس لیے کیا تھا کہ دنیا تجھے عالم اور قاری کہے۔ تو جو چاہتا تھا تجھے دنیا میں مل گیا۔ یہاں تیرے لیے دوزخ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔'' چنانچہ اسے بھی دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔

پھر ایک مخیّر مسلمان کو بلایا جائے گا اور اس سے بھی یہی سوال کیا ہو گا۔ وہ عرض کرے گا ''یا اللہ! میں نے تیرے دیئے ہوئے مال کو تیری راہ میں بے دریغ خرچ کیا، فلاں مسجد بنوائی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاں ادارہ قائم کیا، فلاں جگہ مسافر خانہ کی تعمیر کرائی۔ ''اللہ فرمائے گا'' تو جھوٹ کہتا ہے، یہ سب تو نے میرے لیے نہیں کیا تھا، یہ سب اس لیے کیا تھا تا کہ دنیا میں تیرا نام ہو، لوگ تجھے سخی اور داتا کے لقب سے پکاریں۔ تو جو چاہتا تھا پا گیا وہ چیزیں یہاں تیرے لیے نفع بخش نہیں ہو سکتیں۔'' چنانچہ اسے بھی دوزخ کے راستے پر لگا دیا جائے گا۔

سوچئے کس قدر رونگٹے کھڑی کر دینے والی ہے یہ حدیث۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت میں صرف کر دی اور جنہوں نے اپنے مال کو بے دریغ اللہ کے نام پر خرچ کیا۔ مگر اخلاص کے ساتھ نہیں بلکہ ریا و نمود کے لیے۔ اس لیے ان کے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

ایمان اور اخلاص دونوں لازم و ملزم ہیں۔

ایمان والے کا ہر کام اخلاص کے جذبے کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک واقعہ:

تاریخ اسلام کا ایک نہایت سبق آموز واقعہ ہے:

ایک بار کسی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک کافر کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے اسے زیر کر دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور جب انہوں نے اپنے خنجر سے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے لیٹے لیٹے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ اب حضرت علیؓ اسے قتل کئے بغیر اٹھ پڑے۔ اپنے خنجر کو میان میں رکھ لیا اور اسے آزاد کر دیا۔ کافر حیرت زدہ رہ گیا۔

اس نے پوچھا کہ جب آپ مجھ پر قابو پا چکے تھے تو پھر آپ نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟ اچانک مجھے چھوڑ کر کیوں اٹھ کھڑے ہوئے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑا مومنانہ جواب دیا، کہنے لگے:

''بھائی! اصل میں جب میں تمہیں قتل کرنے جا رہا تھا تو اپنے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے یہ کام کر رہا تھا لیکن جب تم نے میرے اوپر تھوک دیا تو مجھے تمہارے اوپر غصہ آ گیا۔ اب اگر میں تمہیں قتل کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ میں اپنا غصہ بجھانے کے لیے قتل کر رہا ہوں، حالانکہ اس میدانِ جنگ میں میں اپنا غصہ اتارنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے جنگ و جہاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے آیا ہوں۔"

ہم مسلمانوں میں جو نا اتفاقی ہے وہ عام طور پر اخلاص کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم میں اخلاص پیدا ہو جائے تو نا اتفاقی، آپسی ٹکراؤ، یا کسی قسم کے جھگڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

صحابہ کرام کی یہی حالت تھی کہ آگے اور پیچھے رہنے کے لیے انہوں نے کبھی اصرار نہیں کیا اور یہ ان کے اخلاص ہی کی وجہ سے تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خلیفہ کے حکم سے حضرت خالدؓ بن ولید کو فوج کی سربراہی سے معزول کر دیا گیا۔ یقیناً حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کے لیے یہ ایک زبردست ذہنی جھٹکا تھا۔ پھر وہ ایک معمولی سپاہی کی طرح پیچھے رہ کر لڑنے لگے۔ کسی نے کہا "آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

اِنِّیْ لَا اُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ عُمَرَ وَلٰکِنْ اُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ رَبِّ عُمَرَ. "میں عمر کے راستے میں نہیں بلکہ رب عمر یعنی اللہ کے راستے میں لڑتا ہوں۔"

یعنی جب اللہ کے راستے میں لڑنا ہے تو چاہے آگے رہ کر لڑوں یا پیچھے رہ کر۔

دوسرا سبب ہے قومی اور ملی مفاد سے زیادہ اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ کرنا۔ قوم و ملت کا نام اونچا کرنے کی فکر سے زیادہ اپنے سماجی مقام کو اونچا کرنا۔ جس قوم کے افراد میں اس طرح کی خود غرضی اور مفاد پرستی سما جاتی ہے اس کے افراد کبھی باہم متحد نہیں ہو سکتے۔

ایک واقعہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی بیس سال تک برابر اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ہر مہینے کسی نہ کسی بڑے علاقے کی فتح کی خوش خبری ملتی تھی۔

البتہ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو اسلامی فتوحات کا یہ سلسلہ بالکل ختم ہو گیا۔

لیکن سب سے پہلے جس شخصیت نے اسلامی فتوحات کے ان بند دروازوں کو کھولا، وہ تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ شعبان اور بعض روایات کے مطابق رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۵۰ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ ایران اور عراق کے خلیفہ تھے اور بقیہ دوسرے ممالک، جیسے یمن، حجاز، مصر، شام اور فلسطین پر حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت تھی۔

۴۰ھ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ایران اور عراق کے لوگوں نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں اپنا خلیفہ بنایا۔

ابھی ان کی خلافت کو چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت امیر معاویہؓ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر بغداد آئے اور انہوں نے حضرت حسنؓ کو پیغام دیا کہ: ''آپ خلافت میرے حوالے کر دیں یا تو جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔''

حالاں کہ اس وقت حضرت حسنؓ کے پاس بھی اتنی ہی تعداد میں مسلح لشکر تھا، جو ان کے ایک اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے پر تیار تھا۔

لیکن انہوں نے سوچا کہ اگر میں اپنی خلافت کے لیے جنگ کروں گا تو مسلمانوں کی تلوار سے مسلمانوں کا خون بہے گا۔

اس لیے انہوں نے چپ چاپ اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے کر دی۔

جو لوگ حضرت حسنؓ کے ساتھ تھے انہیں یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوئی۔ انہوں نے حضرت حسنؓ کے کپڑے نوچے، ان کو عار المسلمین یعنی مسلمانوں کے لیے باعث شرم کہا، حتیٰ کہ ان پر تلوار سے حملہ بھی کیا گیا لیکن حضرت حسنؓ نے فرمایا: ''خلافت اگر معاویہؓ کا حق تھا تو انہیں مل گیا اور خلافت پر اگر میرا حق تھا تو میں نے اسے معاویہؓ کو بخش دیا۔''

حضرت حسنؓ نے اپنے ذاتی فائدے کو، اپنی حکومت اور عہدے کو قوم وملت کے مفاد پر قربان کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا آپسی اختلاف اتحاد میں تبدیل ہو گیا۔

تیسرا سبب ہے بغض وکینہ، بدگمانی اور کبر وحسد۔

بخاری کی حدیث ہے اور جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ دین میں حدیث کی بہت بڑی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہمیت ہے کیوں کہ اللہ کی مرضی جاننے کے لیے جس طرح قرآن ایک مستند ذریعہ ہے اسی طرح حدیث رسول بھی ایک مستند ذریعہ ہے۔

اور اللہ کی قربت چاہنے والا جس طرح اللہ کے کلام کو نظر انداز نہیں کر سکتا اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "حدیث دین میں حجت نہیں ہے" اس طرح کی باتیں کم فہمی ہی کی نہیں بلکہ کج فہمی کی بھی دلیل ہیں کیوں کہ قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. "یہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں۔ یہ وہی بتاتے ہیں جو بذریعہ وحی ان پر نازل کی جاتی ہے۔"

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔

اس لئے اللہ کے کلام کو ماننا اور جس پر وہ کلام نازل ہوا ہے اس کی باتوں کو نہ ماننا دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک وقت کسی انسان کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں۔

جو قرآن کو مانے گا وہ حدیث رسول کو ضرور مانے گا اور جو حدیث رسول کا منکر ہو گا اللہ کے یہاں وہ قرآن کا بھی انکاری کہلائے گا۔

ہاں تو بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوْا. "مسلمانو! ایک دوسرے کے خلاف بغض وکینہ نہ رکھنا۔"

بغض وکینہ سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور بدگمانی وہ برا مرض ہے جس سے آدمی کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے اور اسی پر یقین بھی کر لیتا ہے۔

حالاں کہ آپ نے کہیں کوئی واقعہ دیکھا اور اس سے ایک اندازہ لگایا، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ کا اندازہ درست ہی ہو۔ آپ نے جو سمجھا ہے وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک جگہ دو ڈاکٹر بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اچانک ان دونوں نے دیکھا کہ ایک آدمی لنگڑاتا ہوا ان کی طرف آرہا ہے۔

اب ان میں سے ایک ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ آدمی جو آرہا ہے اس کے داہنے پاؤں میں موچ ہے اس لیے وہ لنگڑا رہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے ڈاکٹر نے کہا نہیں اصل میں اس کی پیٹھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اس لیے وہ لنگڑا کر چل رہا ہے۔

پہلے ڈاکٹر نے کہا اگر اس کے داہنے پاؤں میں موچ نہ ہو تو میں ایک ہزار روپے جرمانہ دوں گا۔

دوسرے نے کہا اگر اس کی پیٹھ کی ہڈی نہ ٹوٹی ہو تو میں دو ہزار روپئے دینے کو تیار ہوں۔

اتنے میں وہ شخص بالکل سامنے آ گیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا:

''ڈاکٹر صاحبان! لڑیے نہیں، نہ تو میرے پاؤں میں موچ ہے نہ ہی میری پیٹھ کی ہڈی میں کوئی خرابی ہے۔ اصل میں میرے داہنے پاؤں کی چپل ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے میں پاؤں گھسیٹ کر چل رہا ہوں۔''

اسی طرح آپ نے کہیں کسی کی کوئی بات سنی اور آپ نے اس سے ایک اندازہ لگایا کہ کہنے والے کا یہ مقصد ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ کہنے والے کا مطلب کچھ اور رہا ہو اور آپ نے کچھ اور سمجھ لیا ہو۔

دیہات کی ایک مسلم خاتون بہت نمازی تھیں، تہجد کی پابند تھیں۔ کسی وقت کی نماز قضا نہیں ہوتی تھی لیکن ان میں ایک بہت بڑا عیب تھا وہ یہ کہ وہ نماز بہت جلدی جلدی پڑھتی تھیں۔

ایک دن کسی نے ان سے کہا کہ آپ کی اس طرح مارا ماری کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ آپ نماز میں اتنی جلدی کیوں کرتی ہیں کہ رکوع و سجود باقاعدہ ادا نہیں ہوتے؟

تو انہوں نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا: ''دراصل بات یہ ہے کہ جس نے مجھے نماز سکھائی تھی اس نے اس بات کی تاکید کی تھی کہ نماز میں سستی نہ کرنا۔''

ذرا آپ سوچیں، کہنے والے کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ نمازوں کو چھوڑنا نہیں، نمازوں کو ان کے وقت مقررہ سے ٹال کر نہ پڑھنا، نمازوں سے غفلت نہ کرنا، نہ کہ دھڑا دھڑ رکوع اور سجدے کرنا۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر آدمی کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے اور اس مفروضے پر یقین بھی کر لیتا ہے۔

فرض کیجیے، آپ کا پڑوسی آپ سے بدگمان ہے یا اس کے سینے میں آپ کے خلاف بغض و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کینہ ہے۔

اچانک آپ نے دیکھا کہ پڑوسی کا بچہ چھت سے نیچے گرا جا رہا ہے۔ آپ دوڑے تا کہ بچے کو پکڑ لیں وہ گر نہ سکے اسی حالت میں پڑوسی نے آپ کو دیکھ لیا۔ اب وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ آپ بچے کو بچانے گئے تھے۔ وہ تو یہی سمجھے گا کہ آپ بچے کو چھت سے نیچے گرانے جا رہے تھے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَحَاسَدُوْا. ''اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرنا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عجیب و غریب انداز کی بنائی ہے۔ یہاں کسی کو بہت دیا ہے اور کسی کو کم دیا ہے۔ کسی کو اتنا ملا ہے کہ اسے خود اپنی دولت کا حساب معلوم نہیں ہے اور کوئی پائی پائی کا محتاج ہے۔

لیکن اللہ نے جسے مال، جائداد، علم یا سماجی مقام سے نوازا ہے اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ گھمنڈی بن جائے اور زمین پر اکڑ کر چلے۔

اسلام میں کبر و شرک کو تقریباً برابر بتایا گیا ہے۔

جس طرح ایک مشرک اللہ کے سوا دوسرے آستانوں پر بھی سجدہ کرتا ہے اسی طرح ایک متکبر شخص اپنی دولت اور اپنے سماجی مقام کو اللہ کا عطیہ نہیں بلکہ اپنے کسب و کمال کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

اس لیے کبر اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں ہے۔

ترمذی کی حدیث ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. ''وہ شخص جنت میں نہیں جا سکتا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر کبر اور گھمنڈ ہوگا۔''

صحابہؓ گھبرا اٹھے، انہوں نے پوچھا:

وَمَا الْكِبْرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. ''کبر کیا چیز ہے یا رسول اللہ!''

ارشاد ہوا: بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ. ''حق کو نظر انداز کر دینا اور اپنے مقابلے میں دوسرے بندوں کو ذلیل اور حقیر سمجھنا۔''

جب آدمی گھمنڈی بن جاتا ہے تو وہ آنکھ ہونے کے باوجود سچائی کو دیکھ نہیں پاتا۔ تب وہ کان ہونے کے باوجود حق کی آواز سن نہیں پاتا۔ تب وہ دل و دماغ رکھنے کے باوجود معقولیت کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تسلیم نہیں کر پاتا۔

متکبر شخص ہدایت کی باتیں سننے کے باوجود اسے پانے سے محروم رہ جاتا ہے۔

جیسے کسی لوہے پر پلاسٹک کا کاغذ بچھا دیا جائے، پھر اس پر پانی ڈالا جائے، پانی بظاہر لوہے پر ڈالا جائے گا لیکن اس پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرے گا کیوں کہ پلاسٹک کا کاغذ لوہے اور پانی کے درمیان رکاوٹ بن جائے گا۔

اسی طرح متکبر شخص ہدایت کی باتیں سننے کے باوجود اسے پانے سے محروم رہ جاتا ہے۔

جیسے ابوجہل، اس نے دیکھا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں مگر اس کے گھمنڈ نے اسے ہدایت قبول کرنے سے محروم رکھا۔

لیکن اللہ نے جسے مال و دولت سے محروم کر دیا ہے اسے یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں سے حسد کرے۔

حسد کا مطلب ہے کہ آدمی یہ تمنا کرے کہ اگر میرے پاس نہیں ہے تو اس کے پاس بھی نہ رہ جائے۔ اگر میرا کاروبار فیل ہے تو اس کا کاروبار بھی تباہ ہو جائے۔ اگر میرے پاس مکان نہیں ہے تو اس کا مکان بھی جل کر خاک ہو جائے۔ اگر سماج میں میرا کوئی مقام نہیں ہے تو اس کا بھی سماجی مقام ختم ہو جائے۔

حسد وہ بری بیماری ہے کہ آدمی کو زہریلے جانور سے بدتر بنا دیتی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مشہور نبی گذرے ہیں۔ ان کے دو بیٹے تھے، حضرت یوسف اور حضرت بن یمین جو ایک ماں سے تھے۔ بقیہ بیویوں سے دس بیٹے تھے۔

آگے چل کر سوتیلے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ حسد کیا اور انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے۔

معلوم ہوا کہ حسد وہ بری چیز ہے جس میں مبتلا ہو کر آدمی اپنے بھائی تک کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس طرح آگ لکڑی کو برباد کر دیتی ہے اسی طرح حسد انسان کی نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔''

عام طور پر سماج میں انہی خرابیوں کی وجہ سے نزاع پیدا ہوتا ہے اور لوگ مختلف گروہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بٹ جاتے ہیں۔

چوتھا سبب ہے نفس پرستی اور انانیت اور یہ سب سے زیادہ بری چیزیں ہیں۔

بیہقی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں۔ کھلے اور چھپے اللہ کا ڈر رکھنا، خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں حق بات کہنا اور غریبی اور خوشحالی دونوں میں اعتدال پر قائم کرنا۔

ہلاک کرنے والی چیزی ہیں۔ خواہش کی پیروی کی جائے، بخل کا طریقہ اختیار کیا جائے اور آدمی کی خود پسندی۔ اور یہ آخری چیز سب سے زیادہ بری ہے۔''

آدمی سوچتا ہے کہ میں بڑا ہوں اس لیے میری بات بھی بڑی ہے۔ چوں کہ میں سماج میں سب سے اونچا ہوں اس لیے میری بات نیچی کیسے ہوسکتی ہے۔

ہر انسان کے اندر تفوق کا جذبہ ہوتا ہے کہ وہ سب پر بھاری رہے اور اس کی بات نیچی نہ ہونے پائے۔

ایک واقعہ:

کسی جگہ میاں بیوی بیٹھے ہوئے ناشتہ کی تیاری کر رہے تھے۔ شوہر کے ایک ہاتھ میں چھری تھی دوسرے ہاتھ میں ڈبل روٹی۔ وہ چھری سے ڈبل روٹی پر مکھن لگا رہا تھا اور بیوی سے کہہ رہا تھا ''دیکھو اللہ کی بنائی ہوئی اس دنیا میں چاروں طرف دکھ ہی دکھ ہے۔ سکھ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہاں مصیبت ہی مصیبت ہے آرام کا شائبہ تک نہیں ہے۔''

بیوی نے کہا ''نہیں اس دنیا میں اگر دھوپ ہے تو چھاؤں بھی ہے، دکھ ہے تو سکھ بھی ہے۔ مصیبت ہے تو آرام بھی ہے۔ انسان کبھی پریشانی جھیلتا ہے تو سکون کی گھڑیاں بھی اسے میسر ہوتی ہیں۔''

شوہر نے کہا: ''ہرگز نہیں، میری بات غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو میرے ہاتھ میں مکھن لگی ہوئی ڈبل روٹی ہے اگر میں اسے اوپر سے گراؤں تو جس حصہ میں مکھن لگا ہے وہ زمین پر گر جائے گا یعنی مکھن برباد ہو جائے گا اور اس کا سوکھا حصہ اوپر ہو جائے گا۔''

بیوی نے کہا کہ اگر تم ایسا کرو تو اس کے الٹا بھی ہوسکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوہر نے کہا ''ناممکن''

اب شوہر نے تھوڑا اوپر سے ڈبل روٹی کو گرایا، اتفاق سے بیوی کی بات سچ نکلی یعنی سوکھا حصہ نیچے گرا اور مکھن لگا ہوا حصہ اوپر رہا۔

بیوی نے کہا: ''دیکھا میں کہتی تھی کہ تمہاری بات غلط ہو سکتی ہے۔''

شوہر نے کہا: ''نہیں، میری بات غلط نہیں ہے۔ اصل میں، میں نے مکھن ہی الٹا لگا دیا تھا۔''

ذرا سوچیے۔ سماج میں مختلف مزاج کے انسان ہوتے ہیں۔ اب اگر ہر شخص چاہے کہ اس کی بات نیچی نہ ہو تو سماج ایک متحدہ سماج کیسے بن سکتا ہے؟

آپ کے سامنے جو بلڈنگ ہے یہ کیسے بنی؟

اس کی بنیاد میں کچھ اینٹیں دفن ہو گئی ہیں، پھر اس پر دیواریں کھڑی کی گئیں، اس کے بعد ایک شاندار عمارت وجود میں آسکی ہے۔

اگر ہر اینٹ یہ چاہتی کہ میں نیچے نہیں رہوں گی بلکہ اوپر رہوں گی تو نہ دیوار کھڑی ہو سکتی تھی نہ یہ بلڈنگ بن سکتی تھی۔

مسلمان کی پوری زندگی ایک امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ ملک میں ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً. ''اللہ ہی ہے جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل والا ہے۔''

امتحان سے پہلے طالب علم کو پڑھایا جاتا ہے، پھر اسے امتحان کا سوال نامہ دیا جاتا ہے، اب اسے اختیار ہے کہ صحیح جواب لکھے یا غلط۔

فرض کیجیے، امتحان میں جنرل نالج کا پرچہ ہے، اس میں سوال آتا ہے کہ: ''فرانس کی راجدھانی کا نام لکھو۔''

اب طالب علم کو اختیار ہے چاہے وہ لکھ دے کہ فرانس کی راجدھانی پیرس ہے اور چاہے تو لکھ دے کہ ڈھاکہ ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا کہ تم غلط جواب کیوں لکھ رہے ہو؟

البتہ اگر اس کا جواب صحیح ہو گا تو پاس ہو جائے گا، غلط ہو گا تو فیل ہو جائے گا۔

اسی طرح مختلف موقعوں پر حق اور معقولیت کے بارے میں آدمی کا بھی امتحان ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کے سامنے حق آتا ہے، سچائی آتی ہے، ایسی حالت میں اس کے ایمان کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ حق کا اعتراف کرلے اور معقولیت کے آگے خود کو جھکادے۔

جو شخص معقولیت کے آگے خود کو جھکادے وہ گویا اللہ کے آگے جھکا ہوا ہے اور جس نے حق کے آگے جھکنے سے انکار کردیا وہ اللہ کے آگے بھی جھکا ہوا نہیں ہے چاہے دنیا کی زندگی میں وہ کتنا ہی زیادہ خدا پرستی کا مظاہرہ کیوں نہ کررہا ہو۔

اکڑ سے سماج میں نفرت اور دشمنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور عاجزی اور تواضع سے اتحاد و اتفاق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اس لیے جب تک ہم انانیت اور نفس پرستی کو ختم نہیں کریں گے تب تک اتحاد جیسی دولت سے محروم رہیں گے۔

اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جنہیں ہے شرک سے نفرت خدا کو ایک کہتے ہیں
یہ ان میں اب تلک کیوں جنگ اور تکرار باقی ہے
سبب اس کا تو ہے ظاہر، خدا لب پر خودی دل میں
بتانِ سنگ ٹوٹے ہیں بتِ پندار باقی ہے

ایک واقعہ:

کسی گاؤں میں دو بھائی تھے، ان کے گھر میں دودھ اور گھی کا کاروبار ہوتا تھا۔ ایک دن بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے ہاتھ میں گھی کا برتن دیا۔ کسی وجہ سے چھوٹا بھائی اسے پکڑ نہیں سکا۔ برتن نیچے گر گیا جس کی وجہ سے سارا گھی برباد ہوگیا۔

اب چھوٹا بھائی بول اٹھا ''بڑے بھیا! قصور آپ کا نہیں ہے، غلطی میری تھی کہ میں ٹھیک طریقے سے برتن نہیں پکڑ سکا۔''

بڑے بھائی نے کہا ''نہیں تم سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔ اصل میں میں صحیح ڈھنگ سے تمہیں برتن نہیں پکڑا سکا۔''

دونوں کے چھوٹے بن جانے کی وجہ سے بات جہاں تھی وہیں ختم ہوگئی۔

لیکن اگر چھوٹا بھائی کہتا کہ بڑے بھائی کا قصور ہے تو بڑا بھائی کہتا کہ گھی کی بربادی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹے بھائی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا؟

کمی تو برباد ہو ہی گیا تھا مگر گھر کا امن وامان بھی درہم برہم ہو جاتا۔

پانچواں سبب ہے بے برداشت ہونا۔

ایک طرف رمضان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

هِيَ شَهْرُ الصَّبْرِ. "یہ صبر و برداشت کا مہینہ ہے۔"

دوسری طرف مسلمانوں میں یہ عام بیماری ہے کہ اگر ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو گئی تو اسے برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔

جیسے جاڑے میں سانپ ٹھٹھرا ہوا رہتا ہے اور بظاہر بے ضرر معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اسے چھیڑ دے تو فوراً کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی حال آج کے انسانوں کا بھی ہے۔

آپ کسی انسان کی تعریف کریں، اس کے ہاں میں ہاں ملائیں، اس سے خوشامدانہ باتیں کریں تو اس کا لاشعور آپ کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھے گا۔ گویا آپ اس کی انا کو تسکین دے رہے ہیں لیکن جہاں آپ نے اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ دی...... چاہے وہ درست ہی کیوں نہ ہو...... بس وہ آپ کے لیے بپھرا ہوا سانپ بن جائے گا۔

جیسے ریلوں میں جو پارسل دوسرے شہروں کو بھیجے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے نازک پارسل ہوتے ہیں جن میں شیشے وغیرہ کا سامان ہوتا ہے، ان پر لکھا رہتا ہے:

"آہستہ سے رکھئے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ آہستہ نہیں رکھیں گے تو ٹوٹ جائے گا۔ یہیں کچھ معاملہ انسانوں کا بھی ہے۔

آج ہر شخص نازک پارسل بنا ہوا ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگ اللہ کی زمین پر بوجھ ہیں اور ان کے ذریعہ کبھی متحدہ سماج نہیں بن سکتا۔

بہترین انسان وہ ہے جو لوہے کی مانند ہو۔ لوہے کو آہستہ سے زمین پر رکھیے تب بھی وہ لوہا ہے اور اسے زور سے پٹخ دیجئے تب بھی وہ لوہا ہے۔

صحابہؓ کرام نازک پارسل کی طرح نہیں بلکہ لوہے کی طرح تھے۔ اگر کسی سے انہیں کوئی تکلیف پہنچ جاتی تھی تو وہ فوراً انتقام لینے پر آمادہ نہیں ہو جاتے تھے بلکہ درگذر کا سلوک کرتے تھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

اتحاد کے لیے صبر و برداشت اسی طرح ضروری ہے جس طرح مکان کے لیے سیمنٹ۔

چھٹا سبب ہے غیبت اور چغلی۔

قرآن مجید کی سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتاً. ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔''

کیا ہم نے کبھی اس پر غور کیا کہ غیبت کو اتنا بڑا گناہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟

آیئے میں آپ کو سمجھاؤں کہ اسلام میں غیبت کو زنا سے بھی زیادہ سنگین گناہ کیوں بتایا گیا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر رہیں یعنی اس طرح مل جل کر رہیں جیسے جسم کے اعضا ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔

اسلام تفرقہ، باہمی بغض و عناد اور آپسی جنگ و فساد سے روکتا ہے۔

نہ صرف فساد بلکہ ہر اس بات سے منع کرتا ہے جس سے فساد پھیلتا ہے۔

آپ ذرا خیال کریں، تو اس نتیجے کو پہنچ جائیں گے کہ دنیا میں سب سے زیادہ فساد، جنگ اور فتنہ کا سبب غیبت اور چغلی ہے۔

جب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ کی برائی کی ہے تو آپ کے دل پر ایک سخت چوٹ لگتی ہے، اس کے خلاف آپ کے سینے میں نفرت کے جذبات پرورش پانے لگتے ہیں۔

پھر آپ کے اندر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ آپ اس شخص سے بدلہ لیں، اسے نقصان پہنچائیں اور اسے ہر طرح سے ذلیل کریں۔

پھر آپ اس کے عیبوں کو دوسروں سے بیان کرتے پھرتے ہیں۔ بات یونہی بڑھتی جاتی ہے۔ آپ کی طرف کے لوگ اسے ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور اس کی طرف کے لوگ آپ کو ذلیل کرنے کے منصوبے بناتے ہیں جس سے پورا سماج جھگڑے اور فساد کا گہوارہ بن جاتا ہے اور اسلامی اتحاد کا دامن پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں سبب ہے اپنی برائیوں کو نہ دیکھ کر دوسروں کی برائیوں پر نگاہ رکھنا۔

آج پوری ملت کا یہ حال ہے کہ ہر شخص دوسرے کے عیبوں کو انتہائی باریک بینی سے دیکھ لیتا ہے لیکن اپنے عیبوں کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

آج ہر شخص کے پاس ایک پیمانہ ہے مگر اپنی برائیوں کو ناپنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی برائیوں کو ناپنے کے لیے۔

ہر شخص کے پاس ایک آلہ ہے مگر اپنی کمیوں کو جاننے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی کمیوں کو جاننے کے لیے۔

آدمی دوسرے کی معمولی سی غلطی کو پہاڑ کے برابر سمجھتا ہے اور اپنی پہاڑ برابر غلطی کو کچھ اہمیت نہیں دیتا۔

حالاں کہ جو چیز ہمارے کام آئے گی وہ اپنی برائیوں کا جاننا ہے نہ کہ دوسروں کی برائیوں کا ماہر بننا۔

عام طور پر مسلمانوں میں جب کوئی نزاع پیدا ہوتا ہے تو ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ دوسرا اپنے موقف سے ہٹ جائے اور وہ خود بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔

ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ فریق مخالف اس کی بات مان لے لیکن میں اس کی بات نہ مانوں۔

ایک واقعہ:

بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر سر اقبال مرحوم جو ایک قابل بیرسٹر بھی تھے، کے پاس ایک صاحب اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

دراصل ان کا اپنی بھتیجی کے ساتھ جائداد کا کوئی مقدمہ چل رہا تھا، وہ اپنی بھتیجی کو اس کا حق دینے پر تیار نہیں تھے اس لیے معاملہ عدالت میں زیر سماعت تھا۔

وہ جب آتے ڈاکٹر صاحب کو نصیحت کرتے کہ آپ کے چہرے پر داڑھی نہیں ہے آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء کی سنت سے محروم ہیں، اس لیے آپ داڑھی رکھ لیجیے۔

ایک روز حسب معمول وہ آئے۔ انہوں نے کچھ رائے لی اور پھر یہی نصیحت کی۔

ڈاکٹر اقبالؒ نے کہا: ''جناب! آپ کی نصیحت سے مجھ پر بہت اثر ہوا ہے۔ آج سے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کی بات ضرور مانوں گا۔ آیئے ہم اور آپ ایک معاہدہ کرلیں۔ آپ اپنی بھتیجی کو اس کا جائز حق دیدیجئے اور میں داڑھی رکھ لیتا ہوں۔

لیکن وہ آنا کانی کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ انہوں نے اپنی بھتیجی کو اس کا حق دیا نہ ڈاکٹر اقبال کے چہرے پر داڑھی اُگی۔

آج کا انسان صرف دوسروں کو دیکھتا ہے خود کو دیکھنے کی اسے فرصت نہیں ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مسلمان اپنے بزرگوں کی قبروں کو بت کی طرح پوجتے ہیں اور وہی سب کرتے ہیں جو مشرکین اپنے دیوی دیوتاؤں کے ساتھ کرتے تھے مگر اسے برا نہیں سمجھتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی غیر مسلم پتھر، سورج اور درخت کے سامنے سر جھکا دے تو اسے مشرک اور جہنمی کہتے ہیں۔

کیا یہ جھوٹ ہے کہ مسلمان اپنی مسجدوں کے سامنے باجہ بجاتے ہوئے بارات لے کر جاتے ہیں اور عاشورہ محرم کے دن مسجد کے سامنے کھڑے ہو کر گھنٹوں ڈھول تاشہ بجاتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی غیر مسلم مسجد کے سامنے باجہ بجا دے تو اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چاہے انہی کے خون سے ہندوستان کی سڑکیں سرخ کیوں نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ. ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو دیکھو، اگر تم صحیح راستے پر ہو تو جو گمراہ ہے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

کسی کے کھیت سے پانی بہا جا رہا ہے، اس کے لئے ہمیں چلانے کی کیا ضرورت ہے۔

ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کہیں ہمارے کھیت سے تو پانی نہیں بہا جا رہا ہے؟

دوسرے کا لڑکا بدراہ ہے، سنیما دیکھتا ہے، اسکول نہیں جاتا ہے، نمازوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے لیکن ہمیں اس کی برائی کرنے سے زیادہ اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ کہیں اس طرح کی بیماریاں ہمارے بچوں میں تو نہیں ہیں؟

مگر افسوس ہم میں سے ہر شخص کا یہ طریقہ بن گیا ہے کہ اسے صرف دوسروں کی ذمہ داریوں کی فکر ہے، اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی اسے فرصت ہی نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تک ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنی برائیوں کو دیکھنے کے عادی نہیں بنیں گے تب تک سماج میں اتحاد واتفاق کی امید نہیں کی جا سکتی۔

حضرات! رمضان کے مہینے میں ہم نے ایک پابند زندگی گزاری ہے۔ ہم نماز تراویح ادا کر کے سو گئے لیکن صبح صادق سے کچھ پہلے ہی اٹھ گئے، سحری کھائی پھر جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی اور پورا دن بھوکا پیاسا رہ کر گذار دیا۔

ہمیں بھوک لگی لیکن ہم نے کھانا نہیں کھایا، پیاس سے ہونٹ سوکھ گئے مگر پانی کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہیں ڈالا، یعنی اللہ کی رضا کے لیے ہم نے حلال چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا۔

پھر شام ہوئی، سورج غروب ہوا تو ہم کھانے اور پانی کی طرف اس طرح لپکے جیسے ہم باندھ دیے گئے تھے اور اب چھوڑ دیے گئے ہیں۔

اور یہ باندھنا اور چھوڑنا پورے ایک ماہ تک جاری رہا۔

اسی طرح ہمیں اپنی پوری زندگی گذارنی ہے کہ اللہ نے جن جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کی طرف ہم لپک پڑیں اور اس نے جن جن باتوں، جن جن کاموں اور جن جن چیزوں سے روکا ہے اس سے بالکلیہ طور پر بچیں۔

مسلمان کی زندگی ایک پابند زندگی ہے۔

مسلمان کوئی چھوٹا ہوا جانور نہیں ہوتا کہ جس کھیت میں چاہا گھس گیا یا جہاں ہرا چارہ دیکھا وہیں منہ مار دیا۔

ایمان اور مسلمان کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دی ہے:

''ایمان اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کھونٹے سے بندھا ہوا گھوڑا ہوتا ہے۔ کھونٹے سے بندھا ہوا گھوڑا خواہ کتنی ہی جولانیاں دکھائے، کتنا ہی اچھلے کودے لیکن تھوڑی سی اچھل کود کے بعد اس کے گلے کی رسی اسے مجبور کر دیتی ہے کہ اپنے کھونٹے کی طرف واپس آ جائے۔''

خواتین وحضرات!

یہ ایک تلخ سچائی ہے کہ آج ہم اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر خدا فراموشی اور خود فراموشی کے اندر مبتلا ہو گئے ہیں۔

ہم نے اس بات کو بھلا دیا ہے کہ اللہ ہی ہمارا خالق و مالک ہے اور اس نے ہمیں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح اور متعین مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔

اور اسی خدا فراموشی اور خود فراموشی کا نتیجہ ہے کہ ہر چہار طرف ذلیل و خوار ہیں۔ ہماری کوئی حیثیت نہیں، ہمارا کوئی سماجی مقام نہیں۔

اس ملک میں ہم پر وہ قوم مسلط کر دی گئی ہے جو ہمیں پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتی۔ آج وہی لوگ ہماری قسمتوں کے مالک بن بیٹھے ہیں جو اس ملک کو ہمارے لیے اندلس بنا دینا چاہتے ہیں۔

مگر افسوس ہم ہوش میں آنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آج عید ہے مسرت اور شادمانی کا دن۔ لیکن عید کی خوشیاں منانے والے، اس کی راحتوں وار مسرتوں میں شریک ہونے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے اعمال کا جائزہ تو لیں۔

کہ ہم نے کتنے روزے رکھے؟ کتنوں کو افطار کرایا؟ کتنے محتاجوں کے لیے سحری اور افطاری کا انتظام کیا؟ کتنے مجبوروں کی مدد کی؟ رمضانِ مقدس کے احترام اور اس کے فیوض و برکات سے فائدہ اٹھانے کے لیے کس حد تک پیش پیش رہے؟ کلام الٰہی کی کتنی تلاوت کی؟ اس کی آیات پر غور کرنے کے لیے اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت نکالا؟ اور اپنے مولا سے ہم کلامی کا کتنا لطف لیا؟ نماز میں کتنا وقت گذارا؟ کتنی بار اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو یاد کر کے روئے؟ اللہ رب العالمین سے کتنی بار توبہ واستغفار کیا؟ راتوں کے کتنے لمحات سونے کے بجائے یادِ الٰہی میں گذارے؟ خدانخواستہ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر۔

حضرت کو حق ہی کیا ہے منائیں بہار عید

روزوں کی فرضیت کا مقصد بتایا گیا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ''تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

یعنی اللہ کی رضا کے لیے بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان متقی بن جائیں۔ ہر وقت اور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہیں، دنیا کے مآل اور آخرت کے انجام کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔ یہ نہیں کہ رمضان کے روزے رکھے، نماز بھی ذوق و شوق سے ادا کر لی اور پھر سال بھر کی چھٹی ہو گئی۔

یہ بات مشاہدے میں آ چکی ہے کہ اکثر مسلمان رمضان شریف میں روزے رکھنے کے علاوہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن جونہی ماہِ صیام ختم ہوتا ہے وہ پھر نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ قرآن سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے اور گناہوں کے ارتکاب میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

حالاں کہ یہ فعل نہ صرف دنیا کو دھوکا دینا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی فریب دیتے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ فرزندانِ اسلام فریضۂ صیام ادا کرنے کے بعد نفس امارہ کے ضبط و تزکیہ میں اس قدر ماہر و کامل ہو جائیں کہ ہر ساعت میں ہر امر میں انہیں تقویٰ نظر آئے۔

آخر میں ایک حدیث سن لیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو شخص شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھ لے گا اللہ تعالیٰ اسے سال بھر کے روزوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔''

ان روزوں کو چاہے مسلسل رکھے، چاہے الگ الگ، دونوں صورتوں میں اختیار ہے۔

آیئے ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

بارالٰہا! ہم تیرے گنہگار بندے اس میدان میں تیرا ذکر کرنے، تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور تیری رحمت طلب کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، تو ہماری لغزشوں کو درگذر فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔

اے اللہ! تو ہمارے روزوں کو اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادات کو قبول فرما۔

یارب العالمین! تو حشر کے میدان میں عرش کے سایہ میں جگہ دے، جس دن تیرے سایہ کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔

الٰہ العالمین! ہمیں وہ ایمان و یقین نصیب فرما جو تیری راہوں میں آنے والی مشکلات کو آسان کر دے۔ ہمیں وہ خوف عطا فرما جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

اے مالک الملک! ہمارے دلوں میں اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت عطا فرما جس سے ہر دوسری رہنمائی ہمارے لیے بے حقیقت بن جائے۔

ہمیں اس بات کی توفیق نصیب فرما کہ ہم اپنے ہر قول و فعل کو آخرت کے میزان پر جانچتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پرکھتے رہیں۔

اے اللہ! ہمارے جو مسلمان بھائی بیمار ہیں تو انہیں شفائے کلی عطا فرما، جو بھائی کسی مصیبت میں مبتلا ہیں ان کی مشکلات کو آسان فرما، ہم میں سے جو لوگ دنیا سے جا چکے ہیں ان کی بال بال مغفرت فرما اور جو لوگ زندہ ہیں انہیں اسلام کے راستے پر چلنے کی توفیق نصیب فرما۔

یا رب العالمین! وہ لوگ جو ہمارے اور تیرے دین کے دشمن بنے ہوئے ہیں ان کے عزائم کو خاک میں ملا دے۔

رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا　　　ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عید الاضحیٰ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى. اَمَّا بَعۡدُ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ. فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ. وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ. قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ. اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ. وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ.

اسلامی بھائیو اور بہنو!

سب سے پہلے اللہ رب العالمین کی تعریف اور توصیف بیان کرتا ہوں جس کی مدد اور توفیق سے آج ہم عید قربان منانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے۔

اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں ...... اور ہر مسلمان کو جاننا چاہیے ...... کہ اسلامی سال محرم الحرام سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے۔

یعنی یہ مہینہ، اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔

اس مہینے کی دسویں تاریخ سے لے کر تیرھویں تاریخ تک مسلمان اپنے پروردگار کے حضور جانوروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔

قربانی کے بارے میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

مَا هٰذِهِ الۡاَضَاحِىُّ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ. ''یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْم. ''تمہارے جدامجد حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا وہ مشہور واقعہ، جس پر چار ہزار برس سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اس لیے زندہ رکھا جارہا ہے تاکہ ان کی پوری زندگی اور ان کی مکمل سیرت ہمارے سامنے رہے اور ہم اس بات کا خیال رکھیں اور دل میں یہ احساس کریں کہ قربانی کرتے وقت جس جگہ ہماری چھری چلتی ہے وہ ایک بھیڑ یا بکرے کا گلا ہوتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھری جہاں چلی تھی وہ ان کے اکلوتے بیٹے کا گلا تھا۔

اور جتنی تیزی کے ساتھ ہم اپنے جانور کو ذبح کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ بے جگری کے ساتھ اس بوڑھے باپ نے اپنی اکلوتی اولاد کے گلے پر چھری رکھ دی تھی۔ کیوں کہ اللہ کا حکم یہی تھا۔ اللہ کی مرضی یہی تھی، اللہ کی رضا اسی میں تھی اور اللہ کی محبت کا تقاضہ یہی تھا۔

حضرت ابراھیمؑ:

یوں تو اس دنیا میں انسانوں کو سیدھی راہ پر لگانے کے لئے ہزاروں انبیاء مبعوث فرمائے گئے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ان خوش قسمت انبیاء میں سے ہیں جن کا ذکر اور بیان قرآن مجید میں متعدد بار اور مختلف جگہوں پر آیا ہے۔

بلکہ قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک کا نام سورۂ ابراہیم ہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تین چوتھائی دنیا کے روحانی پیشوا ہیں۔

ہر نمازی اپنی نماز کی آخری رکعت میں تشہد کے بعد درود پڑھتا ہے۔ اللہ کرے تشہد، درود اور نماز کی سب دعائیں ہم مسلمانوں کو یاد ہوں اور جنھیں یاد نہ ہوں اللہ تعالیٰ ان سب کو یاد کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جب ہم درود پڑھتے ہیں تو جہاں ہم یہ کہتے ہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وہیں ہم یہ بھی کہتے ہیں: کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ.

یعنی جہاں نماز میں درود کا پڑھنا ضروری ہے وہیں درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام آنا بھی ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علی السلام کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا. ''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا۔''

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کا یہ مقام اور اتنا عظیم مرتبہ کیوں ملا؟

ایک مدرسہ ہے، جس میں بہت سے بچے تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں لیکن جو بچے مدرسہ کے اصول وضوابط کی پابندی کرتے ہیں، تعلیم حاصل کرنے میں محنت ومشقت اٹھاتے ہیں، علم کے لیے اپنی نیند اور اپنے آرام کو قربان کرتے ہیں وہی علم وتفقہ کے میدان میں ابن تیمیہؒ، احمد ابن حنبلؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور اسماعیلؒ شہید بن کر نکلتے ہیں۔ وہی سیاست کے میدان میں ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور رفیع احمد قدوائی بن کر چمکتے ہیں۔

لیکن جو بچے اسکول کی مشقتوں کو برداشت کرنے میں آنا کانی کرتے ہیں، علم کے لیے کسی قسم کی قربانی دینے پر آمادہ نہیں ہوتے، زندگی کے میدان میں سوائے محرومی اور مایوسی کے ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

ایک نکتہ:

قدرت کا یہ اصول ہے کہ بامقصد چیز کو پانے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے لیکن بے مقصد اور بے فائدہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے کوئی قربانی نہیں دینی پڑتی۔ بے فائدہ چیز تو بلا مشقت مل جاتی ہے۔

مثلاً اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے کھیتوں میں گیہوں، دھان اور گنا کی لہلہاتی ہوئی فصل اُگے تو اس کے لیے آپ کو کھیت کی جوتائی کرنی ہوگی، اس میں بیج ڈالنا ہوگا، اس میں سینچائی کا انتظام کرنا ہوگا تب کہیں آپ کے کھیت میں آپ کی پسندیدہ فصل اُگے گی۔

لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ اس میں بےکار قسم کی گھاس اُگ آئے تو اس کے لیے آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ بے فائدہ قسم کے جھاڑ جھنکار تو بلا کچھ کیے ہی اُگ آئیں گے۔

اگر آپ چاہیں کہ آپ کے گھر میں روشنی ہو جائے تو اس کے لیے آپ کو تیل، بتی، لالٹین اور آگ کا انتظام کرنا ہوگا تب کہیں آپ کے گھر میں روشنی آئے گی۔

لیکن اگر آپ چاہیں کہ آپ کے گھر میں اندھیرا ہو جائے تو آپ کچھ نہ کیجئے بس خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہیے، اندھیرا خود بخود آپ کے گھر میں آ جائے گا۔

کوئی شخص پستی سے بلندی پر جانا چاہے تو اسے اوپر چڑھنا ہوگا، اس کے جسم میں تکان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہو جائے گی، اس کے پاؤں میں ورم ہو جائے گا تب کہیں وہ پستی سے بلندی پر پہنچ سکے گا۔ لیکن اگر وہ بلندی سے پستی کی طرف آنا چاہے تو وہ بلا محنت اپنے مقصد تک پہنچ جائے گا۔

وہ ذرا سا اپنے بدن کو ڈھیلا کر دے، بس اسے بلندی سے پستی تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بلند مقام ان کے ایثار و توکل، ان کے صبر و استقامت اور ان کی بے مثال قربانیوں کی وجہ سے ملا۔

مومن کے لیے دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے، یہ آزمائش کبھی مال کے ذریعہ، کبھی بیماری کے ذریعہ اور کبھی اولاد کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. ''ہم تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور ان حالات میں جو لوگ صبر کریں، اے نبی! تم انہیں خوشخبری دیدو۔''

یعنی اللہ کی رضا کا حصول کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ یہ تو کانٹوں کی وادی ہے۔ اس کام کے لیے تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی۔ سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقامت کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں بڑھے چلے جاؤ گے تب تم پر اللہ کی عنایات کی بارش ہوگی۔

اسی سورۃ میں یہ بھی ارشاد ہوا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ. ''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں یوں ہی جنت کا داخلہ مل جائے گا، حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب نہیں گذرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گذر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گذریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتی کہ وقت کا رسول اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ آل عمران میں بتایا گیا:

لَتُبْلَوُنَّ فِی اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا. وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. ''مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔''

معلوم ہوا کہ راہ حق میں انسان کو بڑی سے بڑی مصیبتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو جان اور اولاد کے سلسلے میں ہو۔

گذرے ہوئے اور موجودہ حالات بتاتے ہیں کہ بہادر سے بہادر انسان بھی اپنی ذات کی حفاظت کے لیے سارا مال اور دولت قربان کر دیتا ہے۔

لیکن جہاں بیوی بچوں کے قربان کرنے کا معاملہ در پیش ہو تو وہاں جری سے جری انسان بھی پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور اس کے پیر ڈگمگانے لگتے ہیں بلکہ عموماً وہ تذبذب سے دوچار ہو کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

جب ہم قدرت کے اس اصول...... یعنی اصول آزمائش ...... کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر ڈالتے ہیں تو سرِ فہرست حضرت ابراہیم خلیل اللہ نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ. ''یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان سب میں پورا اتر گیا۔''

حضرت ابراہیم کی پوری زندگی اس طرح گذری کہ انہوں نے ہر نعمت اور ہر چیز، یعنی باپ سے زیادہ، خاندان سے زیادہ، قوم و وطن سے زیادہ، عہدے اور مناصب سے زیادہ، اپنی جان سے زیادہ حتیٰ کہ بیوی بچوں سے بھی زیادہ اللہ کے حکم اور منشا کو قیمتی سمجھا۔

جسے میں ایک واقعہ کے ذریعہ سمجھانا چاہتا ہوں۔

ایک واقعہ:

کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا، جس کے پاس ایک ایسا قیمتی ہیرا تھا جس کی مالیت ساٹھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاکھ اسرفیاں تھیں۔ بادشاہ کے چار وزیر تھے۔

ایک دن اس نے اپنے چاروں وزیروں کو بلایا اور ان میں سے ایک کے سامنے وہ قیمتی ہیرا رکھ دیا اور حکم دیا کہ اسے توڑ کر پھینک دو۔ وزیر نے کہا، حضور! میرے اندر یہ جرأت نہیں ہے کہ میں اتنا قیمتی ہیرا توڑ کر پھینک دوں۔ اس لئے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اب بادشاہ نے دوسرے وزیر سے یہی بات کہی لیکن اس نے بھی انکار کر دیا۔ اسی طرح تیسرے نے بھی یہی جواب دے کر ہیرا توڑنے سے مجبوری ظاہر کی۔ اور جب بادشاہ نے چوتھے وزیر سے کہا تو اس نے فوراً ایک لوہا اٹھایا اور ہیرے پر ایسا مارا کہ وہ چور چور ہو گیا۔

اب وہ تینوں وزیر جنہوں نے ہیرا نہیں توڑا تھا، غصہ کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، حضور آپ نے ذرا سا کہہ دیا اور اس نے اتنا قیمتی ہیرا توڑ کر ضائع کر دیا۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا، ہاں جو سزا کا مستحق ہوگا اسے ضرور سزا ملے گی لیکن جو انعام کا حقدار ہوگا میں اسے انعام سے محروم نہیں کروں گا۔

پھر بادشاہ نے ہیرا توڑنے والے وزیر سے کہا، میں نے تم سے یوں ہی کہہ دیا کہ ہیرا توڑ کر پھینک دو تو تم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، آخر تم نے ہیرے کی قیمت کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟

تو وزیر نے جواب دیا، جناب! جب آپ نے مجھے ہیرا توڑنے کا حکم دیا تو میں عجیب دوراہے پر کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف ہیرے کی قیمت تھی اور دوسری طرف آپ کا حکم تھا لیکن مجھے آپ کا حکم اس ہیرے سے زیادہ قیمتی معلوم ہوا اس لیے میں نے ہیرے کی قیمت کی پرواہ نہ کر کے آپ کے حکم کی پرواہ کی۔

بادشاہ کو وزیر کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اس نے اسے بہت زیادہ انعام واکرام سے نوازا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حکم ومنشاء کو قیمتی سمجھا۔

چنانچہ دنیا میں جتنی نعمتیں ہوتی ہیں ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں تھی جسے انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے قربان نہ کر دیا ہو اور دنیا میں جتنی مصیبتیں ہوتی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی مصیبت نہیں تھی جسے انہوں نے راہِ حق میں جھیلا نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے ایک شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے حکمراں کا نام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمرود تھا۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں رہی ہے، جنہوں نے مذہب کو اپنی حکومت کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔

یہ مذہب کو اپنے اقتدار کے لیے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ مذہب کا نام اس لیے نہیں لیتے کہ انہیں مذہب سے محبت ہوتی ہے بلکہ اس لیے لیتے ہیں کہ مذہب سے ان کو فائدہ ملتا ہے۔

یہ مذہب کا سہارا صرف اس لیے لیتے ہیں کہ جب کبھی ان کی حکومت کو خطرہ لاحق ہو تو یہ دہائی دے سکیں کہ مذہب خطرے میں ہے۔

حالاں کہ مذہب کی آڑ میں سیاسی کھیل کھیلنا، مذہب کی خدمت نہیں بلکہ اس کا استحصال ہے۔

نمرود کی حکومت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر چیف آفیسر کے عہدے پر فائز تھا۔ یعنی انتظامیہ میں بادشاہ کے بعد اسی کا درجہ تھا۔ یہ بزرگوں کے مجسمے بنایا کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے، اس لیے انہوں نے حقیقت تک پہنچنے کے لیے انہی کو اپنا ذریعہ بنایا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی خدا ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالی نے قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ان کی جستجوئے حقیقت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا، قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ. ''چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ ڈوب گیا تو کہا ڈوب جانے والے کو میں محبوب نہیں رکھتا۔''

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ، فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ. ''پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔''

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. ''پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو ابراہیم پکار اٹھا، اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔"

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. "میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

اس طرح جب حق ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا تو وہ ایک اللہ کے لیے ساری خدائی سے ٹکرانے پر تیار ہو گئے۔

ایک دن انہوں نے اپنے باپ آذر سے کہا:

یٰٓاَبَتِ لِمَا تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا. "ابا جان! آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکے، نہ دیکھ سکے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکے۔"

آذر یہ سن کر بپھر اٹھا، اس نے کہا:

"ابراہیم! یہ کیا بکواس ہے، تو سوچ لے کیا کہہ رہا ہے۔ تو نے پھولوں کی سیج چھوڑ کر کانٹوں کی راہ اپنالی ہے۔ دنیا بھر کے آرام و آسائش کو چھوڑ کر تو نے مصیبتوں کا راستہ اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے ساتھ آ، دنیا کی ساری نعمتیں اور آسائشیں تیرے قدموں میں ہوں گی۔ تو میرا جانشین بنے گا، دنیا تجھے قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے گی، بادشاہ کے دربار میں تیرا سکہ چلے گا، اور تیرے ایک اشارے پر لوگوں کی قسمتوں کے فیصلے ہوں گے اور اگر تو نے میری تجویز نہیں مانی، اپنی ضد پر اڑا رہا تو یاد رکھ، تجھے سخت ترین سزائیں بھگتنی پڑیں گی۔ یہاں تک کہ تجھے زندہ جلا دیئے جانے سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا۔"

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام محبت کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف باپ کی محبت ہے، دوسری طرف اللہ کی منشا ہے۔ باپ کہتا ہے کہ میرے لیے اور دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں کے لیے اللہ کو چھوڑ دے اور اللہ کی مرضی ہے کہ میرے لیے سب کچھ چھوڑ دے۔

تو کیا ابراہیم خلیل اللہ نے باپ کے لیے، دنیا کی خوشیوں اور مسرتوں کے لیے، عہدہ اور حکومت کے لیے اللہ کو چھوڑ دیا؟ نہیں بلکہ اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا اور ملت ابراہیمی کے ہر فرد کے لیے ایک نمونہ ہے کہ جب وہ بیٹے تھے تو اللہ کی منشا پر انہوں نے باپ سمیت سب کچھ چھوڑ دیا اور وہی ابراہیم جب باپ بنے تو اللہ کی رضا کے لیے بیٹے کو قربان کر دینے پر تیار ہو گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ابتلاء و آزمائش کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انہیں زندہ آگ میں ڈال دیا گیا لیکن حیرت انگیز طور پر آگ بجھ گئی اور وہ زندہ سلامت رہے۔

اس کا پس منظر بڑا عجیب، بڑا ہیبت ناک اور ساتھ ساتھ انتہائی دلچسپ بھی ہے۔

قوم والوں کے میلے کا دن تھا، جب وہ جانے لگے تو انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بھی بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ لوگ میلے میں چلے گئے اور بت خانہ خالی ہو گیا۔ وہ بت خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ یہاں بہت سے بت ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے، کوئی بڑا ہے۔ کوئی سیاہ رنگ کا ہے کوئی سرخ رنگ کا ہے، کسی کے سامنے مٹھائیاں ہیں تو کسی کے سامنے پھل فروٹ۔

انہوں نے سوچا کہ یہ بات تو بنائی ہوئی اور گڑھی ہوئی چیزیں ہیں۔ اور بنانے والا قدرت رکھتا ہے بنائی ہوئی چیز پر نہ کہ بنائی ہوئی چیز بنانے والے پر قدرت رکھے۔ بنانے والا بنائی ہوئی چیز کے نفع و نقصان کا مالک تو ہو سکتا ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ بنائی ہوئی چیز بنانے والے کو نفع و نقصان پہنچا سکے؟

اب وہ بتوں سے مخاطب ہوتے ہیں جس کا نقشہ قرآن مجید کی سورۂ صافات میں یوں کھینچا گیا ہے۔

فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ. ''پس کہا کہ تم لوگ کیوں نہیں کھاتے؟''

مَالَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ. ''تمہیں کیا ہو گیا ہے تم لوگ کیوں نہیں بولتے؟''

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ. ''پس پوری طاقت سے ان پر ٹوٹ پڑے۔''

اس طرح انہوں نے کلہاڑا سے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا۔

جب لوگ میلے سے لوٹے اور انہوں نے اپنے معبودوں کی یہ درگت دیکھی تو پوچھا:

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ. ''یہ ہمارے خداؤں کا حال کس نے کر دیا؟ وہ بڑا ہی ظالم تھا۔''

بعض لوگ بول اٹھے: سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ. ''ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب نے کہا:

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ. ''تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تا کہ لوگ دیکھ لیں۔(اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے)''

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بلائے گئے اور ان سے سوال ہوا:

ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ. ''کیا یہ سب کچھ ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے کیا ہے اے ابراہیم؟''

جواب ملا: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. ''یہ سب کچھ ان کے بڑے نے کیا ہے''

بات بہت معقول تھی اس لیے کہ جس کے پاس آلۂ قتل نکلے وہی تو اصل قاتل مانا جائے گا۔

ایک نے کہا: ''بڑے بت کو کیا غرض تھی کہ چھوٹے چھوٹے بتوں کو تباہ کردے، آخر وجہِ نزاع کیا ہو سکتی ہے؟''

تو انہوں نے جواب دیا: ''شاید شیرینی اور پھل وغیرہ کے بارے میں جھگڑا ہو گیا ہو، چھوٹوں نے اپنا برابر کا حق مانگا ہوگا لیکن بڑا یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ چھوٹے، بڑے کے برابر اپنا حق مانگیں۔ اس لیے اس نے غصہ میں آ کر سب کا پوسٹ مارٹم کر ڈالا ہوگا۔''

لوگوں کو مبہوت دیکھ کر خلیل اللہ نے ایک اور ضرب لگائی:

فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ. ''اگر میرے بیان سے تسلی نہ ہوئی تو انہیں مقتولوں سے پوچھ لو، اگر یہ بول سکتے ہیں۔''

دراصل ہوتا یہ تھا کہ نمرود بڑی عیاری سے بت خانے میں جا کر ان بتوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا اور پوچھتا تھا، فلاں کا سر اڑا دوں؟ فلاں کی جائداد پر قبضہ کر لوں؟ فلاں کو جیل خانے میں ڈال دوں؟ پھر آواز بدل کر خود ہی بولتا: ''ہاں لے لو'' اور لوگوں سے کہتا: ''دراصل یہ خدا کہہ رہے ہیں۔ یہ براہ راست نہیں بالواسطہ فرما رہے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''ان سے تو تمہاری بے تکلفی ہے، اکثر بات چیت ہوتی رہتی ہے تو آج یہ کیوں نہیں بتا دیتے کہ ان کا قاتل کون ہے؟''

اس طرح وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ دلائل کے میدان میں باطل کی شکست ہوگئی۔ پیغمبر کے جواب سے باطل لاجواب ہو گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب طاقت کے غرور میں حق کے علمبردار کو نشانہ ستم بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا اور عوام اور خواص، پجاری اور بادشاہ سب کے سب حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلا دینے کے در پے ہو گئے اور آپس کے مشورے سے طے کیا گیا:

حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ. ''اسے زندہ جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔''

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مومن اللہ کو اپنا محافظ سمجھتا ہے، لیکن مشرک خود ہی اپنے معبودوں کا محافظ ہوتا ہے۔ ایک مومن کو اللہ کی مدد پر یقین ہوتا ہے لیکن بت پرست خود ہی اپنے خداؤں کی مدد کرتا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھا کی جانے لگیں۔

ان کے خلاف قوم کے دل میں نفرت کے ایسے جذبات تھے کہ جو لوگ بیمار ہوتے تھے وہ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کاش میں اچھا ہو جاؤں اور ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں لا سکوں۔

آگ دہکائی گئی، اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے لیکن ان کے چہرے پر کوئی اضطراب، کوئی خوف اور کسی قسم کی مایوسی نہیں ہے۔

کیوں کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور بھروسہ تھا۔

ایک واقعہ:

دوسری جنگ عظیم میں جب اتحادی طاقتوں نے جرمنی کو شکست دیدی تو وہ تمام نازی لیڈر ایک ایک کر کے اسی برلن میں پھانسی پر لٹکا دیے گئے جس برلن میں بیٹھ کر وہ پوری دنیا کے قتل کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔

ہٹلر اور اس کے دست راست گوئرنگ نے تو پہلے ہی خودکشی کر لی تھی، باقی جو نازی لیڈر بچے وہ ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

یہ نازی لیڈر ایسے ظالم تھے کہ انہوں نے ایک ایسی جنگ چھیڑ دی تھی جس میں تقریباً تین کروڑ آدمی ہلاک ہوئے، اور اتنی ہی تعداد میں عورتیں بیوہ ہو کر اپنے پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لیے اپنے جسموں کو دوسروں کے حوالے کرنے پر تیار ہو گئیں۔ ان کی سفاکی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے چالیس لاکھ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اتنے سخت دل تھے کہ مقتول بچوں، لاشوں سے اٹے ہوئے گڈھوں اور یتیموں اور بیواؤں کا غول دیکھ کر بھی ان کا دل نہیں پسیجتا تھا۔

یہ اتنے خونخوار تھے کہ بیماروں، بوڑھوں، معذوروں اور اپاہجوں کو ایک لائن میں کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب جرمنی کے لیے بے فائدہ ہیں۔

لیکن اکتوبر ۱۹۴۶ء کی شکست کے بعد ان کا حال یہ ہوا کہ جب یہ پھانسی کے تختے کی طرف لے جائے جا رہے تھے تو ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے، یہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن ان کی زبانیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ شعلہ بیان لیڈر قوت گویائی کھو چکے تھے۔ جو دوسروں کی زندگی سے کھیلتے تھے وہ اپنے انجام کو دیکھ کر پاگل ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ جس بہادری کا انحصار صرف مادّی سہاروں پر ہو، وہ بہادری اس وقت بزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہے جب مادّی سہارا ختم ہو جائے۔

البتہ جس کا یقین و اعتماد خدائے واحد پر ہو وہ ہر حال میں عزیمت اور شجاعت کی چٹان بنا رہتا ہے۔

اگر اللہ کی مدد کا یقین دلوں میں زندہ ہو تو آدمی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ وہ طاقتور اور خونخوار دشمنوں میں گھر جانے کے بعد بھی عزم و ہمت کا پہاڑ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کا وقت آیا تو کسی نے پوچھا:

''ابراہیم! موت تمہارے سامنے کھڑی ہے، تمہیں ان دہکتے ہوئے شعلوں کے سپرد کیا جانے والا ہے، مگر تم ایسے مطمئن ہو جیسی کوئی بات ہی نہ ہو، آخر ایسا کیوں؟''

تو خلیل اللہ نے فرمایا: ''ہاں میں یقیناً مطمئن ہوں، اور اس لیے مطمئن ہوں کہ لاوارث نہیں ہوں۔ تم شعلے بھڑکا سکتے ہو مگر مجھے جلا نہیں سکتے، تم میری جان کے پیچھے پڑ سکتے ہو مگر مجھے مار نہیں سکتے، کیوں کہ موت کے فیصلے فرش پر نہیں عرش پر ہوا کرتے ہیں، موت کسی قوم کے ہاتھ میں نہیں ہے، موت کسی شخصیت کے ہاتھ میں نہیں ہے، موت کسی فوج کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ بچانا چاہے گا تو کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا لیکن اگر وہ مارنا چاہے گا تو دنیا کی کوئی طاقت بچا بھی نہیں سکے گی۔''

ایک شخص نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے کہا: ''ابھی خیریت ہے، ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ، اپنی ضد سے باز آ جاؤ تو تمہاری جان بچ جائے گی اور نمرود کی حکومت میں تمہیں وہ عظیم عہدہ بھی مل جائے گا جس پر تمہارا باپ فائز ہے۔"

جہاں تک عہدہ کا سوال ہے، موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص عہدے کا متمنی نظر آتا ہے اور رفاہی اداروں میں عہدوں کے لئے وہ چپقلش ہوتی ہے کہ لوگ اپنی قوت اور مرکزیت کا جنازہ اٹھانے پر تلے رہتے ہیں اور حیرت اس بات پر ہے کہ لوگ عہدہ اس لیے حاصل نہیں کرتے کہ "میں کروں گا" بلکہ اس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ "میں اس عہدے پر رہوں گا۔"

آج کے دور میں عہدے خدمت اور کام کا ذریعہ نہیں بلکہ اعزاز اور کریڈٹ کا ذریعہ ہیں۔ آج لوگوں میں جھگڑا اس بات پر نہیں ہوتا کہ مسجد میں جھاڑو میں دوں گا، مسجد کی صفیں میں بچھاؤں گا، مسجد کی دھلائی اور صفائی میں کروں گا، مسجد میں نمازیوں کے لیے پانی کا بندوبست میں کروں گا، مسجد میں چراغ جلانے کے لیے تیل کا انتظام میں کروں گا بلکہ جھگڑا اس بات پر ہوتا ہے کہ مسجد کا متولی میں رہوں گا۔

اختلاف اس بات پر نہیں ہوتا کہ مدرسہ کی خدمت میں کروں گا، مدرسہ کے لیے وقت میں صرف کروں گا، مدرسہ کے طلباء کی کفالت میں کروں گا، مدرسہ کی ضروریات کے لیے سرمایہ میں فراہم کروں گا، مدرسہ کی بقا و استحکام کے لیے قربانیاں میں دوں گا بلکہ اختلاف اس بات پر ہوتا ہے کہ مدرسہ کا صدر اور ناظم میں رہوں گا۔

لوگ کام کرنے کے لیے آگے نہیں آتے بلکہ آگے رہنے کے لیے آگے آتے ہیں۔

ایک مثال:

فرض کیجئے سامان سے لدی ہوئی ایک بیل گاڑی ایک دلدل میں پھنس گئی، اب جن لوگوں کو بیل گاڑی اور اس کے سامان سے محبت ہوگی وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائیں گے اور جو جس لائق ہوگا اپنی پوزیشن سنبھال لے گا۔ وہاں آگے اور سامنے رہنے کے لیے کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں بیل گاڑی کو بچانے کی کوشش ضرور کروں گا مگر اس شرط پر کہ سب سے آگے اور سب سے اونچی جگہ پر میں ہی رہوں گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے بیل گاڑی سے نہیں بلکہ خود اپنی ذات سے محبت ہے۔ اسے بیل گاڑی کو بچانے کی فکر سے زیادہ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی فکر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فٹ بال یا ہاکی کے میدان میں جب گیند کسی ٹیم کے کھلاڑی کو مل جاتا ہے تو گویا پوری ٹیم کو مل جاتا ہے۔اب ہر ایک اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ سب مل جل کر اسے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر کھلاڑی وہی چاہتا ہے جو اس کا دوسرا ساتھی چاہتا ہے۔

لیکن ہماری ملت کا معاملہ اس سے بالکل الٹا ہے۔

یہاں جسے عہدہ مل جاتا ہے وہ اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا اور جسے نہیں ملتا وہ صبر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

کھیل کے میدان میں جس کھلاڑی کے پاس گیند ہوتا ہے تماشائیوں کی نگاہوں کا مرکز وہی ہوتا ہے اس لیے فطری طور پر ہر کھلاڑی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ گیند اسی کے پاس رہے لیکن گیند ایک ہوگا اور کھلاڑی گیارہ ہوں گے۔اب اگر ہر کھلاڑی چاہے کہ گیند اسی کے پاس رہے تو آپس میں لڑائی ہو جائے گی۔گیند اپنی جگہ پڑا رہے گا اور کھلاڑی آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے۔

بجائے اس کے کہ وہ دوسری ٹیم پر گول کریں، خود ہی ایک دوسرے کو برباد کرنے کے درپے ہو جائیں گے اور ان کی ساری توانائی اور طاقت دوسروں کو مغلوب کرنے کے بجائے اپنوں کو مغلوب کرنے پر صرف ہونے لگے گی۔

یہی حال عہدوں کے معاملہ میں ہم مسلمانوں کا بھی ہے۔

ہاں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کے بدلے جان بخشی اور ملک کے اہم ترین عہدے کی پیش کش کی جاتی ہے مگر وہ جواب دیتے ہیں: ''مجھے اللہ کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، مجھے نمرود کے ملک میں کسی عہدے کی خواہش نہیں ہے، میں اللہ کی رضا کے لیے ہر مصیبت برداشت کرنے کو تیار ہوں ؎

مالک تری رضا رہے اور تو ہی تو رہے   باقی نہ میں رہوں نہ مری آرزو رہے

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ. ''ہمارا اللہ ہماری مدد کے لیے کافی ہے وہ بہترین مددگار اور عمدہ کارساز ہے۔''

ادھر آگ میں ڈالے گئے ادھر ابراہیمؑ کے وارث نے آگ کو حکم دیدیا:

يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ. ''اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلزار ہو جا۔"

پھر زمین و آسمان نے دیکھا کہ ؎

دم کی دم میں کی خلیل اللہ پر رحمت نزول لگے حق میں آگ کے شعلے ہوئے جنت کے پھول

امت مسلمہ کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ آج بھی صنم کدے سجے ہوئے ہیں، توحید کی جگہ پر شرک کا دور دورہ ہے، سنت کی جگہ پر بدعات کو فروغ ہو رہا ہے مگر ابراہیمی صداقت کا امین کوئی نظر نہیں آتا ورنہ ابراہیم خلیل اللہ پر آگ کو گلزار کرنے والا رب العالمین آج بھی وہی انداز و فار رکھتا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ سا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کا امتحان ہوا اور وہ اس میں پورے طور پر کامیاب رہے۔

لیکن ابھی ابتلاء اور آزمائش کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

ان کی عمر ۸۶ سال کی ہوگئی لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ اللہ رب العالمین سے اولاد کے لیے دعا کرتے ہیں۔

کیوں؟ اس لیے کہ اللہ ہی اولاد دیتا ہے اور وہی اولاد سے محروم بھی کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

"زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔"

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ. "وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔"

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا. "وہ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے۔"

وَ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. "اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔"

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا. "یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے۔"

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا. "اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ اولاد کسی آستانے سے نہیں مل سکتی ہے۔ اولاد کسی ولی، کسی بزرگ، کسی پیر یا کسی نبی کے ہاتھ میں نہیں ہے، اولاد صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے میں اللہ سے دعا کی:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. ''اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا کر۔''
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ. ''تو ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔''
ابھی اس بچے اسماعیل کی عمر چند ماہ ہی کی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور امتحان آ گیا۔

وہ یہ کہ اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے اکلوتے بچے اسماعیل کو عرب کے بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ آؤ، جہاں نہ کوئی آبادی ہے، نہ کوئی چرند پرند اور نہ وہاں کوئی سبزہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور دونوں کو وہاں چھوڑ دیا جہاں آج زمزم کا کنواں ہے۔ ساتھ میں ایک مشک پانی اور ایک تھیلی میں کچھ کھجوریں ان کے حوالے کر دیں۔

اس وقت اس جگہ کوئی آبادی نہیں تھی، اس لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے تو وہ بہت گھبرا گئیں پھر انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا:

''آپ مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟'' جواب ملا: ''اللہ کے سہارے پر''
یہ سن کر حضرت ہاجرہؑ نے کہا: ''تب کوئی بات نہیں، اللہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ اسلام کچھ دور چل کر وہاں پہنچے جہاں آج کعبہ ہے اور اسی طرف رخ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

جس کا بیان قرآن مجید کی سورۂ ابراہیم میں آیا ہے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ.
''پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔''

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. ''پروردگار! یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔''

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. ''لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے تا کہ یہ شکر گذار بنیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی میں تو انہیں تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں مگر تو انہیں تنہا نہ چھوڑیو۔

حفیظ جالندھری نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی ترجمانی اس طرح کی ہے ۔

سحر کے وقت ابراہیم نے اٹھ کر دعا مانگی
سکونِ قلب مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی
کہ اے مالک عمل کو تابع ارشاد کرتا ہوں
میں بیوی اور بچے کو یہاں آباد کرتا ہوں
بشارت تیری سچی ہے ترا وعدہ بھی سچا ہے
بس اب تو ہی محافظ، لے یہ بیوی ہے یہ بچہ ہے

چند روز تک کھجور اور پانی سے کام چلتا رہا مگر جب یہ چیزیں ختم ہو گئیں تو بھوک و پیاس کی وجہ سے دونوں تڑپنے لگے۔

اب حضرت ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان دوڑنے لگیں۔ حفیظ جالندھری نے اس وقت ان کی پریشانی، ان کی کسمپرسی اور مصیبت کا نقشہ یوں کھینچا ہے ۔

کبھی اس سمت جاتی تھیں کبھی اس سمت جاتی تھیں
خیال آتا تھا بچے کا تو فوراً لوٹ آتی تھیں
سنی آواز ننھے کے بلکنے اور رونے کی
تڑپ اٹھیں کہ ساعت آگئی ہے جان کھونے کی
پلٹ آئیں تو دیکھا دور سے ننھا بلکتا ہے
کہ جس پتھر کے سائے میں لٹایا تھا وہ تپتا ہے
قریب آئیں تو پر کھولے ہوئے جبریلؑ کو پایا
انگوٹھا چوستے سایے میں اسماعیل کو پایا
ٹھٹھک کر رہ گئیں اور اک اچنبھا سا نظر آیا
قریب پائے اسماعیل فوارہ نظر آیا
یہ پہلا معجزہ تھا پائے اسماعیل کمسن سے
کہ چشمہ جس کا زمزم نام ہے جاری ہے اس دن سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب مردہ پہاڑی پر ان کے سات چکر پورے ہو گئے تو ایک آواز آئی۔ وہ ادھر پوری طرح متوجہ ہو کر کہنے لگیں:

"اے اللہ کے بندے اگر تو میری مدد کرنا چاہتا ہے تو سامنے آجا۔"

نگاہ اٹھی تو حضرت جبرئیل نظر آئے۔ انہوں نے وہاں ٹھوکر ماری جہاں معصوم بچہ پیاس کی شدت سے اپنی ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

حضرت جبرئیلؑ کی ٹھوکر سے پانی کا فوارہ جاری ہو گیا۔

حضرت ہاجرہؓ پانی کے گرد مینڈھ باندھنے لگیں تاکہ وہ بہہ کر ریتلی زمین میں جذب ہو کر سوکھ نہ جائے۔ اس لیے بے تحاشہ زم زم کہتی جاتی تھیں۔

زمزم، سریانی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں رک جا، ٹھہر جا۔

بخاری کی حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ ہاجرہؓ پر رحم فرمائے، اگر وہ مینڈھ نہ باندھتیں تو زمزم بہت بڑا چشمہ ہوتا اور دنیا کے ہر کونے میں بہتا۔"

حضرت ہاجرہ نے اپنی پیاس بجھائی اور بچے کو بھی پلایا۔

بخاری میں روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا:

"ہاجرہؓ تو پریشان نہ ہو اور نہ کسی قسم کی فکر کر، اللہ تعالیٰ تجھے اور تیرے لخت جگر کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس جگہ اللہ کے گھر کی تعمیر ہو گی اور اس کے معمار یہی دونوں باپ بیٹے ہوں گے اور یہ خاندان بڑی عظمت والا ہو گا۔"

چند روز کے بعد عرب کے قبیلے بنی جرہم کا ادھر سے گذر ہوا، اس نے جب دیکھا کہ آسمان پر پرندے منڈلا رہے ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی نہ کوئی انسان ہے اور یہاں پانی بھی موجود ہے۔

کیوں کہ ریگستان میں چڑیوں کی موجودگی کو پانی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے پانی کے استعمال کی اجازت چاہی۔

انہوں نے بخوشی اجازت دیدی لیکن کہا کہ پانی پر ملکیت ہماری ہی رہے گی۔

چنانچہ بنی جرہم نے وہاں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔

بعد میں اسی قبیلہ میں حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہوئی اور اولاد اسماعیلؑ ہی میں سے دنیائے انسانیت کا وہ سب سے قیمتی اور نایاب ہیرا پیدا ہوا جسے دنیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام سے جانتی ہے۔

حضرت ہاجرہؓ نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان جو سات چکر لگائے تھے وہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہوئے کہ حج کا جز بنا دیئے گئے۔

لیکن ابھی آزمائشوں کا دور ختم نہیں ہوا، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کا سبق یاد رہا

حضرت اسماعیلؑ کی عمر جب تیرہ سال کی ہوئی تو خواب کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ملا کہ اپنے بیٹے کو میرے نام پر قربان کردو اور یہ کام اپنے ہی ہاتھ سے انجام دو۔

قرآن مجید کی سورۂ صافات میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ''اے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خود اپنے ہاتھوں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو تمہاری کیا رائے ہے؟''

حضرت اسماعیلؑ کی عالی ظرفی دیکھیے، اور کیوں نہ ہو وہ ایک جلیل القدر کے بیٹے اور آئندہ ہونے والے نبی بھی تو تھے۔

علامہ اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر لائق میراث پدر کیوں کر ہو

لائق فرزند نے منشائے الٰہی کو سمجھ کر ہمت اور جوش سے کہا:

يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ. ''ابا جان! جو حکم ہوا ہے آپ اسے ضرور کیجئے آپ مجھے صابر و شاکر پائیں گے۔''

فَلَمَّآ اَسْلَمَا ''پس جب دونوں تیار ہو گئے۔''

یعنی حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت اسماعیلؑ ذبح ہونے پر تیار ہو گئے۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ. ''اور اسے اوندھے منہ لٹا دیا۔''

وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ.

''اور ہم نے آواز دی اے ابراہیمؑ! تو نے اپنے خواب کو سچ کر دیا، اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں۔"

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ. "بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے۔"

وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ. "اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بڑی قربانی دی۔"

وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ. "اور ہم نے اسے بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھا۔"

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے چلے اور جمرۂ اولیٰ کے پاس پہنچے تو ابلیس ایک بزرگ انسان کی صورت میں آکر حضرت ہاجرہؓ سے کہنے لگا:

"تمھیں خبر بھی ہے، تمہارے شوہر تمہارے بیٹے کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔"

انہوں نے کہا: "ارے نادان! کہیں باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟"

اس نے کہا: "یقیناً کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح نہیں کرتا لیکن ابراہیم کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ حکم ملا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا: "اگر اللہ کا حکم یہی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔"

پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر انہوں نے سات کنکریاں ماریں۔

جب دونوں جمرۂ وسطیٰ پر پہنچے تو شیطان نے حضرت اسماعیلؑ کو بہکانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے بھی اسے پھٹکارا اور کہا:

"بدبخت! وہ کون بدقسمت باپ ہوگا جو اپنے بیٹے کو ذبح کرے؟"

پھر انہوں نے بھی شیطان کو کنکریاں ماریں۔

یہاں سے چل کر دونوں جمرۂ عقبیٰ کے پاس پہنچے۔

اب کی بار ابلیس حضرت ابراہیمؑ سے کہنے لگا:

"ابراہیم! ایک معمولی خواب کو حقیقت سمجھ کر اپنے لخت جگر کو قربان کرنے جا رہے ہو۔ تمہارا یہ خوبصورت بیٹا تمہارے بڑھاپے کا سہارا ہے کیوں کہ اس کے سوا تمہارے پاس کوئی اولاد بھی نہیں ہے، اس لیے اپنا ارادہ بدل دو اور واپس چلے جاؤ۔"

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے بھی اسے سات کنکریاں ماریں، اس کا حربہ کسی طرح کامیاب نہیں ہوا۔

جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ حدود منیٰ کے اندر ہی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہوئی کہ ایام حج میں ہر حاجی تینوں جمروں پر کنکریاں مار کر اس یاد کو تازہ کرتا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرتے وقت، ان کے منہ سے جو باتیں نکلیں، انہیں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

مثلاً انہوں نے کہا: ''ابا جان! آپ میرے ہاتھ پاؤں رسی سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیجئے تا کہ آپ مجھے مرغ بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نہ دیکھ سکیں۔

آپ اپنے کپڑوں کو بھی سمیٹ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ خون آپ کے کپڑوں پر پڑے اور خون آلود کپڑے دیکھ کر میری والدہ کو سخت صدمہ پہنچے۔

آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں اور مجھے اوندھا منہ لٹائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے چہرے کو دیکھ کر آپ پر محبت پدری غالب آجائے اور آپ اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کر سکیں۔

ابا جان! گھر پہنچنے کے بعد والدہ سے میرا الوداعی سلام کہیں اور میرا کرتا بطور یادگار انہیں دیدیں تا کہ تسلی و تشفی ہو سکے۔''

حضرت ابراہیمؑ نے بہت کوشش کی مگر حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری نے اپنا کام نہیں کیا۔ آخر کار جنت سے ایک دنبہ بھیجا گیا جو حضرت اسماعیلؑ کی جگہ پر ذبح کیا گیا۔

قربانی:

ذی الحجہ کی قربانیاں اسی قربانی کی یادگار ہیں۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

مَاھٰذِا الْاُضَاحِیُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. ''یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

ارشاد ہوا: سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ. ''تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔''

صحابہؓ نے پوچھا: فَمَالَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. ''یارسول اللہ! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ. ''ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔''

انہوں نے سوال کیا: فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. ''اور اون کا کیا حکم ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ. ''اون کے ہر روئیں کے بدلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیں ہے۔"

ترمذی میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بالوں، کھروں اور سینگوں سمیت آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجہ قبولیت کو پہنچ جاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ قربانی کا جانور قیامت کے دن ستر گنا زیادہ موٹا ہو کر آئے گا اور میزان میں رکھا جائے گا۔

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرو کیوں کہ یہ تمہارے لیے پل صراط پر سواریاں بنیں گے۔"

قربانی کے چار ایام ہیں۔ دسویں، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ۔

یہ چاروں ایام تشریق ہیں اور حدیث کی رو سے ایام تشریق کے چاروں دن قربانی کے دن ہیں۔

قربانی کے جانور کی عمر کے بارے میں مسلم شریف میں حدیث آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَذْبَحُوا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جِذْعَةً مِّنَ الضَّانِ. "ہرگز نہ ذبح کرو مگر دانتا جانور لیکن اگر اس کی فراہمی مشکل ہو تو بھیڑ کا ایک سالہ بچہ ذبح کرو۔"

مسنہ وہ جانور ہے جو اپنے سامنے والے دودھ کے دانت گرا دے۔

قربانی کا جانور بے عیب ہونا چاہیے۔ یعنی سینگ ٹوٹی ہوئی نہ ہو، کان کٹا یا بیچ میں چرا ہوا نہ ہو، آنکھیں پھوٹی ہوئی نہ ہوں، اس طرح لنگڑا کر نہ چلتا ہو کہ اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور اتنا کمزور نہ ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

لیکن قربانی کی نیت سے صحیح سالم جانور خرید لینے کے بعد اگر اس میں اس طرح کا کوئی نقص پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قربانی کا وقت عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ہے چاہے شہر ہو یا دیہات۔ نماز سے پہلے قربانی قطعاً درست نہیں ہے۔

قربانی کا گوشت جس طرح چاہے کھائے اور غریبوں اور مسکینوں اور اعزہ و اقارب کو کھلائے، اس کا تین حصہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چرم قربانی، ڈول، مصلی، یا مشک بنا کر اپنے مصرف میں لایا جا سکتا ہے لیکن اس کی قیمت کو اپنے اوپر استعمال کرنا ناجائز ہے۔ یہ محتاجوں کا حق ہے۔

قربانی کی دعا یہ ہے:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّی.

مِنّی کے بعد اس شخص کا نام لیں جس کی طرف سے یہ قربانی ہے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں۔

لیکن یاد رہے، قربانی کا مطلب صرف یہی نہیں کہ ہم نے جانور ذبح کر دیا اور اس کا گوشت کھایا، کھلایا، تقسیم کیا اور پھر بھول گئے۔

عید قربان ہر سال آتی ہے اور فرزندانِ اسلام لاکھوں بھیڑوں اور بکروں وغیرہ کی قربانی سے اس کا پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں۔

مگر کتنے ہیں وہ لوگ جو اپنی قربانی کا صحیح اور حقیقی مفہوم ذہن نشین کر کے اس کو بارگاہِ رب العالمین میں پیش کرتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اور بہت سی باتوں کی طرح قربانی بھی مسلمانوں کے نزدیک ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ ہم محض جانور ذبح کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور ہمارے ذمے قربانی کا کوئی حق باقی نہیں ہے۔

خلیل اللہ کی سنت کے مطابق قربانی کا صحیح اور حقیقی مفہوم یہ ہے کہ ہم ہر وقت اپنی جان، اپنا مال، اپنی خواہشات اور اپنی تمام چیزوں کو اللہ کی راہ میں بخوشی قربان کرنے کے لئے تیار رہیں اور جب بھی اللہ کی طرف سے اس کا مطالبہ ہو تو بلا جھجک اور بلا تردد اس کی بارگاہ میں پیش کر دیں۔

اگر ہم نے اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کر لیا تو سمجھ لیجئے کہ ہماری قربانی کا صحیح اور بلند مقصد پورا ہو گیا۔ بکرے اور بھیڑ کی قربانی تو اس عزم کا عملی مظاہرہ ہے۔

اگر ہمارے دلوں میں اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دلوں میں تھا، تو یقین کیجئے کہ پھر ساری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کائنات ہمارے تابع فرمان ہو سکتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

قربانی دینے والوں کے مقدر میں اللہ کی طرف سے دونوں جہان کی سرفرازی لکھ دی جاتی ہے۔ قربانی کا مطلب محض خون اور گوشت کی قربانی نہیں، بلکہ اپنے جذبات، خواہشات اور تمناؤں کی قربانی ہے۔ صرف خون اور گوشت کی اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ دراصل تقویٰ کی قدر کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ حج میں ارشاد ہوا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ. ''اللہ تعالیٰ کو نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، بلکہ اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

اس لئے ضروری ہے کہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت خاص طور سے اس مقصد اور مفہوم کو دھیان میں رکھیں۔

آج کفر و باطل کے پرستار دین حق کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور ہر طرف اس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔

اللہ کا سچا مذہب آج بھی ہم سے ہمارے جان و مال کی قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے۔

آیئے عید قربان کے اس مقدس موقع پر ہم سب عہد کریں کہ اللہ کی راہ میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، اللہ کے دین پر کسی صورت میں آنچ نہیں آنے دیں گے اور اس کی حفاظت و سربلندی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے۔

اس کے علاوہ آپس میں اتفاق و اتحاد قائم رکھیں گے، اپنی صفوں میں کسی صورت بھی انتشار نہ پیدا ہونے دیں گے اور ہر حال میں اپنی مرضی اور خواہشات کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے تابع رکھیں گے۔

اگر ہم نے سچے دل سے یہ عہد کر لیا اور اس پر پوری طرح کاربند ہو گئے تو فتح و کامرانی ہمارے قدم چومنے پر مجبور ہو جائے گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

۱

محرم الحرام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِدِیْنِہِ الْقَوِیْمِ وَ مَنَّ عَلَیْنَا بِبِعْثَۃِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

حضرات!

یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے اور جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں ...... اور ہر مسلمان کو جاننا چاہیے ...... کہ اسلامی سال محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری زندگی کی مقررہ مدت سے ایک سال اور کم ہو گیا۔

یہی حال زندگی کے ہر سال، ہر مہینہ، ہر دن، ہر گھنٹہ اور ہر منٹ کا ہوتا ہے۔

جو وقت آتا ہے وہ بڑی تیزی کے ساتھ گذر جاتا ہے اور جو گذر جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا۔

کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

دنیا عجب سرائے فانی دیکھی — ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا — جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

اس زندہ حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ یہ دنیا اور دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور ہر انسان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے جس میں ایک سکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔

اگر دنیا میں کوئی سرکاری اہل کار یا پولیس کا کوئی سپاہی ہمیں گرفتار کرنے آئے تو رشوت دے کر ہم اسے ٹرخا سکتے ہیں یا سفارش کے ذریعہ خود کو گرفتاری سے بچا سکتے ہیں یا بچے بچیوں کی شادی کا بہانہ کر کے کچھ دنوں کی مہلت لے سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر جب موت کا فرشتہ آجاتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ابھی اس کی فصلوں کی کٹائی نہیں ہوئی ہے، ابھی اس کی لڑکی کا رشتہ نہیں ملا ہے، ابھی اس کے لڑکے کے امتحان کا نتیجہ نہیں نکلا ہے، ابھی اس کے مکان کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی ہے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: ''لوگو! تم موت کو کس قدر قریب سمجھتے ہو؟''

صحابہؓ نے عرض کیا: ''ہم موت کو اس قدر قریب سمجھتے ہیں کہ ہم نے ظہر کی نماز ادا کی لیکن ہوسکتا ہے کہ ہمیں عصر کی نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے اور ملک الموت، موت کا پروانہ لے کر پہنچ جائیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''تم نے موت کو بہت دور سمجھ لیا، موت تو اس قدر قریب ہے کہ تم نماز پڑھ رہے ہو اور تم نے اس کی آخری رکعت میں سلام پھیرا ہو، ہوسکتا ہے کہ تمہیں بائیں طرف سلام پھیرنے کا موقع نہ ملے اور روح پرواز کر جائے۔''

انسان کی موت دو ہی حالتوں میں ہوتی ہے، یا ایمان کی حالت میں یا کفر و شرک کی حالت میں۔

ہر مسلمان کی یہ تمنا ہوتی ہے...... اور ہونی بھی چاہیے...... کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقِّنُوْا اَمْوَاتَكُمْ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. ''تمہارے وہ لوگ جو قریب المرگ ہوں انہیں کلمۂ توحید کی تلقین کرو۔''

یہ اس لیے تاکہ آخری وقت میں ان کی زبان پر اللہ کی وحدانیت کے کلمات ہوں۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا خاتمہ ایمان پر ہو اور موت کے وقت ان کے سینوں میں توحید کی دولت اور زبان پر کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت رواں ہوں۔

واقعات میں آتا ہے کہ ایک تاتاری شہزادہ عبا قاخاں اپنے وزیر کے ساتھ شکار پر گیا۔ ساتھ میں اس کا کتا بھی تھا۔ اتفاق سے ادھر سے ایک بزرگ جمال الدین ایرانی کا گذر ہوا۔ انہیں دیکھ کر عبا قاخان نے ازراہ تمسخر پوچھا: ''بتا بڈھے! تو اچھا ہے یا میرا یہ کتا اچھا ہے؟''

جمال الدین ایرانی نے جواب دیا: ''اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں تمہارے اس کتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بہت بہتر ہوں اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو سکے، یعنی میری موت کفر و شرک کی حالت میں ہو تو تمہارا یہ کتا مجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو اس بات کی بڑی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی موت ایمان کی حالت میں آئے۔

قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا آئی ہے:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ. "اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین سے ملا دے۔"

قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے بارے میں آیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد جب فرعون نے انہیں سخت ترین اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی سزا کی دھمکی دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ. "اے ہمارے رب، ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حالت میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔"

ایک موت وہ ہے کہ انسان حق پر چلتے چلتے مر جائے اور ایک موت وہ ہے کہ انسان حق ہی کے لیے جان دیدے ۔

فدا کردے جو بہر دین و ایماں سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا جینا بھی مبارک اس کا مرنا بھی

بلاشبہ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو حق پر چلتے چلتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

لیکن ان سے کہیں زیادہ بڑا مرتبہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حق کے لیے یعنی اللہ کی راہ میں جان دیدی۔ ایسے لوگوں کو شہید کہا جاتا ہے اور شہید کا وہ مقام و مرتبہ ہے، جس کے تصور سے مومن کی روح جھوم جاتی ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔''

جنہوں نے حق وصداقت کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں، ان میں بہت سے ایسے تھے جو تاریخ کا جزو بن گئے اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے تاریخ بنائی۔

ایسی ہی تاریخ ساز شخصیات میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل سات اولادتھیں جن میں سے تین اولاد نرینہ تھیں۔ حضرت قاسمؓ اور عبداللہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے۔ اور چار لڑکیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ۔ یہ چاروں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔

آپؐ کی ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح، آپؐ کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔

اور انہی دونوں سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ اور انہیں دونوں سے خاندانِ نبوت کے بیل بوٹے کھلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی اولاد کا سلسلہ چلا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں سے بے انتہا محبت تھی جس کا تفصیلی ذکر کتب احادیث وسیر میں آیا ہے۔ مثلاً

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوا بچوا کہہ کر تلاش کرنے لگے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لپٹا لیا اور فرمایا:

''الٰہی! میں اس بچے کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور جو اسے اپنا دوست بنائے اسے بھی محبوب بنا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ کو اپنے کندھوں پر بٹھائے ہوئے تھے۔ایک شخص نے کہا:

''اے بچے! تو بڑی اچھی سواری پر ہے۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔''

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپؐ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں سب سے زیادہ آپ کو کون پیارا ہے؟ تو ارشاد ہوا:

''حسن وحسین (رضی اللہ عنہما)''

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

لیکن ان دونوں کے ساتھ زبردست المیہ ہوا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ۵۰ھ میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔وفات کے وقت ان کی عمر ۴۷ یا ۴۸ سال کی تھی۔

اور ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ محرم کی دسویں تاریخ کو میدان کربلا میں انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے گئے جس کی تاریخ عجیب اور غریب اور ہولناکیوں سے پر ہے۔

۶۰ھ میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کے لڑکے یزید بن معاویہ کے حق میں بیعت کی جانے لگی اور اقتدار ان کے ہاتھوں میں آگیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے پسند نہیں کیا اور مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے آئے۔

اب کوفیوں نے ان کے پاس خط لکھا اور التجا کی کہ آپ کوفہ آجائیں ہم لوگ یزید کی بیعت سے دست بردار ہو جائیں گے اور آپ کو خلیفہ بنائیں گے۔

اس کے بعد مسلسل اسی مضمون کے بارہ ہزار خطوط بھیجے گئے جن میں ان سے کوفہ آنے کی درخواست کی گئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے خود جانے کے بجائے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر صحیح صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔

ساتھ میں کوفیوں کو یہ پیغام بھی دیا کہ میں مسلم بن عقیل کو روانہ کر رہا ہوں، جب ان کے ذریعہ مجھے صحیح صورت حال معلوم ہو جائے گی تو میں بلا جھجک کوفہ آ جاؤں گا۔

مسلمؒ بن عقیل وہاں پہنچے تو ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب انہیں کامل یقین ہو گیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں فضا بالکل سازگار ہے اور لوگ انتہائی خلوص کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار ہیں تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ آپ فوراً یہاں آ جائیں، لوگ آپ کی بیعت پر تیار ہیں اور یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ادھر مسلم بن عقیل کا خط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا ادھر کوفیوں نے بے وفائی کی اور حضرت مسلم بن عقیل کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

مسلمؒ بن عقیل کا خط پا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

کافی دور آگے پہنچ جانے کے بعد انہیں مسلمؒ بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی، جس سے انہیں سخت صدمہ ہوا اور اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھنے یا واپس لوٹ جانے کے بارے میں مشورہ کیا۔

ساتھیوں نے حتمی طور پر کہا کہ ہم واپس نہیں جائیں گے بلکہ وہاں جا کر اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لیں گے یا خود بھی انہی کی طرح شہید ہو جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچنے پر کوفیوں نے انہیں گھیر لیا۔ تب انہوں نے ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم ہی لوگوں نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا اور اب بے وفائی کرتے ہو۔'' لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے۔ یہاں تک کہ ان کے اہل و عیال اور ساتھیوں پر دریائے فرات کا پانی تک بند کر دیا گیا۔

انہوں نے مصالحت کی کوشش کی اور تین شرطیں رکھیں۔ ایک یہ کہ انہیں مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ جانے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ انہیں یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ انہیں اسلامی سرحد کی طرف جانے دیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر ان تینوں میں سے کوئی بات نہیں مانی گئی اور واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ بیعت کے سوا کوئی دوسری شرط منظور نہیں کی جائے گی۔

لیکن انہوں نے اسے انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

پھر وہ قیامت خیز اور حشر انگیز واقعہ رونما ہوا جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یعنی محرم الحرام ۶۱ھ کی دسویں تاریخ کو سنگ دل اور وحشی صفت، انسانی صورت اور درندہ سیرت لوگوں نے جگر گوشہ رسولؐ اور لختِ جگر بتول کو تین دن کی بھوک پیاس کی حالت میں، میدان کربلا میں جام شہادت پلا دیا۔

یہی نہیں بلکہ ان کے تمام اہل و عیال...... سوائے زین العابدین کے جو سخت بیمار تھے اور اٹھنے بیٹھنے تک سے معذور تھے...... بھی یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

شہید ہونے سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میرا باپ کون تھا؟ میرا نانا کون تھا؟ میرا بھائی کون تھا؟ میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو؟ تمہیں وہ وعیدیں یاد ہیں جو مجھ پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں؟ پھر مجھے قتل کر کے تم امید رکھتے ہو کہ حشر کے دن میرے نانا جان کی شفاعت تمہیں نصیب ہو گی؟ اس لیے مجھے چھوڑ دو کہ میں مکہ یا مدینہ چلا جاؤں۔ میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا ہے، کسی کا مال نہیں چھینا ہے پھر کیوں میرے قتل کے درپے ہو؟''

لیکن ان باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا گیا اور وہ پورے طور سے درندہ صفت انسانوں میں گھر گئے۔

اس کے بعد مردانہ وار فریق مخالف کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اکیلے کیا کرتے، کسی نے آپؓ کے سینے پر نیزہ مارا، آپؓ گھوڑے سے نیچے گر گئے۔ اس کے بعد آپؓ کے سینے پر سوار ہو کر آپ کا سر سینہ سے جدا کر دیا گیا۔

یہ ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اس کے پس منظر کی مختصر سی تاریخ۔

قرآن میں اسلامی سال کے چار مہینوں...... رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم...... کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادب واحترام کا مہینہ بتایا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۫ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. ''بیشک مہینوں کی تعداد جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، اللہ کے نزدیک بارہ ہیں اور ان میں چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔ لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے مل جل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہی ہے۔''

مہینوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شمسی مہینہ جو سورج کے اعتبار سے شروع ہوتا ہے دوسرا قمری مہینہ جو چاند کے حساب سے شروع ہوتا ہے۔

شمسی سال تقریباً تین سو پینسٹھ دنوں کا ہوتا ہے جب کہ قمری مہینہ کم وبیش تین سو چون دنوں کا ہوتا ہے۔

اس حساب سے ہر تیسرے سال قمری سال کے تیرہ مہینے شمسی سال کے بارہ مہینوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔

قمری سال کے چار مہینے ...... رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ...... بہت ہی احترام کے مہینے ہیں۔ ان میں لڑنا جھگڑنا حرام تھا۔ اور قریش مکہ بھی ان مہینوں میں قتل وجدال کو ناجائز سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کے نزدیک محرم الحرام کی دسویں تاریخ کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن عام طور پر مسلمانوں کے نزدیک محرم کی دسویں تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ہے۔ حالاں کہ اس تاریخ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بہت پہلے سے اہم دن مانا جاتا تھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں آپؐ نے دیکھا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودی محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔

آپؐ نے اس روزہ کے بارے میں ان سے پوچھا، مَاهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِیْ تَصُوْمُوْنَهٗ.

''یہ کیسا دن ہے کہ تم اس میں روزہ رکھتے ہو؟''

یہودیوں نے جواب دیا: هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَ غَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ. ''یہ بہت عظیم دن ہے، اسی دن اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) اوران کی قوم کو فرعون سے نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کردیا تھا۔ پس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے شکریہ کا روزہ رکھا۔ لہٰذا ہم لوگ بھی انہی کے اتباع میں اس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ. ''ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھیں۔''

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہؓ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمَ. ''رمضان کے بعد محرم کا روزہ سب سے زیادہ افضل ہے۔''

اور یہ بھی ارشاد ہوا ''عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ عاشورہ کے دن یہودیوں کے علاوہ نصاریٰ بھی روزہ رکھتے تھے۔ اس لیے حکم دیا کہ جو لوگ اس دن کا روزہ رکھیں وہ صرف دس تاریخ کو نہ رکھیں بلکہ اس کے آگے یا پیچھے ایک روزہ ملالیں تاکہ یہودیوں کی مشابہت نہ ہونے پائے۔

لیکن مسلمانوں کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ روزہ کے بجائے اس مہینے میں بہت سی خرافات اور خلاف شرع باتیں ایجاد کرلی گئیں ہیں، جن کا کوئی سرپیر نہیں ہے۔

جیسے نوحہ وماتم، مرثیہ خوانی، سینہ کوبی، ڈھول تاشہ بجانا وغیرہ۔

اس کے علاوہ تعزیہ داری کی رسم بھی اس مہینے میں ادا کی جاتی ہے جو کھلا ہوا شرک اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفر کا کام ہے۔

تعزیہ:

تعزیہ دراصل لفظ تعزیت کی نئی اصطلاح ہے۔

تعزیت کا مطلب ہے، کسی کو غم زدہ یا مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اسے تسکین دینا اور صبر کی تلقین کرنا۔

لیکن شریعت میں کسی کی موت پر صرف تین دن کی تعزیت جائز ہے۔ جس میں نہ رونا ہے نہ پیٹنا، نہ چیخنا ہے نہ چلانا، نہ کپڑے پھاڑنا، نہ گریبان چاک کرنا، نہ سینہ کوبی کرنا اور نہ زانو اور رخساروں پر ہاتھ مارنا۔

لیکن موجودہ دور میں جو تعزیہ بنایا جاتا ہے اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نقل کہا جاتا ہے۔

یہ بانس کی کھپچیوں اور مختلف رنگوں کے کاغذ سے تیار کیا جاتا ہے۔

اس کے اندر ایک قبر بنائی جاتی ہے، اس پر قبہ اور گنبد بنایا جاتا ہے، لوگ اس میں روپیہ، پیسہ، مٹھائیاں اور پھل فروٹ وغیرہ رکھتے ہیں۔

ہزاروں کی تعداد میں مرد عورتیں اس کے پاس باادب کھڑے ہو کر اس کی دست بستہ تعظیم کرتے ہیں اور جھک جھک کر اسے سجدہ وسلام کرتے ہیں اور اس سے مرادیں مانگتے ہیں۔

خود اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے۔

کوئی اپنے مال واولاد کی ترقی چاہتا ہے، کوئی اس سے اولاد مانگتا ہے، کوئی صحت وشفا طلب کرتا ہے اور کوئی مصیبتوں سے نجات کی دعا کرتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ بہت سے مرد اور عورتیں اپنے بچوں کو تعزیہ کے سایہ میں اس فاسد خیال کے ساتھ لے کر چلتے ہیں کہ یہ امام صاحب کے زیر پناہ آجائیں گے اور ہر طرح کے خطرات اور مصائب سے محفوظ رہیں گے، انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا، کوئی دشمن ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا اور ہماری یہ اولاد بہت لمبی عمر پائے گی۔

اس کا طواف بھی کیا جاتا ہے اور منت مانی جاتی ہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو آئندہ سال اس سے بڑا تعزیہ بنائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی کہتا ہے کہ اگر میری اولاد فلاں بیماری سے صحت یاب ہو گئی تو امام حسین ؓ کا تعزیہ بنا کر اس پر اتنی قیمت کے چڑھاوے چڑھائیں گے۔

کوئی مرثیہ خوانی کرتا ہے اور ہائے حسین ہائے حسین چلاتا ہے، کوئی علم اور سیاہ جھنڈے لیے کھڑا ہے، کوئی مرچھل جھل رہا ہے کہ اس پر مکھی نہ بیٹھنے پائے، کوئی ڈھول تاشہ بجا کر اچھلتا کودتا ہے، کوئی لکڑی کی تلوار چلا رہا ہے، کوئی کشتی اور اکھاڑے کا جوہر دکھا رہا ہے، کوئی حضرت حسین ؓ کے نام پر لوگوں کو شربت پلا رہا ہے۔

پھر چند دنوں کی دھینگا مشتی کے بعد محرم کی دسویں تاریخ کو بازاروں اور گلی کوچوں میں باجہ اور ڈھول کے ساتھ لے جا کر اسے خود ساختہ کربلا میں دفن کر آتے ہیں۔

اور بعض تو کربلا سے اسے واپس لا کر گھروں میں رکھ لیتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ پورے گھر میں برکت رہے اور وہاں کوئی آفت اور مصیبت نہ آنے پائے۔

لیکن حیرت انگیز طور پر ماہ محرم کے یہ مشرکانہ کام اہل ہنود کے تہواروں سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں بلکہ ایک طرح سے انہی کا سماں پیش کرتے ہیں۔

یعنی یہ نام نہاد مسلمان وہی سب کچھ کرتے ہیں جو اہل ہنود کرتے ہیں، مثلاً:

اہل ہنود دسہرا اور رام لیلا کا تہوار دس دن مناتے ہیں تو یہ لوگ تعزیہ پرستی بھی دس دن کرتے ہیں۔

اگر اس گروہ میں رام اور راون کی لڑائی کا ذکر اور بیان ہوتا ہے تو اس گروہ میں جنگ نامہ کربلا پڑھا جاتا ہے۔

اگر اہل ہنود رام رام کی دہائی دیتے ہیں تو یہ لوگ بھی ہائے حسین ہائے حسین چلاتے ہیں۔

جس طرح وہاں بزرگوں اور دیوتاؤں کے نام پر تھان بنائے جاتے ہیں اسی طرح یہاں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کاغذی مقبرہ کے لیے چبوترے بنائے جاتے ہیں۔

اگر اس غول کے لوگ لال لال جھنڈیاں اڑاتے ہیں تو اس غول کے لوگ بھی کالے رنگ کے سدے اور پنجے لہراتے ہیں۔

اگر اہل ہنود اپنے دیوی دیوتاؤں کو پوری کچوری کھلاتے ہیں تو یہ لوگ بھی اپنے کاغذی معبود پر شربت اور مالیدہ چڑھاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر وہ فرقہ گیروے رنگ کا لباس پہنتا ہے تو یہ فرقہ بھی کالا لباس زیب تن کرتا ہے۔

جس طرح سے اہل ہنود ہر سال رام لیلا بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں اور ان کا اسٹیچو بنا کر اسے بازاروں میں گھماتے ہیں اور دسویں تاریخ کو جلا دیتے ہیں اسی طرح یہاں بھی محرم کی دسویں تاریخ کو ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے اور مرثیہ خوانی کرتے ہوئے مرد عورتیں، بوڑھے اور بچے اور جوان عمدہ لباس پہن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی نقل یعنی تعزیہ کے ساتھ نکلتے ہیں اور دن بھر کی دھما چوکڑی کے بعد اسے فرضی کربلا میں دفن کر دیتے ہیں۔

حالاں کہ ان رسومات وخرافات کا ثبوت نہ قرآن سے ملتا ہے نہ حدیث سے، نہ آثارِ صحابہؓ سے نہ اسلافِ امت سے، نہ تابعین اور تبع تابعین سے نہ ائمہ مجتہدین سے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ اس کے انیس برس کے بعد یعنی ۸۰ھ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، اور ۱۵۰ھ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ لیکن ستر سال کی عمر میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بھی محرم میں نہ تعزیہ بنایا اور نہ اس کا حکم دیا۔

البتہ تاریخ سے اس بات کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے کہ ان رسوم کو ایجاد کرنے والے خود قاتلانِ حسینؓ ہیں۔

اور ان کی ابتداء معز الدولہ شیعی نے ۳۵۲ھ میں کی۔

چنانچہ واقعات میں آتا ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں لوگوں پر یہ لازم کر دیا تھا کہ عاشورہ کے دن غمِ حسینؓ میں تمام دوکانیں اور بازار بند کر دیے جائیں۔ خرید وفروخت قطعاً نہ ہو، باورچی نہ تندور سلگائیں نہ کھانا پکائیں۔

یہی نہیں بلکہ اس کے حکم سے بازار میں ایک قبہ بھی نصب کیا گیا جس کے اوپر ٹاٹ کا کپڑا لگا دیا گیا تھا اور اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ عورتیں منہ پر طمانچے مارتی ہوئی، سینہ پیٹتی ہوئی، مرثیے اور نوحے پڑھتی ہوئی گلیوں اور بازاروں میں گشت لگائیں اور امام حسینؓ کی شہادت پر ماتم کریں۔

معز الدولہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عز الدولہ تخت نشین ہوا اس نے بھی ان رسومات کو باقی رکھا۔ پھر یہ بدعت بغداد میں باقاعدہ جاری ہوگئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہندوستان میں تعزیہ کی ابتداء تیمور لنگ کے زمانے میں اس کی کوششوں سے ۸۰۱ھ میں ہوئی۔

بتایا جاتا ہے کہ تیموری دور میں بادشاہ، وزراء اور عمال حکومت عام طور پر شیعہ تھے اور حکومت کی معروفیات کی وجہ سے ہر سال کربلا جانا ان کے لیے مشکل تھا اس لیے تیمور لنگ نے کربلا سے حضرت حسینؓ کے روضہ کی نقل منگوائی اور اسے تعزیہ کی شکل میں تیار کر دیا تاکہ لوگ اس کے ذریعہ کربلائے معلیٰ کی زیارت کا ثواب حاصل کریں۔

چنانچہ یہی ہوا اور بجائے کربلا کے اس نقل کی زیارت ہونے لگی اور اس نے بہت جلد وہ شکل اختیار کر لی جو اب رائج ہے۔

یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔

ایک نکتہ:

ایک ہوتا ہے کسی چیز کا بنانے والا، اور ایک ہوتی ہے وہ چیز جو بنائی جاتی ہے۔ بنانے والا بنائی ہوئی چیز کے نفع ونقصان کا مالک ہوتا ہے لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بنائی ہوئی چیز بنانے والے کے نفع ونقصان کی مالک بن جائے؟

بنانے والا اپنی بنائی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے چاہے تو اسے چھوٹا بنا دے اور چاہے تو بڑا، چاہے تو رنگین بنا دے چاہے سادہ، چاہے تو اسے طاق پر رکھ دے چاہے تو زمین پر، چاہے اسے ٹیڑھا کر دے چاہے سیدھا لیکن انسان کسی چیز کو بنائے اور پھر اسے اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگے تو کس قدر نادانی کی بات ہوگی؟

اسی لیے ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید کی سورۂ صافات میں فرمایا گیا ہے:

اَتَعْبُدُوْنَ مَاتَنْحِتُوْنَ. ''کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جنہیں تم خود تراشتے ہو۔''

ذرا ہم انصاف سے دیکھیں، کفار ومشرکین بھی تو پتھر کے بت اپنے ہاتھوں سے تراشتے تھے اور پھر انہی کو سجدہ کرتے تھے، انہی سے مرادیں مانگتے تھے۔

اسی طرح کاغذ اور بانس کی کھپچیوں سے روضۂ حسینؓ بنانا اور اس پر چڑھاوے چڑھانا، نذر و نیاز کرنا، اس سے اولاد مانگنا، اسے مصیبتوں میں پکارنا بالکلیہ طور پر کفار ومشرکین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مشابہ نہیں ہے؟

لیکن انہیں مشرک اور کافر گردانا جاتا ہے اور اس طرح کے لوگ خود کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے عرب اپنے اسی طرح کے فعل کی وجہ سے مشرک تھے اور یہ موحد ہیں، وہ جہنمی تھے اور ان کے لیے جنت کی گارنٹی ہے۔

ان کی گمراہیوں پر زبان وقلم کے ذریعہ تنقید کی زبانیں تیز ہیں مگر ان کی گمراہیوں پر تنقید کرنے والوں کو وہابی، بے دین، دشمنِ رسولؐ اور دشمن اولیاء جیسے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔

حالیؔ مرحوم نے مسدس میں اس افسوسناک صورت حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پر دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ. ''ان میں اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔''

عرب کے مشرکین اور مکہ کے کفار بھی اسی طرح اپنے بزرگوں کی تعظیم کرتے تھے، ان کے نام نذر و نیاز کرتے تھے اور ان کی یادگار قائم کرنے کے لیے مورت بنا کر اپنے گھروں اور اللہ کے پاک گھر کعبہ میں رکھتے تھے اور ان سے ہر طرح کی مدد مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل قبیح کی تردید کرتے ہوئے قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں ارشاد فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. ''یہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد! ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

سورۂ کہف میں یوں ارشاد ہوا:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا. قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا. اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا.

''کیا کافروں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو اپنا ولی اور حمایتی بنائے رہیں گے۔ ہم نے ان کے لیے دوزخ کو مہمانی کی جگہ بنایا ہے۔ اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو، کیا ہم تمھیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری جدو جہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وزن نہیں دیں گے۔''

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کا خالق و مالک ہے، وہی ہماری روزی کا انتظام کرتا ہے، وہی ہماری غذا کے لیے زمین کے سینے سے پودے اگاتا ہے اور ان پودوں میں دانے پیدا کرتا ہے، وہی ہمیں آکسیجن پہنچانے کے لیے ہوائیں چلاتا ہے، وہی ہمارے لیے آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے، اسی نے ہمارے کانوں میں سننے کی، آنکھوں میں دیکھنے کی، زبان میں بولنے کی اور دماغ میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی ہے۔

اس لیے ہمارا یہ سب سے پہلا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اسی کے گرویدہ اور پرستار، احسان مند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شکر گذار بنیں، اسی کو اپنی امیدوں اور اپنے اعتماد کا مرکز بنائیں۔ اسی کی رضا چاہیں، اسی کو اپنا ولی، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔ اسی سے دعا کریں، اسی کو غیبی مدد کے لیے پکاریں، اسی پر توکل اور بھروسہ کریں، اسی کا خوف اور تقویٰ رکھیں، اسی کے آگے رکوع و سجدہ کریں، اسی کے گھر کا طواف کریں، اسی کے نام نذر و نیاز کریں۔ یہی عقیدۂ توحید ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ توحید ہی تمام انبیاء کی بعثت کا اولین مقصد ہے۔

تمام انبیاء اسی لیے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ توحید کو ایک غالب فکر بنا دیا جائے اور شرک کا بالکلیہ طور پر قلع قمع کر دیا جائے۔

یہی توحید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ نبوی دور کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ قرآن مجید میں سب سے زیادہ جس چیز کا بیان ہے وہ توحید ہے۔

مومن کا سب سے بڑا سرمایہ توحید ہے۔ اس کی نجات کا سب سے بڑا سہارا توحید ہے، انسان کے نامۂ اعمال میں توحید سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہی جنت کی کنجی ہے۔ اسی میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے، اسی پر شفاعتِ رسولؐ موقوف ہے اور یہی اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ توحید کے اثبات کے ساتھ شرک کی نفی بھی کی گئی ہے۔

شرک کے معنی ساجھے پن کے ہیں اور اصطلاح شرع میں شرک کا مطلب ہے، اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے اختیارات اور اس کی عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرنا۔

یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سوا دوسری بہت سی ہستیاں بھی خدائی میں شریک ہیں، خدائی صفات سے متصف ہیں، خداوندانہ اختیارات رکھتی ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ انسان ان کے آگے عبدیت کا رویہ اختیار کرے۔

یا یہ گمان کرے کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنا مقرب خاص قرار دیا ہے اور اس نے یہ حکم دیا ہے...... یا کم از کم وہ اس پر راضی ہے...... کہ ان کی طرف خدائی صفات منسوب کی جائیں، ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بندے کو اپنے مالک حقیقی یعنی اللہ رب العالمین سے کرنا چاہیے۔ یہی شرک ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. ''زمین اور آسمان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔''

یعنی نفع یا نقصان پہنچانا، اولاد دینا یا بانجھ کر دینا، مارنا یا جلانا، بیمار کرنا یا شفا دینا، ہدایت دینا یا گمراہ کر دینا، دے دینا یا محروم کر دینا، عزت دینا یا ذلیل کرنا، مصیبت میں مبتلا کرنا یا مصیبت کو دور کرنا، یہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. ''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کر دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار اور تمام مخلوقات میں سب سے افضل اور برتر ہیں۔ آپؐ کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. ''اے نبی! کہہ دو کہ میں خود اپنے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا۔''

سورۂ جن میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں ارشاد ہوا:

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا. قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ. وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا. ''اے نبی! کہو کہ میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا، کہو، مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔''

یعنی لوگوں کی قسمتیں بنانے یا بگاڑنے کا اختیار مجھے حاصل نہیں ہے۔ خدائی کے سارے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو نفع و نقصان پہنچانا تو درکنار مجھے خود اپنے نفع و نقصان کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتا اور اس کے دامن کے سوا کوئی ملجا و ماویٰ میرے لیے نہیں ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قدرت کے آگے اپنی بے بسی کا اعلان کر رہے ہیں تو کیا کوئی بزرگ، کوئی ولی، کوئی شہید ایسا ہے جسے مصیبتوں میں پکارنا چاہیے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ. ”اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو مت پکارنا جو تمہارا نہ کچھ بھلا کر سکے نہ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔“

اللہ کے نیک اور مقرب بندے جنہیں لوگ اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہیں وہ خود ہر معاملے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مثلاً

حضرت ایوب علیہ السلام، جنہیں اللہ نے سخت تکلیف دہ بیماری میں مبتلا کر دیا تھا، لیکن اس حالت میں انہوں نے اللہ ہی کو پکارا اور اسی سے یہ التجا کی:

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. ”اے میرے رب! مجھے سخت بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے“ آخر کار اللہ نے انہیں کامل شفا دی۔

حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے نگل لیا تو انہوں نے اللہ ہی کو پکارا تھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. ”نہیں ہے کوئی معبود مگر تو ہی، پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے بڑا قصور کیا۔“

آخر کار اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

حضرت ذکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے بڑھاپے میں اللہ سے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ. ”اے میرے رب! تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو ہی ہے۔“

پھر اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور بڑھاپے میں انہیں اولاد دی۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو انہوں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اور کہا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ. ”ہمارا اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے۔“

آخر کار آگ ان کے لیے گلزار بنا دی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت دراز تک اپنی قوم کی اصلاح کے لیے کوشش کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ جب اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تو تھک ہار کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ. ''اے میرے رب! میں مغلوب ہو گیا ہوں اب میری مدد کو پہنچ۔''

اور یہ بھی کہا: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا. ''اے میرے پروردگار زمین پر ایک بھی کافر باشندہ نہ چھوڑ۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ. ''اور یاد کرو جب نوح نے سب سے پہلے ہمیں پکارا تھا، ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں مذکور ہے:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ. ''اے میرے رب! تو نے مجھ کو حکومت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا، اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین سے ملا۔''

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے دعا کی تھی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگذر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

قرآن مجید میں انبیاء کی دعاؤں کے ذکر کا مقصد یہی ہے کہ دنیا والوں کو واضح طور پر یہ بتا دیا جائے کہ تمام انبیاء بھی اللہ کے محتاج تھے۔

حضرت ذکریا علیہ السلام کا ذکر کرنے سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ سارے نبی محض بندے تھے، الوہیت میں ان کا شائبہ تک نہ تھا، وہ اولاد دینے والے نہیں تھے بلکہ خود اولاد کے لیے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے والے تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا بیان اس لیے کیا گیا کہ ایک اولوالعزم نبی ہونے کے باوجود جب ان سے قصور سرزد ہوا تو وہ پکڑ لیے گئے اور جب وہ اپنے رب کے آگے جھک گئے تو ان پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضل بھی کیا گیا کہ مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکال لائے گئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ مبتلائے مصیبت ہونا کوئی نرالی بات نہیں ہے، اور نبی بھی جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ ہی کے آگے شفا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ وہ دوسروں کو شفا دینے والا نہیں بلکہ خود اللہ سے شفا مانگنے والا ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ نبی بھی سخت ترین مصیبت میں صبر و توکل کا مجسمہ ہوتا ہے، وہ آگ میں جل جانا گوارا کر لیتا ہے لیکن اللہ کے سوا کسی دوسرے کا سہارا قبول نہیں کرتا۔

پھر ان سب باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء توحید کے قائل تھے اور اپنی حاجات ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ لے جاتے تھے۔

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ اسلام کا سارا کرّ وفر توحید ہی کی بدولت تھا اور توحید ہی نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا تھا۔

لیکن افسوس، رسولؐ پرستی، ائمہ پرستی، قبر پرستی. پیر پرستی، تعزیہ پرستی اور لاتعداد قسم کی پرستش نے خدا پرستی کو دبا رکھا ہے۔

رسول کو خدا کا اوتار بنا دیا گیا، ائمہ کو رسول کا مقام دے دیا گیا، پیروں اور درویشوں کی چوکھٹیں کعبہ کا دروازہ بن گئیں، پرشکوہ مقبروں نے مسجدوں کا رعب ختم کر دیا۔

حالی مرحوم نے سچ کہا تھا ؎

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

شرک کسی بھی طرح کا ہو اللہ کے نزدیک بدترین گناہ ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ لقمان میں ارشاد ہوا ہے: اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. ''بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

سورۂ مائدہ میں یوں فرمایا گیا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ ط وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. "بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

سورۂ نساء میں اعلان ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا. "بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا اگر اس کے ساتھ شرک کیا گیا، اس کے ماسوا جتنے گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرالیا تو اس نے بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔"

نوحہ و ماتم:

ایام محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر نوحہ و ماتم بھی کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ جس طرح تعزیہ خلاف شریعت ہے اسی طرح نوحہ و ماتم کا بھی شرعی ثبوت نہیں ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ راہ حق میں شہید ہوئے تھے۔

شہید کے مرتبہ و مقام کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے گئے ہیں انہیں تم مردہ مت کہو۔ ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔"

سورہ آل عمران میں فرمایا گیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے گئے ہیں انہیں تم مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں۔"

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں وہ اللہ کے حد درجہ قریبی ہوتے ہیں اور انہیں پروردگار کی طرف سے رزق بھی ملتا ہے۔ لہٰذا انہیں مردہ نہیں گمان کرنا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ایک سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ شہیدوں کے زندہ ہونے اور رزق پانے کا کیا مطلب ہے؟

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ کا بیان ہے کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھی، انہوں نے کہا ہم نے اس کا مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ. ”(شہیدوں کے زندہ ہونے اور رزق دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ) بیشک ان کی روحیں سبز پرندوں کی قالب میں ہیں۔ ان کے لیے قندیلیں ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی چگتی ہیں۔“

ثُمَّ تَاْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ. ”پھر ان قندیلوں میں آکر بسیرا لیتی ہیں اور آرام کرتی ہیں۔“

بخاری اور مسلم میں حدیث ہے کہ جنت میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی شخص دنیا میں آنے کو پسند نہیں کرے گا، اگرچہ دنیا بھر کی دولت اسے مل جائے، مگر شہید دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کرے گا اور آرزو کرے گا کہ وہ دس بار شہید ہو کر مقام شہادت حاصل کرے اس لیے کہ اس نے دنیا میں شہادت کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو دیکھ لیا ہے۔

سوچئے، یہ کتنی بڑی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی وجہ سے صرف محرم کی دس تاریخ ہی کو نہیں بلکہ پورے مہینے کو غم کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں شادی بیاہ اور خوشی کے ہر کام کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

حالاں کہ محرم نہ غم کا مہینہ ہے نہ اس کی دسویں تاریخ غم کی تاریخ ہے۔

راہ حق میں شہادت، ایمان والے کے لیے غم کی بات نہیں بلکہ خوشی کا سودا ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

شہادت تو وہ عظیم چیز ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ. ”قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری دلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔"

شہادت تو وہ قیمتی چیز ہے جس کی دعا خلیفۂ دوم حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں مانگی تھی:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِکَ. "اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت دے۔"

شہادت تو وہ عظیم مقام ہے کہ جب خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپؓ گرے تو زبان پر یہ کلمات تھے:

فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ. "کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

ذرا ہم سوچیں اور غور کریں، کیا اتنا عظیم مقام و مرتبہ جس کی تمنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، جس کے لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ نے دعا مانگی ہو اور جس کے حاصل ہونے پر حضرت علی رضی اللہ نے اپنے آپ کو کامیاب قرار دیا ہو، غم کی بات ہو سکتی ہے؟

کیا اس کی وجہ سے کوئی دن، کوئی تاریخ اور کوئی مہینہ غم کا دن، غم کی تاریخ یا غم کا مہینہ بن سکتا ہے؟

شہادت تو اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم عطیہ ہے جو اس کے خوش نصیب بندوں کو ملتا ہے ؎

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

کسی شخص کا لڑکا آ: ی۔ اے۔ ایس۔ افسر بن جائے تو اسے خوشی ہو گی یا غم ہو گا؟

کسی کا لڑکا ڈاکٹری پاس کر کے ایک قابل ڈاکٹر بن جائے تو کیا وہ باپ اس پر ماتم کرے گا؟

کسی کے گھر کا کوئی فرد بہترین ملازمت پا جائے تو کیا اس کے گھر والے اس پر غم منائیں گے؟

تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے لوگ راہ حق میں شہید ہوئے مگر ان کا ماتم منانے کے لیے کہیں ثبوت نہیں ملتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، جن کی شہادت کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت قلق ہوا مگر آپؐ نے اس حادثہ جانکاہ پر نہ تو ماتم کیا نہ ہی اس کا حکم دیا۔

۲۲ھ میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ابولولوہ فیروز کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے، ۲۵ھ میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، ۴۰ھ میں خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہادت ملی، ۵۰ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ زہر خورانی کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہوئے۔

کیا تاریخ میں ان حضرات کی شہادت پر نوحہ و ماتم کا ثبوت ملتا ہے؟

بخاری میں غزوۂ موتہ (۸ھ) کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس غزوہ میں تین سپہ سالار حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کے گھر کی عورتوں نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو گریہ وزاری شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس حرکت سے منع فرمایا لیکن وہ باز نہ آئیں، دوبارہ رکوایا تب بھی نہ رکیں تب آپؐ نے فرمایا:

"ان رونے والیوں کے منہ میں خاک جھونک دو۔"

عربوں میں پہلے رواج تھا کہ جاہلیت میں مرنے والا یہ وصیت کرتا تھا کہ میرے مر جانے کے بعد میرا ماتم حسب شان کرنا۔ وصیت کے مطابق اس کے مرنے کے بعد لوگ اپنے چہروں پر طمانچے مارتے، چھاتی پیٹتے، بال نوچتے، گریبان چاک کرتے اور خوب زور زور سے واویلا مچاتے تھے۔

بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام بری رسموں کو مٹانے کے لئے صاف صاف ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَۃِ الْجَاھِلِیَّۃِ۔ "وہ ہم سے نہیں جو کسی کی موت پر اپنے گالوں پر طمانچے مارے، گریبان چاک کرے اور زمانہ جاہلیت کی پکار کرے۔"

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنَا بَرِیٌٔ مِمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَ خَرَقَ. ''میں اس سے بیزار ہوں جو (ماتم میں) سر کے بال منڈائے، یا بلند آواز سے روئے یا کپڑے پھاڑے۔''

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّائِحَۃَ وَ الْمُسْتَمِعَۃَ. ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور غور سے سننے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔''

البتہ کسی کی موت پر بتقاضائے فطرت آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

دراصل نوحہ و ماتم بھی شیعوں کی ایجاد ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ مختار بن عبید ثقفی جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی:

یَکُوْنُ فِی الثَّقِیْفِ کَذَّابٌ. ''قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا شخص ہوگا۔''

اس شخص نے نبوت کی دعویٰ کیا تھا۔

درحقیقت یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سخت دشمن تھا لیکن بظاہر ان کا ہمدرد تھا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ جو شخص اہل بیت سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس حادثہ پر نوحہ و ماتم کرے، رو رو کر اپنا سینہ پیٹے اور مرثیہ خوانی کرے تب وہ حضرت حسین سے محبت کا ثبوت دے گا۔

یہی نہیں بلکہ اس کذاب نے ہمیشہ لوگوں کو اس طرح کی بدعات و خرافات پر آمادہ کیا۔

حتی کہ وہ ۶۷ھ میں قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد معز الدولہ شیعی نے اس رسم قبیح کو جاری کیا۔

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ اس نے ۱۰ محرم الحرام ۳۵۲ھ کو حکم دیا کہ ''تمام دوکانیں بند کر دی جائیں۔ خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے۔ لوگ نوحہ و ماتم کریں اور کالا لباس پہنیں اور عورتیں پراگندہ بال اور گریبان چاک کر کے سینہ پیٹتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔

یہ تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ نوحہ و ماتم کا رواج نہ عہد رسالت میں ہوا نہ دور صحابہ میں، بلکہ یہ بدعت چوتھی صدی ہجری میں ایجاد ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرثیہ خوانی:

ایام محرم میں جو بدعات اور خرافات ہوتی ہیں انہی میں ایک مرثیہ خوانی بھی ہے جس نے باقاعدہ ایک پیشہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ابتدائے محرم میں مرثیہ خوانی کے لیے جگہ جگہ محفلیں اور مجلسیں قائم ہوتی ہیں۔ ان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہؓ کی ہجو کی جاتی ہے۔ بعض کٹھ ملا اور نیم مولوی چند سکوں کی لالچ میں وعظ و مرثیہ اور جنگ نامہ کربلا وغیرہ پڑھتے ہیں اور مرد و عورتیں ان غلط اور بناوٹی قصوں کو سن کر مشتعل ہوتے ہیں۔

حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

ابن ماجہ میں ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرَاثِيْ. ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ سے منع فرمایا ہے۔“

ایام محرم میں...... خاص طور پر عاشورہ محرم کے دن...... جو جنگ نامہ پڑھا جاتا ہے وہ بے انتہا جھوٹا، حد درجہ مبالغہ آمیز اور شرکیہ و کفریہ کلمات سے پر ہوتا ہے۔

حالاں کہ اس قسم کے بیہودہ اشعار کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”ان خلاف شریعت اشعار پڑھنے سے بہتر ہے کہ کوئی شخص اپنا پیٹ پیپ اور کچ لہو سے بھر لے۔“

مرثیہ میں بہت سی بیہودہ باتوں کے علاوہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہا جاتا ہے، ان کی کردار کشی کی جاتی ہے اور ان کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

مقام صحابہؓ:

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھی تھے۔ وہ ہر وقت آپؐ کی مصاحبت میں رہتے تھے اسی شرف مناسبت کے سبب انہیں صحابی کا لقب ملا۔

ان کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے اور یہ بلند رتبہ انہیں ان کے ایمان و اخلاص، ان کے صبر و توکل اور ان کے اخلاق و کردار کی وجہ سے ملا، دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کی وجہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملا، دین کے لیے اپنے تمام مفادات کو ترک کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی وجہ سے ملا۔

اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیہم جدو جہد اور بے مثال قربانیوں کی وجہ سے ہمارے پاس اپنی اصلی اور محفوظ شکل میں موجود ہے۔

قرآن مجید جیسی بیش قیمت اور مقدس کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات وارشادات کا ذخیرہ ہم تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا، اگر انہوں نے اپنے بعد آنے والی نسل کو یہ سرمایہ پوری امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ منتقل نہ کیا ہوتا۔

امت محمدیہ پر صحابہؓ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور اس احسان کا بدلہ دیا ہی نہیں جا سکتا، وہ تو بس اللہ ہی دے سکتا ہے۔

بخاری کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ. ''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے (یعنی صحابہؓ) پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) پھر جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین)''

شرح السنہ میں ارشاد نبوی یوں منقول ہے:

مَثَلُ اَصْحَابِيْ فِيْ اُمَّتِيْ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لَا يَصْلَحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ.

''میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک، نمک کے بغیر کھانا درست نہیں ہو سکتا۔''

ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ. ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو صحابہؓ کو گالیاں دیتے ہوں تو کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے فعل پر۔''

اسی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنا یا ان کی ہجو اور تحقیر کرنا حرام ہے۔

اور بعض بزرگوں کے نزدیک صحابہؓ کو گالی دینے والا کافر اور واجب القتل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منافقین اور اسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشمن طاقتوں کی سازش کے سبب صحابہ کرام میں باہمی جھگڑے اور اختلاف ہوئے ہیں، لیکن انہیں بیان کرنا، انہیں اچھالنا، ایک کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر کہہ کر برا بھلا کہنا، ایک غلط حرکت ہے کیوں کہ صحابہؓ کرام دین کے علماء ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بڑے پتے کی بات کہی ہے:

''ائمہ دین نے دین کی باتیں صحابہؓ سے سیکھیں اور ہم نے دین کو انہی ائمہ سے حاصل کیا، پس صحابہؓ پر طعن کرنے والا دراصل اپنے ہی مذہب پر طعن کرتا ہے۔''

صرف یہی نہیں کہ مرثیہ خوانی خلاف شریعت اور گناہ کا کام ہے بلکہ ایسی مجلسوں میں شریک ہونا بھی حرام ہے۔

جس مجلس میں مرثیہ کے نام پر دینی قدروں کا مذاق اڑایا جاتا ہو، دینی اصولوں کی دھجیاں اڑائی جاتی ہوں، بعض عظیم شخصیتوں پر افترا پردازی کی جاتی ہو اور بزرگوں کی تحقیر ہوتی ہو بھلا اس میں شریک ہونا باعث ثواب ہوگا یا باعثِ عذاب؟

ڈھول تاشہ:

مزے کی بات تو یہ ہے کہ عاشورہ محرم کے دن کو یوم ماتم کی طرح منایا جاتا ہے اور اسے گریہ وزاری کا دن کہا جاتا ہے مگر اس میں وہی سب کچھ ہوتا ہے جو شادی اور خوشی کے موقعوں پر کیا جاتا ہے۔ جیسے ڈھول وتاشہ بجانا، ناچنا کودنا، کشتی بازی، گیت گانا، آتش بازی اور لباس فاخرہ پہن کر عورتوں اور مردوں کا سڑکوں اور راستوں پر کھلے عام بے پردگی سے گھومنا۔

اگر ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق تعزیہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نقل ہے اور اسے فرضی کربلا میں اس نیت سے دفن کیا جاتا ہے کہ یہ امام حسینؓ کا جنازہ ہے تو پھر اس کے پیچھے ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے جانے کا کیا تک ہے؟

اگر خدانخواستہ کسی کے گھر میت ہو جائے تو اس کے جنازہ کے پیچھے اس کے وارث باجہ بجاتے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے جائیں گے؟ ماتم اور غمی کے وقت باجہ بجانے اور اچھلنے کودنے کا کیا سوال؟ یہ کام تو خوشی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر عاشورہ محرم میں تعزیہ کے جلوس میں ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟

مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجہ کے متعلق فرمایا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ نے مجھے ساری مخلوقات کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمام باجوں اور ڈھول تاشے، نقارے اور سارنگی کو مٹادوں۔''

باجے کی آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر نفرت تھی کہ آپؐ اسے سن کر انگلیاں اپنی کانوں میں ڈال لیا کرتے تھے تاکہ وہ آپؐ کے کانوں میں داخل نہ ہوسکے اور پھر اس وقت تک اپنے کانوں سے انگلیاں نہیں ہٹاتے تھے جب تک آپؐ کو یقین نہیں ہوجاتا تھا کہ باجے کی آواز بند ہوگئی ہے۔

جس کام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر نفرت رہی ہو اس سے محبت کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثبوت ہے یا دشمنی کا؟

فاتحہ و نذر و نیاز:

بعض لوگ نذر مانتے ہیں کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا، یا بیماری سے شفا مل گئی تو عاشورہ کے دن امام حسینؓ کے نام پر شربت، مٹھائیاں اور چاول وغیرہ تقسیم کریں گے اور تعزیہ کے سامنے لے جا کر فاتحہ کرائیں گے۔

جو شخص شریعت محمدیؐ کی روح سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سے جانتا ہوگا کہ یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں صاف صاف اعلان فرمادیا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.

''بے شک اللہ نے تم پر حرام کردیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔''

ظاہر بات ہے کہ ان کھانے اور پینے کی چیزوں پر حضرت حسینؓ...... یعنی غیر اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اس لیے ایسا کھانا پینا سب حرام ہے اور ایسی نذر بھی پوری نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''تعزیہ کے سامنے درود و فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے کیوں کہ وہاں نجاست معنوی ہوتی ہے اور فاتحہ اور درود اس جگہ پڑھا جاتا ہے جو نجاست ظاہر و باطنی سے پاک ہو۔ اسی وجہ سے جو شخص ناپاک جگہ قرآن پڑھے وہ قابلِ ملامت اور مطعون اور ملعون ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجاست معنوی (جیسے تعزیہ وغیرہ) ہو اس جگہ درود و فاتحہ اور قرآنی آیات پڑھنے والا ملعون اور قابلِ ملامت ہوگا۔''

بلا شبہ یہ تمام کام بدترین بدعت ہیں اس لیے ان کے گناہ ہونے میں کیا شک و شبہ ہے؟

سورۂ فاتحہ، تلاوت و ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ ہے۔ یہی وہ سورۃ ہے۔ جس کا ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے چاہے وہ جہری نماز ہو یا سری، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، چاہے وہ عیدین کی نماز ہو یا جمعہ کی۔

اور ہر نمازی کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، منفرد ہو یا مسبوق۔

کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. ''اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔''

درود:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر یہ بھی حق ہے کہ آپؐ سے حقیقی اور سچی محبت رکھتے ہوئے کثرت سے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی اور جہاں بھی آپ کا ذکر خیر ہو تو آپؐ پر درود بھیجنے میں غفلت نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. ''بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم ان پر درود و سلام بھیجو۔''

جس شخص کو یہ احساس ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں وہ آپؐ پر ضرور درود بھیجے گا۔

کثرت درود دراصل ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دین کے ساتھ ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس کی فضیلت بیان کی ہے۔

مثلاً ابن کثیر کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً لَمْ تَزِلِ الْمَلٰئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ مَا صَلّٰی عَلَیَّ. ’’جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، ملائکہ اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے۔‘‘

مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا. ’’جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔‘‘

ترمذی میں فرمانِ رسولؐ یوں منقول ہے:

اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً. ’’قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔‘‘

اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔’’بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔‘‘

بہر حال درود شریف کی اہمیت وفضیلت اس کے موجب ثواب ہونے اور ایک بہت بڑی نیکی ہونے پر ساری امت متفق ہے۔

سورہ فاتحہ اس لیے ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے، اسے نماز میں پڑھا جائے اور درود اس لیے ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جائے نہ کہ اس لیے کہ اسے کھانے پر پڑھا جائے۔

یہ تو قرآن کی عظیم سورۃ اور درود شریف کے ساتھ ظلم ہے کیوں کہ ظلم کی یہی تعریف بیان کی گئی ہے:

وُضْعُ الشَّیْئِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ. ’’کسی چیز کا اس کی غلط جگہ پر رکھنا ظلم ہے۔‘‘

کپڑا اس لیے بنایا گیا ہے کہ اسے پہنا جائے، اس سے ستر پوشی کا کام لیا جائے نہ اس لیے کہ اسے جلا کر کھانا پکایا جائے۔

ایسا کرنا کپڑا جیسی قیمتی چیز کے ساتھ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک لطیفہ:

کہا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک عطر فروش کسی گاؤں میں عطر بیچنے گیا، وہاں کے باشندے اس عجیب وغریب چیز سے ناواقف تھے۔ لوگوں کی بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ عطر فروش عام طور پر لوگوں کے ہاتھ پر عطر لگا دیتے ہیں تاکہ لوگ اس کی خوشبو سے متاثر ہو کر اسے خریدیں۔ اسی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے بھی ایک شخص کے ہاتھ میں لگا دیا۔ اس آدمی نے فوراً اسے چاٹ لیا پھر کہنے لگا: ''یہ چیز نہ کھٹی ہے نہ میٹھی بھلا اسے خریدنے سے کیا فائدہ؟''

آخر کار اس عجیب چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے اس گاؤں کا سب سے بڑا عقل مند آدمی بلایا گیا۔ اس نے آتے ہی عطر کی شیشی اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہنے لگا: ''پاگل کہیں کے، اسے چاٹا نہیں جاتا ہے بلکہ اسے دال میں ڈال کر کھایا جاتا ہے۔'' عطر فروش یہ صورت حال دیکھ کر اپنا سارا مال لے کر گاؤں سے باہر چلا گیا۔

عطر اس لیے ہے کہ اس کی خوشبو سے دل و دماغ کو معطر کیا جائے۔ لیکن اگر اسے دال میں ڈال کر کھایا جائے یا اسے چاٹا جائے تو اس شئی لطیف کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے؟

دوسرے یہ کہ کھانے کی چیزوں پر درود فاتحہ پڑھنا دین میں نئی بات نکالنا ہے اس لیے یہ بدعت ہے اور ہر بدعت کو گمراہی اور جہنم میں جانے کا سبب بتایا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ. ''اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو دین میں اپنی طرف سے بڑھائے جائیں۔ اور دین میں جو نیا کام نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔''

جو لوگ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقف ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ دوسرے انبیاء کے مقابلے میں رسالتِ محمدی کو جو امتیازی خصوصیات حاصل ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؐ پر دین مکمل کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔''

دین کے مکمل ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سے نہ کچھ نکالا جا سکتا ہے نہ اس میں کوئی چیز بڑھائی جا سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین سے کچھ باتوں کا نکال دینا جرم ہے تو اس میں کچھ چیزوں اور کاموں کا اضافہ کر دینا بھی جرم ہے۔

اور یہی جرم بدعت کہلاتا ہے۔

جیسے نمازِ عصر چار رکعت فرض ہے۔اس میں کمی کی جا سکتی ہے نہ بیشی۔

اس لیے جان بوجھ کر چار کے بجائے تین رکعت پڑھنا گناہ ہے اور دانستہ طور پر چار کے بجائے پانچ رکعت پڑھنا بھی گناہ ہے۔

کیوں کہ یہ شریعت کے مقرر کردہ اصول پر بے اعتمادی کا اظہار ہے۔

کوئی شخص اگر دین میں نئی باتیں بڑھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے مکمل ہونے پر یقین ہی نہیں ہے۔

یعنی آپؐ نے کچھ کم بتایا ہے اور یہ اسے پورا کر رہا ہے۔

جیسے کسی مریض کو ڈاکٹر نے دوائیں دیں،اب اس مریض کا یہ فریضہ ہے کہ ڈاکٹر کی دی ہوئی دواؤں میں کمی بیشی نہ کرے لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اس میں مزید کچھ دواؤں کا اضافہ کر لیتا ہے تو گویا اسے ڈاکٹر کی تشخیص و تجویز پر کامل اعتماد ہی نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ درود و فاتحہ تو نیکی کی چیزیں ہیں پھر انہیں کھانے پر پڑھنا بدعت کیوں ہے؟ لیکن یاد رہے کہ ہر پیلی چیز سونا نہیں ہوتی۔

ریلوے کا ٹکٹ پیلا ہوتا ہے لیکن اگر اسی رنگ کا کاغذ جیب میں رکھ کر سفر کیا جائے تو کیا سفر غیر قانونی نہ ہوگا؟ اصلی ٹکٹ وہی ہے جسے ریلوے کے محکمہ نے چھاپا اور بنایا ہے اور جس پر اس کی مہر لگی ہے۔

اسی طرح وہی کام نیکی کا کام ہے جس کے صحیح ہونے پر کتاب و سنت کی مہر لگی ہوئی ہو۔

ہر ملک میں اس کی حکومت کی طرف سے چھپے ہوئے نوٹ اور سکے چلائے جاتے ہیں۔

کوئی شخص اگر اس طرح کے نوٹ خود چھاپ لے تو غدار اور مجرم قرار دیا جاتا ہے اور سخت ترین سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

اسی طرح دین میں بدعات کا ایجاد کرنے والا بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْماً وَ لَا صَلٰوةً وَلَا جِهَاداً وَلَا عُمْرَةً وَّلَا حَجًّا وَ یَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعِجِیْنِ. ''اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے، نہ نماز، نہ جہاد، نہ عمرہ نہ حج اور وہ شخص اسلام سے ایسے ہی نکل جاتا ہے جس طرح بال گوندھے ہوئے آٹے سے نکل جاتا ہے۔''

ایک مسلمان پر جہاں یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعزیہ، نوحہ و ماتم، مرثیہ خوانی، باجہ گاجہ اور غیر اللہ کی نذر و نیاز سے بچے، وہیں اس پر یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کی مجلسوں میں شریک ہونے سے بالکلیہ طور پر پرہیز کرے۔

کیوں کہ برائی کے کاموں میں شریک ہونا، برائی کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور برے کاموں پر ہرگز تعاون نہ کرو۔''

اصولی طور پر برے کاموں میں شریک ہونے والا، برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے والا اور برائی کی ہمت افزائی کرنے والا بھی مجرم ہوتا ہے۔

جیسے سود حرام ہے لیکن حدیثِ رسول کی روشنی میں سودی کاروبار میں کسی طرح کی مدد کرنے والا بھی سود لینے والے کی طرح مجرم گردانا جاتا ہے۔

سود لینے کی وجہ سے نہیں...... کیوں کہ وہ سود نہیں لیتا......سودی کاروبار میں تعاون کی وجہ سے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہم مسلمانوں کو توحید و سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ شرک و بدعات اور تمام خرافات سے محفوظ رکھے اور ان لوگوں کو بھی صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے جو مدعیٔ ایمان ہونے کے باوجود اس طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں۔

آمین یا رب العالمین

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

خشیت الٰہی

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ لَا نَبِيَّ بَعۡدَهٗ. اَمَّا بَعۡدُ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے جو اپنی ذات، اپنی صفات، اپنے اختیارات اور اپنی عبادت میں وحدہٗ لاشریک ہے۔

جس کے سوا کوئی دوسرا مشکل کشا، حاجت روا اور معبود نہیں ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس کا کوئی ہم جنس نہیں۔ نہ وہ جنا گیا ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے، جو سارے جہان کا پالنہار ہے اور جس کی ذات ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہے۔

ان گنت درود و سلام ہو اللہ کے آخری پیغمبر، صاحب حوضِ کوثر، شافع محشر سید البشر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اس دنیا میں ہدایت کی روشنی پھیلائی، اور حق کو باطل سے، نور کو تاریکی سے اور ہدایت کو گمراہی سے چھانٹ کر نمایاں کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمۡ وَ بَارِكۡ عَلَيۡهِ.

حضرات! یہ ایک زندہ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اس دنیا میں آئے تھے، وہ سب کے سب کسی مخصوص خطے کے لیے ہوتے تھے، پوری دنیا کے لیے نہیں۔

وہ کسی مخصوص قوم کے لیے آتے تھے، دنیا کے تمام انسانوں کے لیے نہیں۔

اس طرح ان کی لائی ہوئی شریعت کسی مخصوص مدت کے لیے ہوتی تھی، ہمیشہ ہمیش کے لیے نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص خطے کے لیے، کسی خاص قوم کے لیے یا کسی مخصوص مدت کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ ''اے نبی ہم نے تمہیں دنیا کے تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

اسی لیے آپؐ پر جو کتاب اتاری گئی اس کی دعوت عام ہے، اس کا خطاب عمومی ہے۔ اس میں جس چیز کو خیر قرار دیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے خیر ہے اور جس چیز کو شر قرار دیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے شر ہے۔

اس میں جن جن کاموں کو انسان کے لیے مفید بتایا گیا ہے وہ ہر طبقہ اور ہر خطہ کے انسان کے لیے مفید ہیں اور جن جن کاموں کو مضر بتایا گیا ہے وہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے مضر ہیں۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن نے جن جن باتوں کو انسانی زندگی کے لیے مفید بتایا ہے وہ کسی خطے کے انسان کے لیے تو مفید ہوں اور کسی خطے کے انسان کے لیے مفید نہ ہوں۔

یا جن کاموں کو انسانی زندگی کے لیے نقصان دہ بتایا گیا ہے وہ کسی زمانے کے لیے تو مضر ہوں اور کسی زمانے کے لیے مفید ہوں۔

قدرت کا مسلمہ اصول ہے کہ آگ جلاتی ہے اور پانی سے انسان کی پیاس بجھتی ہے۔

کوئی بھی انسان...... چاہے اس کا تعلق کسی طبقے یا کسی دور یا کسی علاقے سے ہو...... آگ کو چھولے تو جل جائے گا۔ اور کوئی بھی شخص...... چاہے وہ کہیں کا رہنے والا ہو، کوئی بھی زبان بولنے والا ہو یا کسی بھی قوم سے تعلق رکھنے والا ہو...... پانی پی لے تو اس کی پیاس بجھ جائے گی۔

یورپ کا آدمی آگ چھولے تو جل جائے گا، اسی طرح ایشیا اور افریقہ کا انسان بھی آگ چھونے پر جلنے سے نہیں بچ سکتا۔

پہلی صدی ہجری کا آدمی پانی پی لیتا تھا اس کی پیاس بجھ جاتی تھی اور پندرہویں صدی کا آدمی پانی پی لیتا ہے اس کی پیاس بجھ جاتی ہے اور اگر دنیا قائم اور باقی رہی تو انیسویں صدی کا انسان بھی پانی سے اپنی پیاس بجھائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس اللہ نے پانی میں پیاس بجھانے کی اور آگ میں جلانے کی خاصیت بخشی ہے، قرآن مجید اسی رب العالمین کا مکمل اور مستند ضابطۂ حیات ہے جو اس نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔

اس لیے قرآن نے جن جن کاموں کو بہتر اور مفید بتایا ہے وہ ہر دور کے انسان کے لیے بہتر، عمدہ اور مفید ہیں۔

اور جسے غلط، نقصان دہ، بے ہودہ اور تباہ کن بتایا ہے وہ سب کے لئے نقصان دہ ہیں۔

مثلاً شراب، قرآن نے اسے مطلق حرام قرار دیا ہے اور اسلام میں اسے ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی ماں بتایا گیا ہے۔

آج سے چودہ سو برس قبل ہی شراب حرام کر دی گئی تھی۔

اتنی لمبی مدت کے گذر جانے کے بعد آج بھی ہم دیکھنا چاہیں تو بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ چیز انسان کی صحت، اس کے ضمیر، اس کی اخلاقیات، اس کی روح اور اس کی معاشیات کے لیے کس قدر تباہ کن ہے۔

ہر انسان کے پاس ضمیر ہوتا ہے جو اسے برے کاموں اور غلط حرکات پر ٹوکتا ہے اور انسان اکثر موقعوں پر اپنے ضمیر کی آواز سے متاثر ہو کر خود کو بھلے کام پر آمادہ کرتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔

لیکن شراب، یہی نہیں کہ انسان کی صحت کو برباد کر دیتی ہے اور اس کے اخلاق کے لیے سم قاتل ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کے ضمیر کو بھی مردہ کر دیتی ہے۔

کیوں کہ ضمیر کی حیثیت ایک چوکیدار کی سی ہوتی ہے۔

جب کوئی چور گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو سب سے پہلے چوکیدار کو بے بس کر دیتا ہے تاکہ اسے چوری کرنے میں آسانی ہو جائے۔

اسی طرح جب ضمیر مردہ ہو جاتا ہے تو انسان کو برائی کرنے اور غلط روش اختیار کرنے میں کوئی جھجک باقی نہیں رہتی۔

ایک واقعہ:

اب سے تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے، سرینگر کشمیر میں ایک شاطر چور پکڑا گیا جو عام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر سائیکلیں چرایا کرتا تھا۔

اس کا معمول تھا کہ وہ عام طور پر دو کانوں کے پاس چپکے سے کھڑا رہتا تھا، جب دیکھتا کہ کوئی گاہک اپنی سائیکل باہر کھڑی کر کے دوکان پر سودا خریدنے میں مصروف ہے تو اسے موقع مل جاتا اور وہ سائیکل لے کر چمپت ہو جایا کرتا تھا۔

ایک بار وہ پکڑا گیا اور اسے چوری کے مختلف واقعات میں ملوث ہونے کی وجہ سے جیل کی سزا ملی۔

ایک بار جیل کے اندر ایک اخباری رپورٹر نے اس سے پوچھا: ''جب تم دو کانوں سے سائیکل چراتے تھے تو تمہیں کوئی قلبی تکلیف، کوئی ذہنی خلش یا ندامت کا احساس نہیں ہوتا تھا؟

مثلاً کوئی شخص اپنے بیمار بچے کے لیے دوا خریدنے میڈیکل اسٹور پر آیا، جس کا بچہ بیمار اور موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے، تم اس کی سائیکل لے کر چمپت ہو گئے، ہوسکتا ہے کہ وہ مجبور شخص اپنے قریب المرگ بچے تک دوا جلدی نہ پہنچا سکا ہو اور اس کی موت ہو گئی ہو؟ تو کیا اس حرکت پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرتا تھا؟''

اس نے جواب دیا: ''جب میں کسی کی سائیکل لے کر جاتا تھا تو میرا ضمیر مجھے ضرور ملامت کرتا تھا پھر میں شراب پی لیا کرتا تھا جس کی وجہ سے میرے ضمیر کی آواز دب جاتی تھی اور دوبارہ مجھے چوری کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔''

آج بھی قرآن اور اس کی تعلیمات زندہ ہیں۔

اور یہ وہ عظیم کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کے اندر پیدا ہونے والی تمام گمراہیوں اور تمام روحانی امراض کا علاج پیش کرتی ہے۔

میں نے شروع میں اسی قرآن پاک کی سورۂ آل عمران کی ایک آیت کی تلاوت کی ہے۔

یہ آیت ان تین آیات میں سے ایک ہے جو نکاح میں ایجاب وقبول کراتے وقت پڑھی جاتی ہیں۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک نکتہ:

انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ طاقتور جذبہ خوف کا جذبہ ہے۔خوف کا جذبہ انسانی فکروعمل کو جگانے میں جتنا موثر رول ادا کرتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ادا کرتی۔

دنیا کی تمام سرگرمیاں کسی نہ کسی خوف کا نتیجہ ہوتی ہیں۔معاشی بدحالی کا خوف، بے عزت ہونے کا خوف، برتر طاقت کا خوف،قوی دشمن کا خوف یا اور کوئی خوف مگر یہ تمام جھوٹے خوف ہیں۔

اصلی خوف جس کے تحت انسان کو متحرک ہونا چاہئے وہ اللہ کا خوف ہے۔اللہ ہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس سے تمام اندیشے وابستہ کیے جائیں اور وہ تمام سرگرمیاں باطل ہیں جو دوسرے کسی خوف کی بنیاد پر ابھری ہوں۔اور وہی سچی سرگرمی ہے جو اللہ کے خوف کی بنیاد پر قائم ہو۔

لیکن اللہ تعالی سے ڈرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس سے اس طرح سے ڈریں جس طرح سانپ، بچھو، درندوں، دشمنوں اور موذی جانوروں سے ڈرا جاتا ہے۔کیوں کہ یہ سب انسان کے دشمن ہیں اور موقع پا کر انسان کو نقصان پہنچانے سے نہیں چوکتے۔

لیکن اللہ تعالی تو رحمٰن ورحیم ہے۔

وہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے جتنی مہربان ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں ہے۔اسے اپنے بندوں سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس نے قرآن مجید میں بیس سے زیادہ مقامات پر بندوں کو یا عبادی کہہ کر پکارا ہے اور بڑے سے بڑے گنہ گار کو یا عبادی کہہ کر اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

مثلاً سورۂ زمر میں ارشاد ہوا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. ''اے نبی کہہ دو،اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے،اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے تین سو سے زائد جگہوں پر اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔اس کے علاوہ بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں لفظ رحمت تو نہیں استعمال ہوا ہے لیکن اس کا تعلق اللہ تعالی کی رحمت ہی سے ہے۔

مثلاً حلم، عفو، رافت اور ربوبیت وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ اس کے ڈر سے تھر تھر کانپتے رہو، یا اس کے خوف سے ہر وقت سہمے رہو یا اس کا نام سن کر تمہارے اوپر خوف مسلط ہو جائے۔

جیسے کوئی کہے کہ "آگ سے ڈرو" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آگ کے ڈر سے کانپو بلکہ مطلب یہ ہے کہ آگ چھونے کے برے نتائج سے ڈرو۔ یعنی اپنا ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ آگ میں نہ ڈالو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ناراضگی سے ڈرو، اس کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرو، اس کے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دینے سے ڈرو، یعنی اس کے قانون کو نہ توڑو، اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو، اس کے فرمان کی تعمیل سے جی نہ چراؤ اور ایسے کام ہرگز نہ کرو جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں اسے دوٹوک بتا دیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. "میں نے جن و انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔"

اور انسان کو اللہ کی طرف سے جتنی نعمتیں ملی ہیں، اسی لیے ملی ہیں کہ اس مقصد کی تکمیل میں اس کی مدد کریں۔

ذرا ہم سنجیدگی سے سوچیں، یہ بات اصول کے کس قدر خلاف ہے کہ ہم اس کی بنائی ہوئی زمین پر رہیں، بسیں اور چلیں پھریں، اس کی دی ہوئی زبان سے بولنے اور چکھنے کا کام لیں، اس کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھیں، اس کے دیئے ہوئے کان سے سنیں، اس کے عطا کیے ہوئے دماغ سے سوچنے اور سمجھنے کا کام لیں، اس کے بنائے ہوئے سورج سے روشنی حاصل کریں اور اس کی چلائی ہوئی ہوا سے آکسیجن لیں پھر اس کی بندگی اور رضا جوئی سے غفلت کریں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسے صرف نماز کی حد تک محدود رکھیں یا صرف ذکر و اذکار کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں اور اس کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہ کریں۔ یا بال بچوں کو چھوڑ کر مسجد ہی کو اپنا گھر بنا لیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک واقعہ:

کہاجاتا ہے کہ پرانے زمانے میں کسی گاؤں میں ایک ہاتھی آگیا، پورے گاؤں کے لوگ اس عجوبہ کو دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے۔ گاؤں میں چند نابینا بھی تھے وہ بھی پہنچ گئے۔ جو آنکھوں والے تھے وہ آنکھوں سے ہاتھی کو دیکھ رہے تھے لیکن جو نابینا تھے وہ ٹٹول ٹٹول کر ہاتھی کو سمجھنے کی کوشش کرر ہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد لوگ ہاتھی کی جسامت پر تبصرہ کرنے لگے لیکن آنکھ والوں کا تبصرہ الگ تھا اور نابیناؤں کا تبصرہ الگ۔ ایک نابینا نے ہاتھی کی ٹانگوں کو چھوا تھا تو اس کا کہنا تھا کہ ہاتھی ایسے ہوتا ہے جیسے کھمبا۔ ایک نے اس کی پیٹھ اور پیٹ کو چھوا تھا تو اس کا تبصرہ تھا کہ ہاتھی جیسے چھت، جس نابینا نے اس کی دم پکڑی تھی اس کا کہنا تھا کہ ہاتھی جیسے جھاڑو۔

عبادت کے بارے میں عام طور پر اسی طرح کے نظریات لوگوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے ہیں۔

کسی نے روزہ اور نماز کی ادائیگی ہی کو عبادت کا مقام دیدیا ہے۔ کسی نے نماز، روزہ چھوڑ کر صرف ایمان داری اور دیانت داری اپنالی ہے اور اسی کو عبادت سمجھ رکھا ہے۔ کسی نے اور تمام نیکیوں اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر صرف بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کا نام عبادت رکھ لیا ہے۔

حالاں کہ عبادت کا مطلب ہے کہ مہد سے لے کر لحد تک، تمام شعبۂ حیات میں زندگی کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک سانس میں اور ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کے احکام اور طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا جائے اور ہر موڑ پر اور ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کیا جائے۔

اور جن جن باتوں اور کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بالکلیہ طور پر بچا جائے۔

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

یَـٰٓأَیُّهَا ٱلَّذِینَ ءَامَنُوا ٱدْخُلُوا فِی ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً. ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

یعنی اپنی پوری زندگی اسلام کے تحت لے آؤ۔ تمہارے طور طریقے وہی ہوں اسلام نے جن کی تعلیم دی ہے، تمہارے سعی و عمل کے راستے سب کے سب اسلام کے تابع ہوں، تمہاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے تمام معاملات انہی خطوط پر انجام پائیں جو اسلام نے کھینچ دیئے ہیں۔

ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کرلو۔

اسلام کو اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ مصلحتوں کا لحاظ کیے بغیر اسے اپنایا جائے۔ اسلام جس کام کے کرنے کا حکم دے اسے ضرور کیا جائے اور جس چیز کو چھوڑنے کو کہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ یہ ہے اسلام میں پورے کا پورا داخل ہونا۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو بجالانا اطاعت ہے اور ان کے حکموں کی خلاف ورزی کرنا معصیت ہے، جسے ہم گناہ کے نام سے جانتے ہیں۔

معصیت کے معاملے میں ایک مومن اور ایک منافق کے طرز عمل میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

بخاری میں روایت آئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مومن چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو پہاڑ کے برابر سمجھتا ہے لیکن منافق بڑے سے بڑے گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھ جائے اور اسے ہاتھوں سے اڑا دے۔''

یعنی جس طرح ایک حساس شخص پہاڑ کے نیچے آنے پر ڈرتا ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے اوپر نہ آگرے اسی طرح مومن بھی گناہ کی ہولناکیوں اور اس کے برے انجام سے بہت زیادہ ڈرتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب گلستاں میں ایک بڑا سبق آموز اور دل کو چھو لینے والا واقعہ لکھا ہے:

ایک واقعہ:

کسی جنگل میں ایک فقیر رہتا تھا۔ ایک بار ایک شیر نے اس پر حملہ کر کے اسے بری طرح زخمی کر دیا۔ پھر جسم پر لگنے والے تمام زخم پک گئے، جس کی وجہ سے اسے بڑی تکلیف رہتی تھی مگر پھر بھی وہ ہر وقت الحمدللہ الحمدللہ کہا کرتا تھا۔ کسی نے پوچھا ''میاں اس مصیبت کی گھڑی میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا کیا موقع ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بہ معصیتے۔'' یعنی اللہ کا شکر ہے کہ میں مصیبت کے اندر مبتلا ہوں معصیت میں مبتلا نہیں ہوں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مصر کی عورتیں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر بدحواس ہو گئیں اور عزیز مصر کی بیوی نے انہیں چیلنج کیا:

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ. ''اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو قید کر دیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔''

تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک طرف مصیبت یعنی قید خانے کا راستہ تھا دوسری طرف معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی کا راستہ تھا۔

اگر قید خانے کی مصیبت سے بچنا چاہیں تو اللہ کی نافرمانی کرنی پڑتی ہے اور اگر اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں تو جیل خانہ جانا پڑتا ہے۔

تو کیا انہوں نے مصیبت سے بچنے کے لیے معصیت کا راستہ اختیار کر لیا؟

نہیں بلکہ انہوں نے اللہ سے دعا کی:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَيْهِ. ''اے میرے پروردگار! مجھے جیل خانہ منظور ہے اس کام سے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں۔''

یعنی مجھے مصیبت گوارا ہے لیکن معصیت یعنی تیری نافرمانی گوارا نہیں ہے۔

ایک نکتہ:

انسان ہر وقت خیر و شر طاقتوں میں گھرا رہتا ہے۔ انسان کے ساتھ اس کا نفس ہوتا ہے، نفس کے جا و بے جا مطالبات ہوتے ہیں، آباء و اجداد کے بنائے ہوئے رسم و رواج ہوتے ہیں، دولت و اقتدار کے حصول کی خواہش ہوتی ہے، ماحول ہوتا ہے اور ماحول کے تقاضے ہوتے ہیں۔

اس لیے ہر ہر قدم پر اس کے گمراہ ہونے اور معصیت میں پھنس جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اب وہ کون سی چیز ہے جو انسان کو معصیت سے بچا سکتی ہے؟ اس کی لیے ایک تدبیر رہبانیت ہے۔

یعنی اپنے بال بچوں کو، اپنے اعزہ و اقارب کو، اپنے کاروبار د معاملات کو، اپنے گھر اور اپنی تجارت کو چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلا جائے۔

بلا شبہ اس طرح وہ معصیت سے بالکلیہ طور پر بچ سکتا ہے۔

لیکن اس طرح رہبانیت اختیار کر لینا بجائے خود معصیت کا کام ہے کیوں کہ اسلام میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہبانیت کی اجازت ہی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ. ''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔''

معلوم ہوا کہ اسلام کا رہبانیت کے ساتھ اور رہبانیت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

طبرانی میں حدیث آئی ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی ہونے کی اجازت مانگی تو انہیں جواب ملا:

اِنَّ اللّٰهَ اَبْدَلَنَا بِالرَّهْبَانِيَّةِ الْحَنِيفِيَّةَ السَّمْحَةَ. ''ہمیں اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بجائے آسان اور خالص دین، ابراہیمی دین عطا فرمایا ہے''

عیسائیوں نے ترک دنیا اور رہبانیت کو دین اور خدا ترسی کا کمال سمجھ رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ حدید میں ان کے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ. ''انہوں نے رہبانیت کی خود ساختہ راہ اختیار کرلی ہے، ہم نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔''

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس طرز عمل کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے جو رہبانیت کا طرز عمل ہے۔ جیسے نکاح سے بچنا، خصی ہونا، ہمیشہ اور مسلسل روزے رکھنا، روزہ کے دوران رات کو بھی کچھ نہ کھانا پینا، قوت گویائی کو معطل رکھنا اور اس طرح شب بیداری کرنا جس سے جسم ضروری آرام اور اہل وعیال کے حق سے محروم رہ جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ذات ہے جو ہر وقت انسان کو دیکھ رہی ہے؟ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اللہ رب العالمین ہر وقت اور ہر حال میں انسان کے تمام چھوٹے بڑے کاموں سے باخبر ہے اور اس کی ہر حرکت اور ہر چیز سے پورے طور پر واقف ہے۔

اس لیے اس کی موجودگی کا احساس، اس کے مواخذہ کا خوف اور اس کی خشیت ہی انسان کو معصیت اور بے راہ روی سے بچا سکتی ہے۔

مثلاً انسان آگ کو نہیں چھوتا کیوں کہ اسے یقین ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ یعنی آگ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلانے کا یقین اور اس کے چھونے کے برے نتائج کا خوف انسان کو آگ سے دور رکھتی ہے۔

ایک سمجھ دار انسان ٹرین کو دیکھ لینے کے بعد ریل کی پٹری پر نہیں بیٹھتا، کیوں کہ اسے یقین ہے کہ ٹرین اسے کچل کر ہلاک کر دے گی۔ لیکن ایک شیر خوار اور نا سمجھ بچہ آگ کو چھو لینے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ اسے نہ تو آگ کی حرارت پر یقین ہے اور نہ اس کا خوف ہے۔

یہاں یہ بات بھی صاف اور واضح ہو گئی کہ جس کے دل میں ایمان اور یقین ہو گا اسی کے دل میں اللہ کا خوف ضرور ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حکم ایمان والوں کو دیا گیا ہے۔ اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد اتَّقُوا اللّٰہَ کہا گیا ہے۔

یعنی اللہ کا خوف ایمان والے کے دل میں ضرور ہو گا اور جس کے دل میں اس کا ڈر نہ ہو، سمجھ لو کہ اس کا دل ایمان و یقین کی دولت سے نا آشنا ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ قرآن سے ہدایت بھی اسی شخص کو ملتی ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، سورۂ بقرہ میں قرآن کا تعارف کرانے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. ''یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔''

اور یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ معزز اور محترم وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔

سورۂ حجرات میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ. ''بے شک تم میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔''

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ اللہ کی خشیت ایمان والے ہی کے دل میں ہو گی...... تو تاریخ اور احادیث رسولؐ سے اس کا نا قابل تردید ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے حق میں ایک بڑی مصیبت سے کم نہیں تھے۔

[illegible] میں دار الندوۃ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر سو سرخ اونٹوں کے انعام کا [illegible] ہوا تھا تو یہی ننگی تلوار لے کر آپؐ کو قتل کرنے نکلے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

قتل نبی کتنا بڑا جرم ہے؟ لیکن اس بھیانک جرم کے لیے وہ اپنے آپ کو بالکل تیار کر چکے تھے کیوں کہ ابھی تک وہ ایمان کی دولت سے محروم تھے۔

لیکن ایمان کی دولت پانے کے بعد ان کے خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ کہا کرتے تھے کہ کاش کہ میں ایک چڑیا ہوتا اور مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دینے کا خطرہ نہ ہوتا۔

قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر خوف خدا کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ. ''بے شک وہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔''

سورۂ بقرہ میں تاکید کی گئی ہے:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي. ''پس ان (ظالموں) سے مت ڈرنا مجھ سے ڈرنا۔''

سورۂ مائدہ میں ایمان والوں کا بیان ہوا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ. ''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

سورۂ بینہ میں ارشاد ہوا ہے:

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ. ''ان کی جزا ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ سب کچھ اس شخص کے لیے ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا ہو۔''

لیکن یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کا خوف کیسا ہونا چاہیے؟

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں جہاں یہ ارشاد ہوا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ. ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔''

وہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

حَقَّ تُقٰتِهٖ. ''اس طرح سے جس طرح سے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''

ایک خوف ماتحت کو اپنے افسر کا ہوتا ہے۔ اور طالب علم کو اپنے استاد کا ہوتا ہے لیکن یہ خوف عارضی اور وقتی ہوتا ہے۔

جب تک افسر موجود ہے اور اپنے ماتحت پر اس کی نگاہ ہے، تب تک ماتحت اپنا کام ذمہ داری اور صحیح ڈیوٹی کے ساتھ انجام دیتا ہے لیکن جب افسر وہاں سے ہٹ جاتا ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ اب اس کے اندر کام کا وہ شوق اور جذبہ باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح جب تک استاد موجود رہتا ہے بچہ اس کے ڈر سے خوب جھوم جھوم کر پڑھتا ہے لیکن استاد اگر کسی کام سے باہر چلا جائے، یا دوسری طرف اپنی نظریں پھیر لے تو بچہ بے فکر ہو جاتا ہے یعنی استاد کے غائب ہوتے ہی استاد کا خوف بھی جاتا رہتا ہے۔

لیکن اللہ اور بندہ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی ہر حرکت اور ہر سانس کو دیکھ رہا ہے۔ بندہ دن کی مصروف گھڑیوں میں جو کچھ کرتا ہے وہ اس سے پورے طور پر باخبر ہے اور جو رات کی تاریکیوں میں انجام دیتا ہے اسے بھی وہ دیکھتا ہے۔

اس لیے اللہ سے ڈرنے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ بندہ نماز کی حالت میں اس سے ڈرے اور اس کے ڈر سے ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ اور تجارت میں، معاملات میں، اخلاق و کردار میں اور ایک دوسرے سے گفتگو میں اللہ کی پرواہ ہی نہ کرے۔

یعنی کچھ باتوں میں اللہ سے اتنا ڈرے کہ معلوم ہو کہ اس سے زیادہ ڈرنے والا کوئی نہیں ہے اور باقی معاملات میں اس قدر نڈر ہو جائے کہ معلوم ہو کہ اس سے زیادہ کوئی بیباک نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا اسی طرح کا خوف یعنی حق تقاتہ پیدا ہو جائے تو آدمی جان بوجھ کر برائی اور معصیت کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔

ایک واقعہ:

کسی زمانہ میں ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ وہ بڑا ہی نیک، عبادت گذار، متقی، عادل، نرم دل اور غریب پرور تھا۔ وہ بہت بڑے ملک پر حکومت کرتا تھا، بڑے بڑے مقدموں کے فیصلے کرتا تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بڑی بڑی جنگیں لڑتا تھا۔ لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ وہ تمام معاملات میں ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیتا تھا اور غریبوں اور مجبوروں کی مدد میں اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن اس کے دربار میں ایک فقیر آیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: ''کہیے میاں جی، کیسے آنا ہوا؟''

اس نے کہا: ''حضور! میں نے یہ سنا ہے کہ آپ کی حکومت میں آگ اور پانی دونوں اکٹھے رہتے ہیں، یہی حیرت انگیز چیز دیکھنے میں یہاں آیا ہوں۔''

بادشاہ نے کہا: ''میاں جی! میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ یہ آگ اور پانی کے اکٹھا ہونے کی کون سی بات ہے؟''

اس نے کہا: ''میں نے سنا ہے کہ آپ اتنے بڑے ملک پر حکومت کرتے ہیں مگر آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی۔ آپ اتنی بڑی مصروفیت کے باوجود اسلام پر پورے طور پر قائم ہیں اور آپ سے کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو۔ یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ میں اسے آگ اور پانی کے اکٹھا ہونے کی طرح سمجھتا ہوں۔ ذرا آپ بتائیں یہ کیسے ہوتا ہے؟''

بادشاہ نے کہا: ''میں آپ کو ضرور سمجھاؤں گا۔''

اب بادشاہ نے حکم دے دیا کہ شہر کو بہت خوبصورت سجا دیا جائے۔ حکم کے مطابق پورے شہر کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا۔ بادشاہ نے اپنے دو جلادوں کو بلایا، ان کے ہاتھ میں تلواریں دے دیں اور فقیر کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا پیالہ دے دیا۔

پھر جلادوں سے کہا کہ ''میاں صاحب کو شہر کی سیر کرالاؤ لیکن دیکھنا ان کے ہاتھ میں ایک پیالہ پانی ہے اگر اس میں سے ایک بوند بھی پانی چھلک جائے تو ان کا سر کاٹ لینا اور میرے سامنے لے آنا۔''

اب میاں جی اسی حالت میں شہر گھومتے رہے کہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں تھا اور پیچھے پیچھے دونوں جلاد ننگی تلواریں لے کر چل رہے تھے۔

جب شام کو میاں جی بادشاہ کے دربار میں واپس لوٹے تو ان کی حالت یہ تھی کہ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ’’کہیے میاں صاحب! آپ نے میرا شہر دیکھ لیا؟‘‘

میاں جی نے چھوٹتے ہی جواب دیا: ’’تیرا برا ہو، تو نے مجھے اس لائق کہاں رکھا تھا کہ میں شہر دیکھتا۔ میری آنکھیں تو پیالے پر لگی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں سے ایک بوند پانی چھلک جائے اور پیچھے سے گردن صاف کر دی جائے۔ میرے خیالات کی ڈوری تو اس میں الجھی ہوئی تھی ایسی حالت میں میں شہر کیسے دیکھ سکتا تھا؟‘‘

بادشاہ نے کہا: ’’یہی ہے دین داری اور نظم حکومت کے اکٹھا ہونے کی مثال۔ اگر تمہارے دل میں اللہ کا خوف ہو اور تمہاری نگاہ اپنی ذمہ داریوں پر لگی ہو تو دنیا کی مشغولیت تمہیں اللہ کے دین سے غافل نہیں کر سکتی۔‘‘

حضرات! آج جب ہم اپنے گرد و پیش کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر چار طرف برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں۔

مثلاً سرکاری کام کاج میں دیکھیے کہ کوئی بھی محکمہ ایسا نہیں ہے جہاں بغیر رشوت دیے ہوئے کام چل جاتا ہو۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ اسے برائی ہی نہیں سمجھا جاتا ہے۔

مریض اگر اپنے مرض کا احساس کرے تو اس کا علاج ہوسکتا ہے اور اگر مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود اسے مرض ہی نہ سمجھے تو اس کے صحت یاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہی حال رشوت کا ہے۔ آج اس بدترین سماجی برائی کو بھلائی کا روپ دے دیا گیا ہے۔ ناحق لیتے ہیں مگر اسے ’’حق‘‘ سمجھتے ہیں۔

حکومت یقیناً اس کے سدباب کی کوشش کرتی ہے اس کے پاس قانون کا ڈنڈا ضرور ہے مگر اس کے باوجود کوئی سدھار نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اصل چیز ذہن ہے۔

اگر دل کے اندر یہ تصور جاں گزیں ہوجائے کہ ایک اعلیٰ طاقت ہماری نگرانی کر رہی ہے۔ دن کی مصروف گھڑیوں میں ہم جتنے کام کرتے ہیں وہ اسے بھی دیکھتی ہے اور رات کی تاریکیوں میں جو کچھ کرتے ہیں اسے بھی دیکھتی ہے۔ اور ایک دن ہمیں اسی عظیم ہستی کے سامنے اپنے پورے کارنامۂ حیات کے ساتھ پیش ہو کر پورا پورا حساب دینا ہے۔ اگر ہم نے اچھے کام کیے ہیں تو اس کا بہترین بدلہ اس کی طرف سے ملے گا اور اگر ہم نے غلط راستہ اختیار کیا ہے تو ہم اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے اور نہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس کے عتاب سے بچا سکے گی تو پھر جان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوجھ کر امل کار رشوت نہیں لے سکتا۔

تب جج انصاف کی کرسی پر بے انصافی اور غلط فیصلے نہیں کر سکتا۔

تب ایک فرد اپنے فائدے کے لیے پوری قوم کے مفاد کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

تب تاجر اپنی تجوریوں کو بھرنے کے لیے غریبوں کا خون نہیں چوس سکتا۔ تب حاکم اپنی رعایا پر بے جا ظلم نہیں کر سکتا۔

ایک مثال:

فرض کیجئے، ایک شخص رات کے وقت ٹرین میں بیٹھا ہوا کہیں جا رہا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک شخص سو رہا ہے۔ سونے والے کی جیب میں سو سو کے نوٹ ہیں جو بالکل اوپر آ گئے ہیں۔ یہ شخص چپکے سے ہاتھ بڑھاتا ہے کہ اس کی جیب سے نوٹ نکال لے۔ اچانک اس کی نظر اوپر والے برتھ پر جاتی ہے، دیکھتا ہے کہ ایک شخص اس پر بیٹھا ہوا اس کی حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ اب یقینی طور پر اس مسافر کی جیب کی طرف اس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک جائے گا۔ وہ اس آدمی کے خوف سے چوری سے باز رہے گا۔

اسی طرح جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو گا بھلا وہ جان بوجھ کر غلط روی اختیار کرے گا؟

آج پوری دنیا برائیوں کی آماجگاہ بن گئی ہے اور انسان بڑی تیزی کے ساتھ وہاں جا رہا ہے جہاں پہنچ کر انسانیت کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور حیوانیت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

بات بات پر ایک دوسرے سے لڑائیاں ہوتی ہیں اور ان لڑائیوں میں انسانی خون پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ لوٹ مار ہوتی ہے جس میں آدمی کی مشقت کی کمائی چھین لی جاتی ہے، عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہیں ہیں، عہدوں کا ناجائز استعمال ہوتا ہے، عدالتیں انصاف کرنے کے بجائے بنئے کی دوکان بن گئی ہیں۔

یہ ساری خرابیاں صرف اس لیے ہیں کہ انسان کو کسی کی گرفت کا ڈر نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حکومت کے قوانین بھی بے بس ثابت ہوتے ہیں کیوں کہ جب کوئی شخص رشوت لیتے ہوئے پکڑا جاتا ہے تو پکڑنے والے کو بھی اس رقم میں شریک کر لیتا ہے۔

کوئی شخص صاحب اقتدار ہو لیکن اس کے دل میں اللہ کی خشیت نہ ہو تو وہ حکومت کی املاک کو اپنی ذاتی چیز سمجھے گا اور اس کا استحصال کرے گا کیوں کہ اسے یقین ہی نہیں ہے کہ کوئی برتر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہستی ہے جو اس کے کارناموں کو دیکھ رہی ہے۔ اور ایک دن اسے دانے دانے کا حساب دینا ہوگا۔

لیکن اگر اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے تو موقع پانے کے باوجود انتہائی احتیاط سے کام لے گا۔ کیوں کہ اللہ کا ڈر اسے پورے طور پر محتاط کردے گا۔ وہ خود اپنا اور اپنے بال بچوں کا نقصان برداشت کرلے گا لیکن قوم و ملک کا نقصان گوارہ نہیں کرے گا۔ وہ خود بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کرلے گا لیکن بیت المال سے ذرا بھی خیانت نہیں کرے گا۔

چند واقعات:

جب حاکم کے اندر خوف خدا ہوتا ہے تو وہ کس قدر محتاط ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو معمول کے مطابق وہ اپنی پیٹھ پر کپڑے کی گٹھری رکھ کر بازار کی طرف چلے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''کپڑا بیچنے جارہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ کپڑا بیچیں گے تو خلافت کا کام کیسے چلے گا؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر کپڑا نہیں بیچوں گا تو گھر والوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟''

آخرکار ان کے لیے بیت المال سے راشن مقرر ہوگیا جس سے ان کے گھر والوں کا گذارہ ہوتا تھا۔

ایک بار ان کی اہلیہ نے ان سے کوئی میٹھی چیز پکانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا کہاں ہے کہ ہم حلوہ کے سامان کا انتظام کرسکیں۔

چند روز گذرنے کے بعد ان کے سامنے جب کھانا آیا تو اس میں حلوہ تھا۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے انہوں نے بیوی سے پوچھا: ''جب ہمارے پاس اس کا کوئی انتظام نہیں تھا تو یہ حلوہ کہاں سے آیا؟''

بیوی نے جواب دیا: ''ہمیں جو راشن ملتا ہے میں روزانہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ جب کچھ اکٹھا ہوگیا تو اسے بیچ کر میں نے حلوہ کا سامان منگوالیا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم روزانہ راشن میں سے بچاتی رہیں اور ہمارا کام بھی چلتا رہا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ تم بچاتی رہیں وہ ہمیں فاضل ملتا ہے۔یعنی اس کے بغیر بھی ہمارا گذارہ ہوسکتا ہے۔''اس کے بعد انہوں نے اپنے مقررہ راشن سے کٹوتی کرادی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا دورِ خلافت انتہائی تابناک ہے۔ان کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ اس کے حدود سندھ سے لے کر فرانس تک پھیلے ہوئے تھے۔ایک بار انہوں نے دیکھا کہ ان کی ایک لونڈی ہاتھ میں پیالہ لیے ہوئے جارہی ہے۔انہوں نے پوچھا: ''تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''یہ تھوڑا سا دودھ ہے جو میں بیت المال سے لائی ہوں۔آپ کی بیوی حاملہ ہیں اور انہوں نے دودھ پینے کی خواہش ظاہر کی ہے۔اور حالتِ حمل میں عورت کی ہر خواہش پوری کرنی چاہیے ورنہ حمل کے ضائع ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے،چوں کہ دودھ مجھے کہیں سے نہیں ملا اس لیے بیت المال سے لے آئی ہوں۔''

لونڈی کا جواب سن کر انہوں نے اس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ چھین لیا اور فرمایا: ''جاکر میری اہلیہ کو بتادو کہ ان کا وہ حمل جو بیت المال کے دودھ سے باقی رہ سکتا ہے،میں چاہتا ہوں کہ ضائع ہوجائے لیکن مجھے یہ گوارہ نہیں کہ اسلام کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر میں بیت المال سے خیانت کا مرتکب ہوں۔''

انہوں نے بیوی کے حمل کو ضائع ہوجانا گوارا کرلیا مگر بیت المال سے معمولی خیانت گوارا نہیں کی۔

جب حاکم کے دل میں اللہ کا ڈر نہیں ہوگا تو وہ رعایا کو اپنا خادم سمجھے گا لیکن اگر اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے تو خود رعایا کا خادم بن جائے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک رات کو گشت کر رہے تھے۔اچانک ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو چولہا جلائے ہوئے کچھ پکا رہی تھی اور اس کے بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔

انہوں نے اس عورت سے کہا: ''تو کیسی ماں ہے جو اپنے روتے ہوئے بچوں کو چپ نہیں کراسکتی؟''

عورت نے کہا: ''جاؤ اپنا راستہ لو،تمہیں اس سے کیا سروکار کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ پھر انہوں نے عورت سے پوچھا: ”آخر کیا بات ہے ذرا میں بھی سنوں۔“

اس نے کہا: ”میں ایک غریب عورت ہوں، میرے یہ بچے بھوکے ہیں، ان کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔“

انہوں نے پوچھا: ”یہ تمہاری ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟“

اس نے کہا: ”اس میں کچھ نہیں ہے، میں نے اس میں صرف پانی رکھ کر چولہے پر چڑھا دیا ہے تا کہ میرے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کو یقین ہو جائے کہ کھانا پک رہا ہے اور حشر کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور عمر کا گریبان، جو خلیفہ ہونے کے باوجود ہماری خبر گیری نہیں کر رہا ہے۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لرز اٹھے۔

فوراً گھر آئے، اپنے غلام اسلم کو جگایا اور اس سے کہا کہ بیت المال سے ایک بورا آٹا نکالو، ایک غریب عورت اور اس کے بھوکے بچوں کے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔

غلام نے جب آٹے کا بورا نکالا تو انہوں نے کہا: ”اسے میری پیٹھ پر لاد دو۔“

غلام نے کہا: ”نہیں، یہ قطعاً مناسب نہیں ہے، میں اسے اٹھاتا ہوں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اسلم! اللہ کے یہاں تم میرا بوجھ نہیں اٹھاؤ گے۔ حشر کے دن عمر کو خود اپنا بوجھ اٹھانا پڑے گا، اس لیے میں ہی اسے اٹھا کر لے چلوں گا۔“

چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے۔ فوراً ہی آٹا گوندھا، خود ہی چولہا پھونکا اور روٹیاں پکا کر عورت اور اس کے بچوں کو کھلایا۔

آسودہ ہونے کے بعد عورت نے شکر گذار نگاہوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور کہا: ”عمر کے بجائے تمہیں خلیفہ ہونا چاہئے۔“

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں ہی عمر ہوں، میری اس کوتاہی کو معاف کر دو۔

اس کے بعد انہوں نے عورت اور اس کے بچوں کے مستقل گذارہ کے لیے بیت المال سے راشن مقرر کر دیا۔

کوئی شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہو تو اسے بے انصافی اور غلط فیصلوں سے جو چیز روک سکتی ہے وہ خوف خدا ہے۔ لیکن قاضی اگر خوف خدا کے جذبات سے عاری ہے تو وہ ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفاد پرست قاضی بن کر رہ جاتا ہے، جسے انصاف سے کوئی سروکار نہ ہو بلکہ صرف اپنے مفاد اور اپنی ترقی کی فکر ہو۔

انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والے کے دل میں اگر اللہ کا ڈر ہے تو وہ بے لاگ فیصلے کرنے میں اپنی جان تک کے چلے جانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

سلطان بایزید ترکوں کا بہت مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں ایک جج مولانا شمس الدین رومیؒ تھے۔ ایک دن ان کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک فریق کی طرف سے بادشاہ کو خود گواہی دینی تھی۔

مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی سلطان بایزید گواہ کے کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ جج نے فریق سے پوچھا: ''تمہارا گواہ کون ہے؟''

اس نے بادشاہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ مولانا شمس الدین رومیؒ نے کہا: ''سلطان بایزید کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے، اس لیے اسے عدالت سے باہر کر دیا جائے۔'' بہر حال مقدمہ کی کارروائی پوری ہوئی۔

شام کو بادشاہ خود مولانا شمس الدین رومیؒ کے پاس گیا اور کہا: ''آخر آپ نے میری گواہی کیوں نہیں مانی، جب کہ میں بادشاہِ وقت ہوں اور آپ کو قتل کرنے کا حکم بھی دے سکتا ہوں۔''

مولانا شمس الدین رومیؒ نے فرمایا: ''آپ نماز با جماعت کے پابند نہیں ہیں اور شریعت میں ایسے شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے جو نماز با جماعت نہ ادا کرتا ہو۔ اگر آج میں آپ کے ڈر سے آپ کی گواہی مان لیتا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن باز پرس کرتا کہ شمس الدین! تم نے انصاف کی کرسی پر بیٹھ انصاف کا خون کیوں کیا۔ تو میں اپنے اللہ کو کیا جواب دیتا؟ اس لیے میں نے آپ کی گواہی نہیں مانی۔''

سلطان یزید نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

بادشاہِ وقت کی حیثیت سے سارا اقتدار اس کے پاس تھا اور وہ قاضی کے خلاف کارروائی کر سکتا تھا مگر اس نے قاضی کی اس صاف گوئی پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بعد پابندی کے ساتھ مسجد جانے لگا۔

اور اس نے ایک موقع پر کہا: ''مجھے فخر ہے کہ میری سلطنت میں ایسے ایماندار اور انصاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند قاضی موجود ہیں جو بادشاہ کے آگے بھی حق کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے۔"

جب اللہ کا خوف نہیں ہوتا تو انسان دنیا کی زندگی اور اس کی آسائشوں اور لذتوں کو اپنی منزلِ مراد بنالیتا ہے۔ پھر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

لیکن اللہ سے ڈرنے والا انسان دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و لذت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ ہر طرح کا نقصان گوارا کر لیتا ہے مگر اللہ کی ناراضگی اسے گوارا نہیں ہوتی۔

ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر اس نے کہا:

"میرے پاس کچھ غلام ہیں، وہ میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے میں انہیں برا بھلا کہتا ہوں اور مارتا ہوں، پھر ان کے معاملہ میں میرا کیا حال ہوگا؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب قیامت کا دن آئے گا تو ان کی خیانت اور ان کی نافرمانی کو شمار کیا جائے گا۔ پس اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے مطابق ہوگی تو معاملہ برابر ہو جائے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو ان کو اجازت دے دی جائے گی کہ اس کے بہ قدر تم سے بدلہ لے لیں۔"

یہ سن کر وہ شخص چیخ پڑا اور رو رو کر کہنے لگا: "یا رسول اللہ! ان کے اور میرے درمیان جدائی سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آج سے وہ سب آزاد ہیں۔"

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے ایسے شخص کو بشارت دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ طلاق میں ارشاد ہوا ہے۔

وَ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔"

جو شخص ہر معاملہ میں اور زندگی کے ہر موڑ پر خدا ترسی کا رویہ اختیار کرتا ہے، ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اس کی زندہ مثال ہے جو قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دو بھائی تھے۔ یوسف اور بن یمین۔ یہ دونوں ایک ماں سے تھے۔ بقیہ بیویوں سے دس لڑکے تھے۔

سوتیلے بھائیوں نے حضرت یوسف کے ساتھ حسد کیا اور انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ چلے آئے۔

لیکن ایک قافلے کا ادھر سے گذر ہوا اس نے انہیں کنویں سے نکالا اور مصر کے بازار میں غلام کی طرح مصر کے ایک افسر کے ہاتھ چند سکوں کے عوض بیچ دیا۔

جب جوان ہوئے تو عزیز مصر کی بیوی اس حسن و جمال کے مجسمے پر فدا ہوگئی۔ اس نے بار بار انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتا مگر یہ خود کو اس سے بچاتے رہے۔ آخر کار ایک اخلاقی جرم میں جھوٹا الزام لگنے کے بعد جیل خانے پہنچا دیئے گئے اور کافی عرصہ تک وہاں رہے۔

حالات نے پلٹا کھایا اور قید خانے سے انہیں باعزت رہائی مل گئی اور پھر وہ ملک مصر کے بادشاہ بن گئے اور دو چار سال تک نہیں، دس بیس سال تک نہیں بلکہ پورے اسی سال تک مصر کے حکمراں رہے۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بھائیوں کے یہاں قحط سالی پڑ گئی، لوگ بھوکوں مرنے لگے۔

یہ لوگ معمولی پونجی لے کر مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے:

يَـٰٓأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ. ''اے سردار با اقتدار! ہم اور ہمارے اہل وعیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کچھ حقیری پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو بھرپور بدلہ دیتا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ إِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ. ''تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم نادان تھے؟''

وہ چونک کر بولے: ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ. ''کیا تم یوسف ہو؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے جواب دیا: اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا. ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔“

اور اللہ نے یہ احسان کیوں فرمایا؟

اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. ”حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے اور صبر سے کام لے تو اللہ کے یہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔“

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے کس قدر خوش ہوتا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کی پوری زندگی قتل و خونریزی میں گذری تھی۔ اس نے ننانوے آدمیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

پھر ان بھیانک جرائم اور ان کے خوفناک نتائج کو سوچ کر اس کے دل میں ندامت پیدا ہوئی۔ وہ اللہ کے ڈر سے غم زدہ ہو گیا۔ ایک درویش پادری سے اس نے مسئلہ پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو گی؟ اس نے جواب دیا کہ قطعی نہیں قبول ہو سکتی۔ یہ سنتے ہی اس نے پادری کو بھی قتل کر دیا۔ یعنی سو خون پورے ہو گئے۔

اب وہ زیادہ پریشان ہو گیا اور ایک دوسرے پادری سے مسئلہ پوچھا۔ اس نے بتایا کہ تو فلاں جگہ جا اور وہاں نیک لوگوں کے بیچ میں رہ۔ تیرے لیے سب سے بہتر راستہ یہی ہے۔

وہ نیکوں کی بستی کی طرف جا رہا تھا کہ راستے ہی میں اس کی موت ہوئی لیکن مرتے مرتے اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا۔

پھر رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے۔ رحمت کا فرشتہ کہنے لگا کہ اللہ کے خوف سے یہ توبہ کرنے جا رہا تھا اس لیے یہ جنت کا حق دار ہے اور عذاب کے فرشتے کا کہنا تھا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں اس لیے جہنمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے درویشوں کی بستی کو حکم دیا کہ اس شخص کے نزدیک ہو جا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ جہاں اس کی موت ہوئی ہے وہاں سے دونوں جگہوں کو ناپو۔ جہاں سے وہ چلا تھا وہاں سے اس کی لاش قریب ہے یا درویشوں کی بستی سے؟

چنانچہ جب فرشتوں نے ناپا تو وہ درویشوں کی بستی سے ایک بالشت قریب ہو گیا تھا۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح وہ ان بھیانک جرائم کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوا اور بخش دیا گیا۔

بخاری ہی میں یہ روایت بھی آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گذرے ہوئے زمانے میں ایک شخص تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے لڑکوں کو یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جلا دینا، پھر میری ہڈیوں کو خوب پیسنا اور جس روز خوب تیز ہوا چلے اس دن وہ راکھ دریا میں اڑا دینا تا کہ کچھ ہوا میں منتشر ہو جائے اور کچھ پانی میں۔''

چنانچہ اس کے گھر والوں نے یہی کیا۔ حشر کے دن اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر کے فرمائے گا اور سوال کرے گا۔ ''تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟''

وہ جواب دے گا ''پروردگار! تیرے ڈر سے۔''

آخر اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔

ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اور اس کی آنکھ سے ایک قطرہ آنسو گر جائے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کو حرام کر دے گا۔''

ترغیب وترہیب میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں چوکیداری کرے۔''

بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حشر کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔

انصاف کرنے والا حاکم، وہ جوان جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں گذری، وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکل کر پھر لوٹ آنے تک مسجد ہی میں لگا رہے، وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی رکھی، وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کے ڈر سے روئے، وہ شخص جسے کسی اچھے خاندان کی خوب صورت عورت نے بلایا اور اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے ایسا چھپا کر صدقہ دیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی۔''

مومن کی منزل مراد فلاح آخرت کا حصول ہے۔ کیوں کہ اسے یقین ہے کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور اصل ناکامی آخرت کی ناکامی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے آخرت کی کامیابی اور نجات کی ضمانت دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ نازعات میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.

"اور جو شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکا تو جنت ہی ایسے شخص کا ٹھکانا ہے۔"

آخر میں ہم اس بات پر غور کریں کہ ہم سانپ سے، بچھو سے، درندوں سے، موذی جانوروں سے، اور اپنے دشمنوں سے ڈریں اور جس مالک کے ہاتھ میں کائنات کا سارا نظام ہے اس سے بالکل نہ ڈریں۔

کیا یہ بات قرینِ قیاس اور مناسب ہے؟ کیا اس طرح کا طرزِ عمل انسانیت سے بعید نہیں ہے؟

ظفرؔ مرحوم نے صحیح کہا تھا ؎

ظفرؔ اس کو نہ کہیے گا آدمی چاہے کتنا ہو صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

گناہ وتوبہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

تمام تعریف اور ہر قسم کی عظمت اور کبریائی اس ذات لاشریک کے لیے ہے جو پوری کائنات کا، اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا خالق، مالک اور پالنہار ہے۔

ان گنت درود وسلام ہو اللہ کے برگزیدہ اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے اس دنیا میں ہدایت کی روشنی پھیلائی اور حق کو باطل سے، نور کو تاریکی سے اور ہدایت کو گمراہی سے چھانٹ کر نمایاں کر دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ.

حضرات! اس سے پہلے کہ میں تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے اپنے عنوان کے تحت کچھ بیان کروں، ایک ضروری بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

یہ تقریریں، حق وصداقت کی یہ باتیں اور وعظ و پند کی یہ مجلسیں صرف اس لئے نہیں ہوتیں کہ بس کہنے والا کہہ دے اور سننے والے سن لیں۔ کہنے والا کہہ کر مطمئن ہو جائے اور سننے والے سن کر خوش ہو جائیں۔

بلکہ یہ سب اس لیے ہوتی ہیں کہ قرآن مجید، حدیث رسولؐ، آثار صحابہؓ اور اسلاف امت کے اخلاق و کردار کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی، اپنے کردار، اپنے عادات واطوار، اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی مصروفیتوں اور مشغولیتوں کے جائزہ لینے کا موقع ملتا رہے کہ کیا ہم اس راستے پر چل رہے ہیں جس راستے پر چلنے کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتایا تھا اور جس پر خود رسول اللہ صلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم نے چل کر دکھایا تھا؟

کیا ہمیں ان کاموں، ان باتوں اور ان چیزوں سے محبت ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے؟ کیا ہمارے اندر ان کاموں کے کرنے کی تڑپ ہے جن کاموں کے کرنے کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے؟ اور ان باتوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؟ کیا روزی کمانے میں ہم ان تدبیروں کو اپناتے ہیں جو تدبیریں قرآن وحدیث نے بتائی ہیں؟ کیا ہمارے اخلاق وہی ہیں، کتاب وسنت نے جن کی تعلیم دی ہے؟ کیا ہمارے سارے معاملات انہی خطوط پر انجام پاتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچ دیئے ہیں؟

ویسے اگر فطرت زندہ ہو، دل میں ایمان کی روشنی ہو اور نصیحت لینے کا مزاج ہو تو کسی لمبی چوڑی تقریر کی، کسی بہت بڑے جلسے کی یا کسی بہت زیادہ ضخیم کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس ایک بات ہی انسان کو راہِ راست پر لانے کے لیے کافی ہوتی ہے، صرف ایک جملہ ہی انسان کے دل کو تڑپا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

لیکن جب فطرت میں زندگی باقی نہ رہے تو پھر دلائل کا انبار بھی انسان کے لیے بے سود ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً جب بارش ہوتی ہے تو جو زمین نرم ہوتی ہے وہ بارش کے پانی کو فوراً اپنے اندر جذب کر لیتی ہے لیکن وہی بارش جب کسی چٹان پر ہوتی ہے تو سارا پانی پھسل کر اس کے نیچے گر جاتا ہے۔ چٹان کے اندر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں جاتا۔

لیکن جب فطرت زندہ ہوتی ہے تو انسان ایک ہی جملے پر تڑپ اٹھتا ہے اور وہی ایک جملہ اس کی زندگی کا کایا پلٹ دیتا ہے۔

ایک چھوٹے سے رسالہ میں ایک رکشہ چلانے والے غریب مزدور کا ایک واقعہ چھپا تھا، جو انتہائی دلچسپ اور دلنشیں ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی اچھوتا اور دل کو چھو لینے والا بھی ہے۔

ایک واقعہ:

ایک رکشہ چلانے والا مسلمان مزدور ایک روز شام کو جب دن بھر کی محنت کرنے کے بعد اپنے گھر آیا اور اس کی بیوی نے اس کے سامنے جو کھانا رکھا اس میں جو کی روٹی اور ارہر کی بلا بگھاری دال تھی۔ وہ اس روکھے سوکھے کھانے کو دیکھ کر اپنی بیوی پر برس پڑا، بولا: ”اللہ تعالیٰ کتنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑا بے انصاف ہے، جو لوگ شاندار محلوں میں رہتے ہیں، انہیں بلا مشقت انواع و اقسام کے کھانے میسر ہوتے ہیں اور ہم مزدور دن بھر پسینہ بہاتے ہیں پھر بھی ہمیں وہ کھانا ملتا ہے جسے جانور بھی کھانا پسند نہ کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟''

یہ سن کر بیوی نے جواب دیا: ''تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو؟ تمہارے سامنے تو دال اور روٹی رکھی ہے اور ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپؐ کے گھر میں دو دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔''

بیوی کی زبان سے یہ سن کر وہ رو پڑا۔ فوراً سجدہ میں گر گیا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگا: ''بارِ الٰہا! تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مجھے دال اور روٹی مل رہی ہے، جب کہ تیرا آخری پیغمبر اکثر پانی پی کر سو جایا کرتا تھا۔''

شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی کیچ اور مکران کے ایک بہت بڑے فرمانروا گذرے ہیں، ان کے والد کا نام سلطان بہاء الدین تھا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو یہ تخت نشین ہوئے اور پورے اکیس برس تک انہوں نے انتہائی آن بان کے ساتھ حکومت کی۔

لیکن ان کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ گذرا جس نے ان کی زندگی کا رنگ ہی پلٹ دیا اور یہ سلطان کے بجائے شیخ ہو گئے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ان کا کھجور کا ایک بہت بڑا باغ تھا۔ باغ کے بیچ میں ایک شاندار محل تھا جس میں یہ ٹھہرا کرتے تھے۔ محل میں ایک لونڈی متعین تھی جس کے ذمے یہ کام تھا کہ جب یہ باغ میں ٹہلنے کے لیے آئیں تو آرام کرنے کے لیے ان کا بستر بچھا دیا کرے۔

ایک دن لونڈی نے ان کا بستر بچھایا اور بے خیالی میں خود ہی اس پر لیٹ گئی۔ وہ جیسے ہی لیٹی اسے بے ساختہ نیند آ گئی۔

جب حمید الدین آرام کرنے کے لیے محل میں پہنچے اور انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ ان کے بستر پر لونڈی سو رہی ہے تو انہیں لونڈی کی اس گستاخی پر بڑا غصہ آیا۔

پھر انہوں نے وہ چابک اٹھایا جس سے وہ اپنے گھوڑے کو مارا کرتے تھے۔ اسی چابک سے انہوں نے سوتی ہوئی لونڈی کو پیٹنا شروع کیا۔

ایک چابک مارا تو وہ جاگ گئی پھر اس پر دس چابک پڑے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جتنے چابک پڑتے جاتے تھے وہ کھلکھلا کر ہنستی جاتی تھی۔اس پر انہیں بڑی حیرت ہوئی۔

انہوں نے ہاتھ روک لیا اور ہنستی ہوئی لونڈی سے پوچھا: ''میں تجھے پیٹ رہا ہوں اور تو ہنس رہی ہے کیا بات ہے؟ آخر تجھے چوٹ کیوں نہیں آرہی ہے، تو کس بات پر ہنس رہی ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''جناب عالی! مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ جب اس آرام دہ بستر پر ایک معمولی سی نیند کی اتنی بڑی سزا ہے تو اس شخص کا کیا انجام ہوگا جو روزانہ اس بستر پر آرام کرتا ہے؟''

واقعات میں آتا ہے کہ لونڈی کا یہ جواب سن کر حمید الدین کا ہاتھ کانپ اٹھا۔ چابک ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ پھر انہوں نے سلطنت کو ٹھوکر ماردی، علماء کی صحبت میں رہنے لگے اور بقیہ زندگی انہوں نے تبلیغ وارشاد میں گذاردی۔

جہاں تک سننے اور سنانے کا سوال ہے، آج کے دور میں بہت کہا جاتا ہے اور بہت سنا جاتا ہے۔ نہ کہنے والوں کی کمی ہے اور نہ سننے والوں کی، کمی صرف اس بات کی ہے......اور یہ بہت بڑا المیہ بھی ہے...... کہ نہ کہنے والے پر ان باتوں کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ سننے والوں پر۔

ڈاکٹروں کے بتانے کے مطابق پیٹ کا ایک مرض ہوتا ہے جسے ڈائریا کہتے ہیں۔ اس میں آدمی جو کچھ کھاتا ہے تو وہ بلا ہضم ہوئے دوسرے راستے سے خارج ہوتا رہتا ہے۔

یقیناً ہم سنتے ہیں، سننا چاہتے ہیں، سننے کے شوقین ہیں اور اس طرح کی مجلسوں سے دلچسپی بھی لیتے ہیں لیکن کانوں کے ڈائریا کے شکار ہیں۔ یعنی اس کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ ہماری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو ایک سڑک پر چل رہا تھا۔ پیچھے سے ایک کار آگئی۔ کار والے نے برابر ہارن دیا لیکن اس نے راستہ نہ چھوڑا۔ آخر کار وہ جھنجھلا کر کار سے اترا اور راہ گیر کو ایک طمانچہ مار کر کہا: ''میں کب سے ہارن دے رہا ہوں اور تو راستہ نہیں چھوڑ رہا ہے۔''

اس نے کہا: ''جناب! آپ نے اتنا پوں پوں کیا کہ میں سنتے سنتے سن ہو گیا۔''

تقریباً یہی حال ہمارا بھی ہو گیا ہے۔ جب ہم گھی کھاتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ یہ عمدہ اور طاقتور غذا جزو بدن بن جائے اور ہمارے معدہ میں ہضم ہو کر ہمارے جسم کی تقویت کا سبب بنے۔

لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ حق وصداقت کی باتیں ہمارے قلب اور دماغ میں نہیں اترتیں؟

آیئے ہم اس بات کو جاننے کی، سمجھنے کی اور حل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم میں سے جو لوگ دینی کتابوں اور دینی رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں، جہاں تک مطالعہ کا سوال ہے، کہا جاتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ''کتابیں بہترین ہم نشین ہوتی ہیں'' اور اچھے ساتھی سے اچھائی کی امید ہوتی ہے اور برے ساتھی سے سوائے برائی اور خرابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس لیے انسان فطری طور پر اچھی صحبت کو پسند کرتا ہے اور بری صحبت سے متنفر ہوتا ہے۔

فرض کیجیے، آپ سفر پر جا رہے ہیں، جس ٹرین سے آپ کو سفر کرنا ہے وہ کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک ڈبہ میں کچھ جگہ خالی ہے لیکن اس میں چور، اچکے، شرابی، جواری اور لٹیرے بیٹھے ہوئے ہیں تو یقیناً آپ اس ڈبہ میں گھسنا گوارا نہیں کریں گے۔

لیکن ایک ڈبہ ایسا ہے جس میں اگرچہ بھیڑ ہے لیکن اس میں شریف، سنجیدہ اور نیک لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو بلاشبہ آپ اسی ڈبہ میں جگہ بنانے کی کوشش کریں گے۔

جہاں تک ساتھی کا تعلق ہے، آپ کسی برے آدمی کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے ہیں تو اس کی بری باتوں کا اثر آپ پر پڑ سکتا ہے، لیکن آپ بھی اپنی اچھی عادتوں کا اثر اس پر ڈال سکتے ہیں۔

مثلاً آپ کسی شرابی کے ساتھ رہتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو بھی شراب کی لت پڑ جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی صحبت اور آپ کی ناصحانہ باتوں سے وہ شراب سے متنفر ہو جائے۔

لیکن کتاب وہ ساتھی ہے جو صرف آپ پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ آپ سے کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔

جیسے آپ کسی فلمی رسالے کا برابر مطالعہ کرتے ہیں، تو عین ممکن ہے کہ وہ رسالہ آپ کو فلمی بنا دے، مگر یہ قطعاً ناممکن ہے کہ آپ اس رسالے کو غیر فلمی بنا دیں۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جو لوگ دینی کتابوں اور دینی رسالوں کا برابر مطالعہ کرتے ہیں انہیں دو الفاظ بار بار پڑھنے کو ملتے ہیں، اطاعت اور معصیت۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں بجالانا، اور جن جن کاموں اور باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے رک جانا، یہ اطاعت ہے، جسے نیکی کے کام بھی کہا جاتا ہے۔

اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں نہ کرنا اور جن جن باتوں سے روکا ہے انہیں کرنا، یہ معصیت ہے جسے گناہ بھی کہا جاتا ہے۔

ہر مسلمان کو اس بات پر کامل یقین ہے ...... اور اس پر کامل یقین کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا ...... کہ حشر کے میدان میں انسان کی پوری زندگی کا کچا چٹھا اس کے سامنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھ دیا جائے گا۔

بندہ اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے گا: ''یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی، سب کے سب کو اپنے اندر درج کر لیا ہے۔''

اس طرح ہر شخص بہت جلد اپنی پوری زندگی کا حساب سمجھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيْباً. ''تو اپنے نامہ اعمال کو پڑھ لے۔ آج خود ہی تیرا نفس اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔''

مومن کو اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور کافر کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں۔

نامہ اعمال کو پانے کے بعد مومنین اور صالحین بہت خوش ہوں گے۔ وہ خود بھی اسے پڑھیں گے اور دوسروں کو بھی دکھائیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ الحاقہ میں فرمایا گیا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ. ''اس وقت جس کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا لو، دیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال۔ میں جانتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔''

لیکن کافر اپنے نامہ اعمال کو پا کر بہت مایوس ہوں گے۔ واویلا مچائیں گے۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں آگے بتایا گیا ہے:

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ. وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ. يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ. مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ. هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ. ''اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا، کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا۔''

انسان نے دنیا کی زندگی میں جو بھی کیا ہو گا وہ سب اپنی نگاہوں سے دیکھ لے گا چاہے اسے رات کی تاریکیوں میں انجام دیا ہو یا دن کی معروف گھڑیوں میں۔ کسی موقع پر کپڑا صاف کرتے وقت اس نے بلا اجازت اپنے ساتھی کا صابن اپنے کپڑے پر لگا لیا تھا، اسے بھی وہ دیکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے گا اور کسی دن مسجد میں جا کر اس نے اللہ کے گھر کی صفائی کی تھی، اسے بھی وہ دیکھ لے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ زلزال میں فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. ''پس جس نے ایک ذرہ کے برابر بھلائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. ''اور جس نے ایک ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اللہ کے نزدیک اپنا وزن اور مقام رکھتی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی برائی حساب میں آنے والی چیز ہے۔ اس لیے کسی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر اسے چھوڑنا نہیں چاہیے اور نہ کسی برائی کو چھوٹی سمجھ کر اسے نظر انداز کرنا چاہیے۔

کیوں کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں زیادہ ہو کر اللہ کے یہاں ایک بڑی نیکی بن سکتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی برائیاں گناہوں کا انبار بن سکتی ہیں۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر یا کسی سے بھلی بات کہنے کے ذریعہ ہو۔''

یعنی کسی کو کھجور کا ایک ٹکڑا دے دینا یا کسی کو بھلی بات بتا دینا، یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی انسان کو جہنم سے بچانے کا سبب بن سکتی ہیں۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

کیسی ہی چھوٹی ہو نیکی تو اسے ہلکی نہ جان　　رب کی بخشش کے لیے کوئی بہانہ چاہیے

بخاری میں روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے یہاں کوئی چیز بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے چاہے وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔''

اسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے۔ ''کسی کام کو حقیر نہ سمجھو چاہے وہ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ایک ڈول ڈال دینا ہو یا یہی نیکی کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔''

یہی معاملہ برائیوں کا بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسائی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ نصیحت کی تھی: ''اے عائشہ! ان گناہوں سے بچنا جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اللہ کے یہاں ان کا بھی حساب ہوتا ہے۔''

مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خبردار چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچے رہنا، کیوں کہ وہ سب انسان پر جمع ہو جائیں گے یہاں تک کہ اسے ہلاک کر ڈالیں گے۔''

جب چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچنے کی اتنی تاکید کی گئی ہے تو پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکب کا کیا انجام ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا ہے:

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ. ''تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی، جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں وہ اپنی کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے۔''

بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔''

لوگوں نے پوچھا: ''یارسول اللہ! وہ کون کون سے ہیں؟''

ارشاد ہوا: ''شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا، سود لینا، یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

ایمان والے کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ نیکی کے کاموں کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب اسے نیکی کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے تو اسے ضائع نہیں کرتا۔

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔ ایک بار خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا فرمائے گا۔''

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مدینہ آیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔

جب مدینہ کے تاجروں کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس فروخت کے لیے بہت زیادہ غلہ آیا ہے تو وہ وفد کی شکل میں صبح ہوتے ہی ان کے گھر پہنچ گئے اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم آپ کے پاس شام سے آیا ہوا غلہ خریدنا چاہتے ہیں تا کہ اسے مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ لوگ شام کی خریداری پر مجھے کتنا نفع دیں گے؟''

تاجروں نے کہا: ''دس درہم پر بارہ درہم۔'' یعنی جو مال آپ نے دس درہم میں خریدا ہوگا اسے ہم بارہ درہم دے کر خرید لیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔''

تاجروں نے کہا: ''ہم دس درہم پر چودہ درہم دیں گے۔''

انہوں نے فرمایا: ''مجھے اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے۔''

تب تاجروں نے آخری قیمت لگاتے ہوئے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر پندرہ درہم دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو قیمت آپ لوگ مجھے دے رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ منافع مجھے مل رہا ہے اس لیے میں اپنا مال آپ کے ہاتھ نہیں فروخت کروں گا۔ میں اس کے ہاتھ فروخت کروں گا جو دس گنا نفع دے رہا ہے۔''

یہ سن کر تاجر حیران رہ گئے۔ انہوں نے پوچھا: ''ابھی شام کو آپ کا مال آیا ہے اور مدینہ کے تمام تاجر یہاں موجود ہیں، پھر آپ کو دس گنا نفع کون دے رہا ہے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بولے کہ میرا خدا قرآن پاک میں فرماتا ہے: ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا.'' ''جو شخص ایک نیکی کے ساتھ آئے گا ہم اسے دس گنا اجر و ثواب دیں گے۔''

آپ لوگ مجھے ایک کا ڈیڑھ دے رہے ہیں اور اللہ کے یہاں مجھے ایک کا دس ملے گا۔

اس لیے اے تاجرو! تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے یہ تمام غذائی سامان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح وہ کنویں سے نکالے گئے۔ اب وہ لوگ انہیں مصر کے بازار میں لے گئے۔ حکومتِ مصر کے ایک بہت بڑے افسر نے انہیں خرید لیا جسے قرآن نے عزیز کے لقب سے یاد کیا ہے۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا:

اَكْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا. ”اس کو اچھی طرح رکھنا، بعید نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔“

جب وہ جوان ہوئے تو وہ عورت اس حسن و جمال کے مجسمے پر دل و جان سے فدا ہوگئی۔ اس نے بار بار انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر وہ خود کو اس سے بچاتے رہے۔

پھر مصر کی عورتوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عزیز مصر اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے اور اس کی محبت نے اسے بے قابو کر رکھا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے جب اپنے خلاف عورتوں کی ان مکارانہ باتوں کو سنا تو اس نے ایک دن سب کی دعوت کی اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں ہر ایک سامنے ایک ایک چھری رکھ دی۔

پھر عین اس وقت جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔

جب عورتوں کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور چھریوں سے پھل کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں۔

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ. ”حاشا اللہ یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“

عزیز کی بیوی نے کہا:

”دیکھ لیا، یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، بیشک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی مگر یہ بچ نکلا، اگر اس نے میرا کہنا نہیں مانا تو قید کر لیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہوگا۔“

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راستے تھے ایک معصیت کا راستہ دوسرا معصیت کا۔

اگر اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں تو جیل جانا پڑتا ہے اور جیل سے بچنا چاہتے ہیں تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔

جب مدینہ کے تاجروں کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس فروخت کے لیے بہت زیادہ غلہ آیا ہے تو وہ وفد کی شکل میں صبح ہوتے ہی ان کے گھر پہنچ گئے اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم آپ کے پاس شام سے آیا ہوا غلہ خریدنا چاہتے ہیں تا کہ اسے مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ لوگ شام کی خریداری پر مجھے کتنا نفع دیں گے؟''

تاجروں نے کہا: ''دس درہم پر بارہ درہم۔'' یعنی جو مال آپ نے دس درہم میں خریدا ہوگا اسے ہم بارہ درہم دے کر خرید لیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔''

تاجروں نے کہا: ''ہم دس درہم پر چودہ درہم دیں گے۔''

انہوں نے فرمایا: ''مجھے اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے۔''

تب تاجروں نے آخری قیمت لگاتے ہوئے کہا: ''ہم آپ کو دس درہم پر پندرہ درہم دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو قیمت آپ لوگ مجھے دے رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ منافع مجھے مل رہا ہے اس لیے میں اپنا مال آپ کے ہاتھ نہیں فروخت کروں گا۔ میں اس کے ہاتھ فروخت کروں گا جو دس گنا نفع دے رہا ہے۔''

یہ سن کر تاجر حیران رہ گئے۔ انہوں نے پوچھا: ''ابھی شام کو آپ کا مال آیا ہے اور مدینہ کے تمام تاجر یہاں موجود ہیں، پھر آپ کو دس گنا نفع کون دے رہا ہے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بولے کہ میرا خدا قرآن پاک میں فرماتا ہے: ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔'' ''جو شخص ایک نیکی کے ساتھ آئے گا ہم اسے دس گنا اجر و ثواب دیں گے۔''

آپ لوگ مجھے ایک کا ڈیڑھ دے رہے ہیں اور اللہ کے یہاں مجھے ایک کا دس ملے گا۔

اس لیے اے تاجرو! تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے یہ تمام غذائی سامان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ کے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں ایک کمزور مجبور اور بے سہارا بڑھیا رہتی تھیں۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ روزانہ صبح کو اس کے گھر جاتے، اس کے یہاں جھاڑو دیتے اور اس کا برتن وغیرہ صاف کر دیتے تھے۔

ایک دن وہ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ بڑھیا کے گھر میں پہلے ہی سے صفائی ہو چکی ہے اور ان کے آنے سے پہلے ہی کسی نے آکر بڑھیا کے گھر کا کام کر دیا ہے۔

دوسرے روز وہ اپنے خیال میں بہت سویرے اٹھے کہ آج میں دیکھوں وہ کون شخص ہے جو مجھ سے پہلے پہنچ جاتا ہے۔

وہاں جا کر دیوار کی آڑ میں چھپ گئے، دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے صحن میں جھاڑو دے رہا ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو انہوں نے پہچانا، وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو نیکی اور ثواب کی لالچ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔

جہاں تک معصیت یعنی گناہ کا سوال ہے۔ حدیث میں مومن اور منافق میں ایک زبردست فرق بتایا گیا ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مومن چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو پہاڑ کے برابر سمجھتا ہے لیکن منافق بڑے سے بڑے گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھ جائے اور اسے اڑا دے۔"

یعنی مومن سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ بہت پریشان ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر اسے کچوکے لگاتا ہے اور اسے اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ لیکن منافق کو گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔

گناہ ہو جانے پر خلش محسوس کرنا، پریشان ہو جانا، اسے ایک بوجھ محسوس کرنا ایمان کی علامت ہے۔ اور گناہ پر گناہ کرنا اسے کوئی اہمیت نہ دینا اور اس کی کچھ پرواہ نہ کرنا نفاق کی پہچان ہے۔

اللہ پر ایمان رکھنے والا بندہ مصیبت گوارا کر لیتا ہے، فاقہ گوارا کر لیتا ہے، ہر طرح کی پریشانیاں برداشت کر لیتا ہے اور سخت سے سخت مصائب و آلام جھیلنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی اور گناہ کو گوارا نہیں کرتا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب گلستاں میں لکھا ہے کہ کسی زمانے میں ایک جنگل میں ایک فقیر رہتا تھا جس پر ایک شیر نے حملہ کر کے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا پھر اس کے جسم پر لگنے والے تمام زخم پک گئے جس کی وجہ سے اسے بڑی تکلیف رہتی تھی۔ پھر بھی وہ ہر وقت الحمد للہ الحمد للہ کہا کرتا تھا۔ کسی نے پوچھا: ''اس مصیبت کی گھڑی میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا کیا سوال؟''

اس نے جواب دیا: ''الحمد للہ۔ بمصیبے گرفتارم نہ بمعصیتے'' اللہ کا شکر اس بات پر ہے کہ میں مصیبت کے اندر گرفتار ہوں نہ کہ معصیت کے اندر۔''

قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دو بھائی تھے یوسف اور بن یمین لیکن دوسری بیویوں سے دس لڑکے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے نسبتاً زیادہ محبت تھی۔ بھائیوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کو باپ سے جدا کر دیا جائے۔

وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھوکہ دے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور ایک ویران کنویں میں ڈال دیا۔

شام کو روتے ہوئے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

يَـٰٓأَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَـٰعِنَا فَأَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ ۖ وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَـٰدِقِينَ. ''ابا جان! ہم لوگ دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اسے کھا گیا، آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔''

ثبوت کے لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کو پیش کر دیا جسے وہ کسی جانور کے خون سے رنگ لائے تھے۔

دوسری طرف ایک قافلہ آیا اور جب اس کا ایک آدمی کنویں پر پانی لینے گیا اس نے ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام پر اس کی نگاہ پڑی۔ وہ چلایا:

يَـٰبُشْرَىٰ هَـٰذَا غُلَـٰمٌ. ''خوش خبری ہو یہاں تو ایک لڑکا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح وہ کنویں سے نکالے گئے۔ اب وہ لوگ انہیں مصر کے بازار میں لے گئے۔ حکومتِ مصر کے ایک بہت بڑے آفیسر نے انہیں خرید لیا جسے قرآن نے عزیز کے لقب سے یاد کیا ہے۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا:

اَكْرِمِىْ مَثْوٰهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا. ”اس کو اچھی طرح رکھنا، بعید نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔“

جب وہ جوان ہوئے تو وہ عورت اس حسن و جمال کے مجسمے پر دل و جان سے فدا ہوگئی۔ اس نے بار بار انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر وہ خود کو اس سے بچاتے رہے۔

پھر مصر کی عورتوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عزیز مصر اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے اور اس کی محبت نے اسے بے قابو کر رکھا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے جب اپنے خلاف عورتوں کی ان مکارانہ باتوں کو سنا تو اس نے ایک دن سب کی دعوت کی اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں ہر ایک سامنے ایک ایک چھری رکھ دی۔

پھر عین اس وقت جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔

جب عورتوں کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور چھریوں سے پھل کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں۔

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. ”حاشاللہ یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“

عزیز کی بیوی نے کہا:

”دیکھ لیا، یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، بیشک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی مگر یہ بچ نکلا، اگر اس نے میرا کہنا نہیں مانا تو قید کر لیا جائے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا۔“

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راستے تھے ایک مصیبت کا راستہ دوسرا معصیت کا۔

اگر اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں تو جیل جانا پڑتا ہے اور جیل سے بچنا چاہتے ہیں تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی نافرمانی کرنی پڑتی ہے لیکن وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ. ''اے میرے رب مجھے قید خانہ منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔''

اب وہ ایک اخلاقی جرم میں جھوٹا الزام لگنے کے بعد قید خانہ میں ڈال دیے گئے۔ کافی عرصہ تک انہیں قید کی مشقت برداشت کرنی پڑی۔ لیکن حالات بدلے اور انہیں قید سے باعزت طور پر رہائی ملی۔ اور پھر وہ ملک مصر کے بادشاہ بن گئے اور دو چار سال تک نہیں، دس بیس سال تک نہیں بلکہ پورے اسی برس تک مصر کے حکمراں رہے۔

ان کے دور حکمرانی میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب بھائیوں کے یہاں قحط سالی پڑ گئی اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ یہ لوگ معمولی پونجی لے کر غلہ لینے مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانے بغیر ان سے کہنے لگے:

''اے سردار باقتدار، ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں، اور ہم کچھ حقیری پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور خیرات دیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام بولے: ''تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تم نادان تھے؟'' وہ چونک کر بولے۔

ءَاِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ. ''ہائیں کیا تم یوسف ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. ''ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے یہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں جاتا ہے۔''

یعنی یہ میرے حق پر ثابت قدم رہنے اور معصیت سے بچنے کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے اپنا احسان فرمایا اور مجھے چاہ کنعان سے تختِ مصر تک پہنچا دیا۔

جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے اندر نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید نیکیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور دوسری نیکیوں کے لیے راستہ ہموار ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ نے نمازِ فجر جماعت سے ادا کرلی تو آپ کے لیے دوسری نمازوں کے جماعت سے ادا کرنے کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

یہی معاملہ برائی کا بھی ہے۔ برائی کرنے سے دوسری برائیاں جنم لیتی ہیں۔

کسی نے صحیح کہا ہے کہ ایک جھوٹ بول کر آدمی کو دس جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

ایک نکتہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔

''جس طرح نماز برائیوں سے روکتی ہے اسی طرح برائیاں نماز سے روک دیتی ہیں۔''

یعنی آدمی جس قدر برائیوں میں ملوث ہوتا ہے جائے گا اسی قدر وہ نیکیوں کی توفیق سے محروم ہوتا جائے گا۔

برائی سے دوسری برائیاں کس طرح جنم لیتی ہیں؟

ایک واقعہ:

ایک شخص کو اپنی لڑکی کے رشتہ کے لیے ایک لڑکے کی تلاش تھی۔ آخر کار اسے پتہ چلا کہ ایک لڑکا خالی ہے۔ اس نے اس کے پڑوسی سے اس کے اخلاق و عادات کے بارے میں پوچھا تو بتانے والے نے بتایا: ''لڑکا خوبصورت ہے تندرست ہے اور خوشحال بھی ہے لیکن وہ پیاز کھانے کا عادی ہے۔''

اس نے پوچھا: ''پیاز کھانے کا عادی ہے، کیا مطلب؟''

پڑوسی نے بتایا: ''وہ ہمیشہ پیاز نہیں کھاتا لیکن جب شراب پینے بیٹھتا ہے تو پیاز ضرور کھاتا ہے۔''

اس نے تعجب سے پوچھا: ''کیا وہ شراب پیتا ہے؟''

بتایا گیا: ''ہاں، لیکن وہ ہر وقت شراب میں مست نہیں رہتا، جب وہ طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے تب وہ شراب ضرور پیتا ہے۔''

اس نے بوکھلا کر پوچھا: ''تو کیا وہ طوائف کے کوٹھے پر بھی جاتا ہے؟''

بتانے والے نے بتایا: ''ہاں جاتا ہے لیکن روز نہیں، جب وہ جوئے میں زیادہ رقم ہار جاتا ہے تو اپنا غم غلط کرنے کے لیے طوائف کے کوٹھے پر ضرور جاتا ہے۔''

اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: ''اچھا تو وہ جواری بھی ہے؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑوسی نے کہا: ''ہاں لیکن وہ ہر وقت جوا نہیں کھیلتا، جب بھی چوری ڈکیتی میں زیادہ مال پا جاتا ہے تو جوا ضرور کھیلتا ہے۔''

یہ بظاہر ایک لطیفہ ہے لیکن دراصل یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ برائی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ہر برائی سے دوسری برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جب آدمی برائیوں اور معصیت کے کاموں میں پورے طور پر ملوث ہو جاتا ہے تو اسے بری باتوں، برے کاموں، بری چیزوں اور بری صحبتوں اور بری مجلسوں میں زیادہ لطف ملتا ہے۔

ایسی چیزوں میں اس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ وہ اسی طرح کے موقعوں کی تلاش میں رہتا ہے اور ایسے ہی کاموں میں اسے سکون ملتا ہے۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ہی انتہائی سبق آموز بھی ہے۔

ایک واقعہ:

ایک بھنگی ایک بار کسی عطر فروش کی دوکان کے سامنے سے گذرا۔ وہاں پہنچنا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اسے ہوش میں لانے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ اسے خوشبو سنگھایا گیا، اس کی ناک میں عطر کی شیشی انڈیل دی گئی، اس پر گلاب کا پانی چھڑکا گیا لیکن یہ تمام تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں اور اسے ہوش نہیں آیا۔

جب اس کے بھائی کو اس صورتِ حال کی خبر ہوئی تو وہ سارا معاملہ سمجھ گیا۔ پھر اس نے تھوڑی سی غلاظت لا کر اس کی ناک پر رکھ دیا۔ غلاظت کی بدبو کا ناک میں جانا تھا کہ اس کی بے ہوشی جاتی رہی۔

دراصل آدمی جس ماحول میں رہتا ہے جس طرح کے کام کرنے کا عادی ہوتا ہے وہی اس کا مزاج بن جاتا ہے اور اسی طرح کی چیزوں میں اسے سکون ملتا ہے۔

مثلاً، غیبت کو لے لیجئے، جو ایک بدترین سماجی جرم ہے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید کی سورہ حجرات میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. ''تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔''

یہ نص صریح ہے۔ جیسے اَقِيْمُو الصَّلٰوةَ. یعنی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو غیبت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روکا بھی گیا ہے۔

جس طرح اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ کی خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار ہے اسی طرح وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً۔ کی خلاف ورزی کرنے والا بدترین مجرم ہے۔ قرآن نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

جیسا کہ سورہ حجرات کی آیت میں بتایا گیا ہے:

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کام کے گھناؤنے پن کا تصور دلایا ہے۔

غیبت کا مطلب ہے پیٹھ کے پیچھے دوسری برائی اور بدگوئی کرنا۔ مسلم اور ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔''

عرض کیا گیا: ''اگر اس میں یہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ برائی موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔''

مؤطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''غیبت کیا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔''

اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگر چہ میری بات حق ہو؟''

فرمایا: ''اگر تیری بات باطل ہو تو یہی بہتان ہے۔''

مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔" لوگوں نے پوچھ: "کس وجہ سے؟"

آپؒ نے فرمایا: "آدمی جب زنا سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی جب تک وہ معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے اس طرح مغفرت کی دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلَهٗ "اے اللہ! تو ہمیں اور اس کو بھی بخش دے۔"

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے: "غیبت کی تین صورتیں ہیں۔ غیبت، افک اور بہتان۔

غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں اس کی پیٹھ کے پیچھے ایسی بات کہو جو اس کے اندر موجود ہے۔

افک یہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کہو جو تم کو پہنچے۔

بہتان یہ ہے کہ اس کے بارے میں وہ بات کہو جو اس کے اندر موجود نہیں ہے۔"

غیبت خواہ صریح الفاظ میں کی جائے یا اشارہ و کنایہ میں، ہر صورت میں حرام ہے۔ اسی طرح یہ فعل خواہ انسان کی زندگی میں کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد، دونوں صورتوں میں اس کی حرمت یکساں ہے۔

ابوداؤد میں واقعہ آتا ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی کو جب زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا تو ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ رہا تھا: "دیکھو اللہ نے اس کے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ یہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سن لیا۔ کچھ دور پر مرے ہوئے ایک گدھے کی سڑی ہوئی لاش نظر آئی تو آپ رک گئے اور ان دونوں کو بلا کر کہا: "اترو اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ۔"

ان دونوں نے کہا: "یا رسول اللہ! اسے کون کھائے گا؟"

آپؐ نے فرمایا: "ابھی ابھی تم لوگوں نے اپنے بھائی کی عزت پر جو باتیں کہی ہیں وہ اس مردار گدھے کا گوشت کھانے سے زیادہ بری ہیں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترغیب وترہیب میں واقعہ آتا ہے: ایک بار ایک غزوہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما صبح کے وقت ناشتہ کرنے بیٹھے۔ ناشتہ میں ان کے سامنے صرف سوکھی روٹی تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ اپنے غلام کو جگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں کہ وہ ہمارے لئے آپؐ کے پاس سے کوئی سالن، شہد یا زیتون کا تیل لے آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ غلام تو بڑا کاہل، سست اور کام چور ہے۔''

آخر کار ایک دوسرے آدمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا۔

اس نے جب آپؐ سے کہا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ سے سالن مانگا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو سالن کی کیا ضرورت ہے ابھی تو انھوں نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا ہے۔''

آدمی نے ان دونوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو دہرایا۔

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی، بھلا ہم آپ سے جھوٹ بولیں گے، ہم نے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں کھائی ہے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''جب تم نے اپنے غلام کی پیٹھ کے پیچھے اس کی برائی کی، اسے کاہل سست اور کام چور کہا تو تم نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت نہیں کھایا؟''

جب کوئی برائی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ برائی نہیں معلوم ہوتی۔ جیسے زنا کتنی خوفناک چیز ہے، لیکن بعض قوموں اور بعض ملکوں میں یہ اس قدر عام ہے کہ اسے تفریح سے زیادہ حیثیت نہیں دیجاتی۔ یہ حال غیبت کا ہے۔

کوئی شخص بیمار ہو اور اپنی بیماری کا احساس کرتا ہو تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ علاج سے تندرست ہو جائے گا۔ لیکن ایسے بیمار کے تندرست ہونے کی امید نہیں ہوتی جو نہایت سخت بیماری میں مبتلا ہو اور اپنے آپ کو تندرست خیال کرتا ہو۔ یہی معاملہ غیبت کا بھی ہے۔

یہ ایک نہایت سخت گناہ ہے اور قریب قریب ہر شخص اس میں مبتلا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اسے کوئی شخص گناہ اور برائی خیال ہی نہیں کرتا۔

آپ دیکھیں گے کہ مجلس میں جب تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی ہیں، اس میں لوگوں کو مزہ نہیں آتا لیکن جیسے ہی کسی کی غیبت شروع ہوئی بس محفل میں ایک سرگرمی اور زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اندھیرے کمرے میں بلب جل جائے۔

پھر تسبیح پڑھنے والی زبانیں، ذکر الٰہی میں حرکت کرنے والی زبانیں، قرآن وحدیث کی باتیں بتانے والی زبانیں سب اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔

ہمیں سوچنا چاہئے کہ آخر معصیت کے کاموں میں ہمیں لطف کیوں آتا ہے؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ ہماری زندگی معصیت سے بھری ہوئی ہے؟

قرآن مجید میں جہاں مختلف جگہوں پر اچھے اعمال اور نیکیوں پر ابھارا گیا ہے وہیں جگہ جگہ گناہ اور معصیت کے کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے بھیانک نتائج سے خبردار کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ انعام میں حکم ہوا:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ. ''تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی، جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں وہ ضرور اپنی کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے۔''

سورۂ طٰہٰ میں یوں ارشاد ہوا: اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ''جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔''

یہ تو آخرت میں معصیت کے بھیانک نتائج کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ خود دنیا کی زندگی میں اس کے ہولناک اور تباہ کن نتائج نکلتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورہ عنکبوت میں فرعون، ہامان اور قارون کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

وَقَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سَابِقِيْنَ . فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. ''اور قارون، فرعون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہامان کو ہم نے ہلاک کیا۔ موسیٰ ان کے پاس بینات لے کر آیا مگر انھوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا، حالاں کہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے۔ آخر کار ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑا، پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی اور کسی کو زبردست دھماکے نے لے لیا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو غرق کر دیا۔ اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔"

سورۂ اعراف میں قوم نوح کے بارے میں بتایا گیا: فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ. "پس انہوں نے اسے جھٹلا دیا۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا وہ اندھے لوگ تھے۔"

قوم عاد کے بیان میں سورۂ الحاقہ میں بتایا گیا:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ. سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ. فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ ۢ بَاقِيَةٍ. "اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط رکھا (تم وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا تمھیں ان میں سے کوئی باقی بچا نظر آتا ہے؟"

سورۂ اعراف میں قوم صالح کا بیان ہوا ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ. "آخر کار ایک دہلا نے والے عذاب نے انھیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔"

اسی سورۃ میں قوم شعیب پر آنے والے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ. "پس ایک دل دہلانے والے عذاب نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔"

سورۂ ہود میں قوم لوط کا بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَّنۡضُوۡدٍ. مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّکَ وَ مَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ. "پھر جب ہمارے فیصلے کا دن آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے یہاں نشان زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں ہے۔"

قوم موسیٰ کے تذکرے میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ. "پس جو بات کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔ آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ یہ سزا تھی ان نافرمانیوں کی جو وہ کر رہے تھے۔"

قوم سبا کے بارے میں سورۂ سبا میں بتایا گیا ہے:

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَیۡهِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ. ذٰلِکَ جَزَیۡنٰهُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا وَ هَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ. "پس انھوں نے ہمارے فرمان نہ مانا تو ہم نے (باندھ توڑ کر) زور کا نالہ ان پر چھوڑ دیا اور ان کے دو باغوں کو بدل کر دو باغ ایسے بنا دیے جن میں بدمزہ میوے، جھاؤ کے درخت اور تھوڑے بیری کے درخت رہ گئے، ان کی ناشکری پر ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم ان ہی کو سزا دیتے ہیں جو ناشکرے ہیں۔"

الغرض اللہ کی نافرمانی وہ بری بلا ہے جو نہ صرف آخرت میں دردناک عذاب کا سبب بنے گی بلکہ دنیا کی زندگی کو بھی برباد کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔

لیکن اگر کسی شخص نے بہت گناہ کیا ہو، یہاں تک کہ وہ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو۔ پھر وہ اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

کیوں کہ اللہ کا در وہ در ہے جہاں کسی گنہگار کو اس بات پر معطون نہیں کیا جاتا کہ کل کہاں تھے اور آج کیسے آگئے۔

آج کے دور میں مزاروں، آستانوں اور درگاہوں پر وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اسلام کے دامن پر ایک کلنک کے سوا کچھ نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف ہم مسجدوں میں جھانک کر دیکھتے ہیں اور دوسری طرف قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کے ہجوم دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عقیدت مندی کے ساتھ دوکانداری نے ایمان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ کیا کیا گل کھلائے ہیں؟

بزرگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی قیمت وصول کی جارہی ہے اور من وسلویٰ سمجھ کر کھائی جارہی ہے۔

یہاں مجاورت اور قلندری ہے، سجدے اور طواف ہیں، رونا اور دھونا ہے، شیرینی اور چادریں ہیں، چرس اور بھنگ ہے، عریانی اور فحاشی ہے، گانا اور بجانا ہے، عرس اور میلے ہیں، منتیں اور مرادیں ہیں، تبرک اور چڑھاوے ہیں۔

غرض ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ اور جس میں مبتلا ہونے والوں کی دنیا میں ذلت اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈرایا تھا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! کان کھول کر سن لو، تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں انھوں نے اپنے انبیاء اور اپنے اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں اس فعل سے تم کو منع کرتا ہوں۔''

آج اس امت پر نگاہ ڈالیے تو یہی نقشہ نظر کے سامنے ہوگا۔ کہیں کوئی قبر مسجود خلائق ہے، کہیں کوئی آستانہ ہے، جس کی چوکھٹ پر جبیں سائی کی جارہی ہے۔ کسی کو غوث، کسی کو دستگیر، کسی کو داتا اور کسی کو مشکل کشا پکارا جارہا ہے اور وہ گھر جہاں پیشانیوں کو جھکنا چاہیے تھا، خالی پڑے ہیں۔ اور اس ذات کے ساتھ جو صحیح معنوں میں دستگیر، مشکل کشا، فریادرس اور حاجت روا ہے، یوں شریک ٹھہرائے جارہے ہیں۔

پچھلی امتوں کو شرک میں مبتلا کرنے میں قبروں کا بڑا حصہ رہا ہے۔

اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں لوگوں کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا۔

پھر جب اجازت دی تو اس کے ساتھ یہ پابندی لگادی کہ کچھ مانگنے کے لیے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لیے جاؤ۔

مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"لوگو! میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب اجازت دیتا ہوں۔ کیوں کہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عبرت کے لئے گورِ غریباں ہی موزوں ہو سکتا ہے نہ کہ سنگ مرمر کی تراشی ہوئی عمارتیں۔ جہاں پھولوں کی بارش ہو رہی ہو اور جہاں کی ہوائیں خوشبوؤں سے بوجھل ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قبروں پر جانے کی اجازت دی اس وقت یہ بھی بتا دیا کہ قبروں پر کچھ لینے کی غرض سے نہ جاؤ بلکہ انھیں کچھ دینے کے لیے جاؤ۔ اور دینا یہ ہے کہ قبر والوں کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب سے محفوظ رکھے اور ان کے اور تمہارے اپنے گناہ معاف کر دے۔

ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے لئے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَ نَحْنُ بِالْاَثَرِ. "اے قبروں کے باسیو! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرمائے اور تمہیں بھی۔ تم ہم سے پہلے جا چکے ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہم اپنے ہر مرنے والے کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں، چاہے وہ ایک عام گنہگار مسلمان ہو چاہے کوئی اللہ کا ولی۔

اس کا جنازہ ہمارے سامنے ہوتا ہے اور ہم صف باندھے اللہ سے دعا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا...... الخ. "اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور ہمارے مردوں کو اور ہمارے حاضروں کو اور ہمارے غائبوں کو، ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو، ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو...... الخ۔"

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین کے باہر تو ہم اپنے مرنے والوں کے لئے دعا کر رہے ہوں۔ مگر جب وہ زمین کے اندر اتر جائیں تو ہمارے حاجت روا اور مشکل کشا بن جائیں؟

لیکن افسوس فن دین داری کے ماہروں نے اپنا پیشہ چمکانے کے لئے قبر پرستی کو ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین کی حیثیت دیدی ہے اور عقیدت مندی کا عالم یہ ہے کہ کبھی قبر کے پاس جھکے جارہے ہیں، کبھی اس کو ہاتھ لگا کر اس کی خاک بدن پر ملتے ہیں، کبھی اس کا طواف کرتے ہیں، کبھی ہاتھ باندھ کر اس کے پاس اپنی بپتائیں بیان کرتے ہیں، کبھی صاحب قبر کی دہائی دیتے ہیں، کبھی نذر و نیاز اور چڑھاوے پر اتر آتے ہیں، کبھی منتیں مانتے ہیں کہ اولاد ہو جائے تو یہ نذر کروں گا، بیماری چلی جائے تو یہ خدمت بجالاؤں گا۔ کیا یہ سب غیر اللہ کی پرستش اور پوجا نہیں ہے؟

قبروں، درگاہوں اور آستانوں پر مجاور اور خدام آواز لگاتے ہیں کہ یہ بابا کی ڈیوڑھی ہے کون سی مراد ہے جو یہاں پوری نہیں ہوتی؟ یہاں کچھ لے کر آؤ گے تو کچھ لے کر جاؤ گے، خالی ہاتھ آؤ گے تو خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔ لیکن اللہ کا در وہ در ہے جہاں اعلان ہوتا ہے کہ خالی ہاتھ آؤ اور سب کچھ لے کر جاؤ۔ کچھ نہ لے کر آؤ اور جھولیاں بھر کر جاؤ۔

اللہ کے یہاں انسان کی جیب کو نہیں اس کے قلب کو دیکھا جاتا ہے، اس کی رحمت کس قدر وسیع ہے؟

قرآن مجید کی سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے:

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. ''اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی میں کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ بہت بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

سورۂ فرقان میں یوں بتایا گیا ہے:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا. ''لیکن جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ وہ بہت بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. ”کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور معافی نہیں چاہتے حالاں کہ وہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے“

سورۂ زمر میں گنہگاروں کو یہ خوش خبری دی گئی ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. ”اے نبی کہہ دو کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے قطعاً مایوس نہ ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دے گا۔ بے شک وہ غفور الرحیم ہے۔“

حتیٰ کہ کفار و مشرکین کے بارے میں سورۂ انفال میں بتایا گیا ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ. ”اے نبی! کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پہلے کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔“

بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یَدَهٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ النَّهَارِ. ”بیشک اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کر لے۔“

وَیَبْسُطُ یَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ اللَّیْلِ. ”اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے۔“

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. ”جو شخص برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کر ڈالے پھر وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو غفور الرحیم پائے گا۔“

کسی شخص کا لڑکا نالائق نکل جائے اور اپنے باپ کی کمائی ہوئی دولت کو عیاشیوں میں برباد کر ڈالے اور گھر کی ساری جائداد کو تباہ کر کے کہیں چلا جائے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے دل میں ندامت کا احساس بیدار ہو جائے اور وہ آکر اپنے باپ کے قدموں میں گر پڑے۔ تو روٹھا باپ اپنے باغی اور نالائق بیٹے سے اتنی جلدی راضی نہیں ہوتا جتنی جلدی اللہ تعالیٰ اس گنہگار سے راضی ہو جاتا ہے جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا ہے: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ. ”دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ بیشک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔“

اللہ رب العالمین کی شفقت اور محبت کا یہ عالم ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی قصور کر ڈالے مگر جب وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے، اپنی خطاؤں سے توبہ کرتا ہے اور اللہ کی طرف پلٹتا ہے تو اس کے دامنِ رحمت کو اپنے لئے وسیع پاتا ہے۔

اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت عمدہ، مؤثر، جامع اور لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

مسلم کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: ”اگر تم میں سے کسی کا اونٹ ایک بے آب وگیاہ ریگستان میں کھو گیا ہو، اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر لدا ہوا ہو اور وہ شخص اپنے اونٹ، اپنے ساز و سامان اور اپنی روزی تلاش کر کر کے ناامید ہو چکا ہو، یہاں تک کہ بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو۔

اور عین اسی حالت میں یکایک وہ دیکھے کہ اس کا کھویا ہوا اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہے تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے خوش ہوتا ہے۔“

بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جنگی قیدی گرفتار کر کے لائے گئے۔ انہی قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ کہیں چھوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بچے کی جدائی سے اس قدر بے چین اور پریشان تھی کہ جس کے بچے کو پاتی اسے اٹھا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کو دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا: ”کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ کیا یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟“

ہم نے کہا: ”ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گر رہا ہو تو یہ اپنی حد تک اسے بچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔“

آپؐ نے فرمایا: ”اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے رکھتی ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ گنہگار بندہ جب اللہ سے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے اس طرح سہارا دیتی ہے جیسے ایک شیر خوار بچہ پالنا میں لیٹا ہوا ہو۔ وہ بھوکا ہو، رو رہا ہو، بلبلا رہا ہو تو اس کی ماں اس کی آواز سن کر فوراً دوڑتی ہے۔ اسے گود میں اٹھاتی ہے، اسے دودھ پلاتی ہے، اسے بہلاتی ہے اور اسے اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے لختِ جگر کو مسکراتا ہوا نہ دیکھ لے۔

جس طرح بچے کی درد بھری آواز سن کر ماں کی ممتا بے قرار ہو جاتی ہے اسی طرح جب فرش پر گنہ گار روتا ہے تو عرش پر اللہ کی رحمت بے قرار ہو جاتی ہے۔"

اس لئے گنہگار بندہ اگر سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

بندہ اللہ کے در پر آ کر دیکھے، اس کی رحمت کو آزما کر دیکھے، بندہ کے آنے میں دیر ہے اللہ کے راضی ہونے میں دیر نہیں ہے۔

بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کی پوری زندگی قتل و خونریزی میں گذری تھی یہاں تک کہ اس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن اس کے دل میں احساسِ ندامت پیدا ہوا اور اچانک وہ اپنے گناہوں کو سوچ کر تڑپ اٹھا۔

ایک عالم سے اس نے یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا ہرگز نہیں۔

اب اس نے غصہ میں آ کر اس عالم کو بھی قتل کر دیا۔ اس طرح کل سو خون پورے ہو گئے۔

اب وہ اور زیادہ پچھتایا، اور اس نے پھر ایک راہب سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے سلسلے میں مسئلہ پوچھا:

راہب نے بتایا: "فلاں بستی میں جا، جس کا نام نصرہ ہے، وہاں اللہ کے نیک بندے رہتے ہیں تو وہیں رہ کر اللہ کی عبادت کر اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ تیرے ہولناک جرائم اور ان کے بدترین انجام سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔"

اب وہ نصرہ بستی کی طرف چلا لیکن راستے ہی میں اسے موت آ گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرنے سے پہلے اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی صورت سے اپنے آپ کو گھسیٹ کر جلد از جلد اس بستی تک پہنچا دے۔

لیکن موت نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور کوشش کے باوجود وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا۔

اب رحمت اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔ عذاب کے فرشتہ کا کہنا تھا کہ یہ بدترین قسم کا مجرم تھا، اس نے سو خون کیے تھے اس لئے یہ دوزخ کا مستحق ہے۔ اور رحمت کا فرشتہ کہہ رہا تھا کہ یہ اگرچہ بہت بڑا گنہگار تھا لیکن یہ اللہ سے توبہ کرنے کے لئے اس بستی کی طرف جا رہا تھا اس لئے یہ جنت کا حقدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لڑو نہیں، جہاں یہ مرا ہے اس جگہ سے نصرہ بستی اور جہاں سے یہ چلا تھا اس زمین کو ناپ لو۔ اگر اس کے مرنے کی جگہ نصرہ بستی سے قریب ہے تو وہ جنتی ہے اور اگر وہ جگہ قریب ہے جہاں سے وہ چلا تھا تو وہ دوزخی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نصرہ بستی کو حکم دیا کہ وہ اس کے مرنے کی جگہ سے قریب ہو جائے۔

جب زمین ناپی گئی تو نصرہ بستی سے وہ ایک بالشت قریب تھا۔ پھر اسے بخش دیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف مقامات پر اپنے بندوں کو توبہ واستغفار کی تاکید فرمائی ہے۔

مثلاً سورہ تحریم میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرو۔ عجب نہیں کہ تمہارا مالک تمہاری برائیاں تم پر سے اتار دے اور تم کو ان باغوں میں پہنچا دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی توبہ واستغفار کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مومنون میں ارشاد ہوا:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ. "اور کہو اے پروردگار بخش دے اور رحم فرما اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔"

سورہ نصر میں حکم دیا گیا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ کرنے والا ہے۔''

سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا: وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. ''اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہو، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔''

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دنیا کے تمام انسان خطاوار ہیں اور بہترین خطاوار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔''

مشکوٰۃ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان نے کہا اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کو بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مجھ کو اپنی عزت اور جلال کی قسم، میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے۔''

مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! توبہ کرتے رہو، میں بھی دن بھر میں سو سو بار توبہ کرتا ہوں۔''

ایک نکتہ

لیکن توبہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ توبہ کا مطلب ہے گناہ سے باز آجانا، گناہ کو ترک کر دینا اور دل میں یہ ٹھان لینا کہ میں گناہ اب کبھی نہ کروں گا۔

یہ نہیں کہ زبان سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہتے رہے اور دل گناہ پر جما رہا اور گناہ سے باز نہ آئے۔ یہ توبہ نہیں بلکہ اللہ سے مذاق کرنا ہے۔

ترغیب وترہیب میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص گناہ سے توبہ کرتا رہتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں ہے تو ایسا شخص گویا اپنے رب کے ساتھ ہنسی کرتا ہے۔''

کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور کن لوگوں کی نہیں قبول ہوتی؟ قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اس کی مکمل تشریح کر دی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. ''اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر بیٹھتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں سے خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔''

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

''مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اور اسی طرح توبہ ان کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔''

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ. ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ بس اسی وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ آثار موت نہ شروع ہوں۔''

جب آدمی اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو اسے زیادہ سے زیادہ نیک کام اور اچھے اعمال کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

اس لئے کہ توبہ کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ بندہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور اعمالِ صالحہ سے ان کی تلافی کرے۔

قرآن مجید کی سورۂ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. ''لیکن جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اور سورۂ طٰہٰ میں یوں بیان ہوا ہے۔

وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى. ''بے شک میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخشنے والا ہوں اس شخص کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے پھر سیدھے راستے پر لگا رہے۔"

توبہ و استغفار سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ نہ صرف اس کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے بلکہ دنیا کی زندگی میں اسے ہر طرح کی آسانیاں اور آسائشیں بھی مہیا فرماتا ہے۔

جیسا کہ سورۂ نوح میں آیا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا. يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا. وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا. "اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال واولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گا۔"

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ قرآن مجید کی اسی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایک مرتبہ قحط سالی کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی دعا کے لیے نکلے لیکن بارش کی دعا مانگنے کے بجائے صرف استغفار پر اکتفا کیا۔

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین! آپ نے بارش کے لیے تو دعا ہی نہیں کی۔"

فرمایا: "میں نے آسمان کے ان دروازوں کو کھٹکھٹا دیا ہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے۔"

اور پھر سورۂ نوح کی یہ آیات لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں۔

کشاف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ سے استغفار کرو، دوسرے شخص نے تنگ دستی کی شکایت کی، تیسرے نے کہا میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی، چوتھے نے کہا میرے زمین کی پیداوار کم ہو رہی ہے لیکن وہ ہر ایک کو یہی جواب دیتے گئے کہ اللہ سے استغفار کرو۔

لوگوں نے کہا: "یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ سب کو مختلف شکایتوں کا ایک ہی علاج بتا رہے ہیں؟" انہوں نے جواب میں سورۂ نوح کی یہی آیتیں سنا دیں۔

اب آیئے اس بات کی طرف جسے میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ آخر ہم اتنا زیادہ سنتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ حق وصداقت کی باتیں ہماری دل ودماغ میں جگہ نہیں بنا پاتیں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ان باتوں سے زیادہ قیمتی کوئی بات زمین و آسمان کے بیچ میں مل سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ مطففین میں کفار، مشرکین، ظالموں اور نافرمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ. ''اسے جب ہماری آتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔''

یعنی ہماری آیات کو وہ اگلے وقتوں کی کہانیاں کہہ کر ٹال دیتا ہے اور یہ آیات اس کے کانوں سے ٹکرا کر واپس جاتی ہیں، اس کے دل و دماغ میں نہیں اترتیں۔ ایسا کیوں؟

آگے ارشاد ہوتا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْ يَكْسِبُوْنَ. ''ہرگز نہیں، بلکہ دراصل ان کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔''

یعنی یہ لوگ جو گناہ کرتے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔

اس لئے جو بات حق، مفید اور سراسر معقول ہے وہ ان کو افسانہ نظر آتی ہے۔

ترمذی اور مسند احمد کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زنگ کی اس طرح تشریح فرمائی ہے:

''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا چلا جائے تو وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔''

جب دل کو گناہ کی سیاہی پورے طور پر ڈھانپ لے گی تو ظاہر بات ہے حق و صداقت کی باتیں اس میں جگہ نہ پا سکیں گی۔ جیسے کسی لوہے پر پلاسٹک کا کاغذ بچھا دیا جائے پھر اس پر پانی ڈالا جائے، پانی بظاہر لوہے پر ڈالا جائے گا لیکن وہ لوہے تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کیوں کہ پلاسٹک کا کاغذ لوہے اور پانی کے درمیان رکاوٹ بن جائے گا۔

اللہ کرے کہ یہ ٹوٹی پھوٹی باتیں ہمارے کانوں سے آگے بڑھ کر ہمارے قلب و دماغ تک رسائی حاصل کر سکیں۔

آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قرآن مجید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. اَمَّابَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّ رَحْمَۃً وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ.

حضرات! ہر ایمان والا اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اس پر کامل یقین بھی رکھتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہے جو سید المرسلین فخرِ بنی آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یعنی آپ کی بعثت کے بعد نبوت اور رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید خاتم الکتاب ہے۔ یعنی اس کے نازل ہو جانے کے بعد آسمانی کتابوں کے نزول کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا جامع اور مکمل ایڈیشن ہے۔

اس کتاب کے نازل ہونے سے پہلے پوری دنیا فکر و نظر کی گمراہیوں اور پستیوں میں ڈوب کر رہ گئی تھی۔ لوگ آنکھیں کھولتے ہی اپنے گرد و پیش بت پرستی اور جہل و حماقت کے سوا کچھ نہ دیکھتے تھے۔

الٰہیات میں من گھڑت ڈھکوسلوں اور اوہام و خرافات کے سوا کچھ نہ تھا۔

ہندو اور مصری سیکڑوں فرضی دیوی خداؤں اور اوتاروں کو مانتے تھے اور خدا اور اوتار میں کوئی فرق و امتیاز نہ تھا۔ عیسائی تثلیث کے جال میں پھنسے ہوئے اپنی حماقت اور بے عقلی کا ثبوت دے رہے تھے۔ مجوسی اہرمن و یزداں دو خداؤں کی پرستش میں نجات ڈھونڈ رہے تھے۔ یونانی اپنے علوم و فنون میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگن تھے۔اور یہودو نصاریٰ توحید، نبوت، کتاب اور شریعت کو مانتے تھے مگر اس کے باوجود وہ تمام الٰہی سچائیوں اور صداقتوں میں تحریف کر کے اپنے خیالات واوہام کی پیروی کرر ہے تھے۔

الغرض پوری دنیا جہالت و بے عقلی اور ضلالتوں اور گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور تمام عالم کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں گھر چکا تھا۔

اولادِ اسماعیل کے زیادہ افراد بت پرست، ستارہ پرست اور کواکب پرست تھے۔

اسرائیلیوں کے دو فرقے تھے، یہودی اور عیسائی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام کی تعلیمات کو بھلا دیا تھا۔توحید کے بجائے شرک، حق پرستی کی جگہ نفس پرستی اور اصلاح کی جگہ پر فتنہ وفساد کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔

وہ مدعی توحید تھے مگر ان کی توحید شرک آمیز تھی۔ان میں کا ہر ایک فرقہ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہنے لگا تھا۔

تورات میں جا بجا حسب خواہش تغیرات کر لیے تھے کہیں عبارت بدل ڈالی تھی اور اکثر جگہ معانی میں تحریف کرنے لگے تھے۔

ان کے علماء حلال وحرام کے مالک اور شارع بن بیٹھے تھے۔مختلف انبیاء ان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے مگر بہتوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔کچھ لوگوں نے آپ کو مانا اور اکثر نے مخالفت کی۔

عیسائی فرقہ کچھ زمانہ تک توصحیح توحید پر قائم رہا پھر صحیح راستے سے ایسا ہٹا کہ اصل مسلک کو بھی بھول گیا۔

علمائے حق کو چن چن کر قتل کیا گیا اور تین سو برس کے بعد تو تثلیث، الوہیت مسیح اور صلیب پرستی نے ایسا رواج پایا کہ بت پرست قومیں بھی ان سے پیچھے رہ گئیں۔

آرین اور تورانی نسلیں ایران، چین، ہندوستان، سیام اور مغربی ممالک میں تھیں، ان کی حالات بھی نا قابلِ ذکر ہوگئی تھی۔

کفر والحاد کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس نے ان کے اندر پرورش نہ پائی ہو، پھر پرورش پا کر بار آور نہ ہوئی ہو اور پھر بار آور ہو کر عظیم الشان درخت کی شکل نہ اختیار کر گئی ہو۔

بت پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی، ملائک پرستی، غرض ہر طرح کی غیر اللہ پرستی کا ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مذہب بن گئی تھی۔

یہ وقت تھا اور یہ ہمہ گیر تاریکی تھی جس نے دلوں کی روشنی، روح کا نور اور فطرت کی شعاؤں کو بجھا دیا تھا۔ آفتابِ حق کی کرنیں روپوش ہو گئی تھیں۔

عرب جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، جن میں اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے ہدایت کا چشمہ پھوٹا تھا اس کی حالت تو سب سے زیادہ پست، خراب اور قابل رحم تھی۔

یا تو وہ سرے سے خدا کے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو انسانوں جیسا، ملائکہ کو اللہ کی لڑکیاں تصور کرتے تھے۔ ہر فرقہ، ہر دن اور ہر حاجت کا خدا الگ الگ تھا۔ حد یہ ہے کہ اللہ کے پاک گھر خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ خداؤں کی حکمرانی تھی، عبادت کا کوئی ضابطہ و اصول نہیں تھا جس کی جس طرح چاہتے عبادت کرتے تھے۔ خود تراشیدہ بتوں کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

اخلاق کا یہ حال تھا کہ مے نوشی، قمار بازی، عشق بازی، بے حیائی اور فحش گوئی ان کی زندگی کا بہترین اور محبوب مشغلہ تھا۔ لڑکیوں کا زندہ درگور کر دینا ان کی قومی عزت کا تقاضہ تھا۔

بات بات میں لڑنا مرنا، قبیلوں کا آپس میں ٹکراتے رہنا، باہمی رشک و حسد کی آگ میں جلتے رہنا اور موقع آنے پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دینا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔

پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی روح کا ان میں نشان تک نہ تھا۔

غرضیکہ اہل عرب ہر قسم کی شائستگی و تہذیب سے محروم اور جہالت و وحشت، جور و ظلم، فسق و فجور اور سفاکی و خونریزی میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے۔ عرب کے زمانۂ جاہلیت کا نقشہ حفیظ جالندھری نے اپنے مخصوص انداز میں یوں کھینچا ہے ؎

شجاعت تھی مگر اس کا ہدف اپنے ہی بھائی تھے
یہ سب ایک دوسرے کو ذبح کرنے میں قصائی تھے
بیاں کرتے تھے اپنے شرمناک اور فحش کاموں کو
سرِ بازار کہہ دیتے تھے ایسے کارناموں کو
رعونت نے دماغوں میں ہوائے خود سری بھر دی
خشونت ایک عادت دوسری عادت تھی بیدردی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہادر تھے مگر یہ سب کے سب آپس میں لڑتے تھے
قبیلوں میں ہزاروں معرکے ہر سال پڑتے تھے
پدر فرزند کی بیواؤں کا حق چھین لیتے تھے
پسر اپنی حقیقی ماؤں کا حق چھین لیتے تھے
کوئی معیار ہی باقی نہ تھا شرم و شرافت کا
کہ رتبہ بھیڑ بکری سے بھی کم تھا ایک عورت کا
فواحش اور زناکاری یہ من بھاتی عبادت تھی
شرابیں پی کے ننگے ناچنا یہ عام عادت تھی
زناکاری کی ترغیبیں سر بازار دیتے تھے
یہ اپنی بیویوں تک کو جوئے میں ہار دیتے تھے
تمدن اور ترقی کی ہوا ان تک نہ آتی تھی
کوئی مرکز نہ تھا خانہ بدوشی ان کو بھاتی تھی

یہ تھی عربوں کی جہالت اور سفاہت کی حالت۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسی ملک اور اسی قوم کو اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اپنی آخری کتاب قرآن مجید کے نزول کے لیے منتخب فرمایا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن کے ذریعہ نہ صرف عرب بلکہ عملاً پوری دنیا کی کایا پلٹ گئی۔

اس دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لئے ہزاروں انبیاء مبعوث فرمائے گئے اور یہاں تک بتایا گیا کہ ہر قوم اور ہر امت میں نبی بھیجے گئے ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ فاطر میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِنْ مِّــنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَـذِيْرٌ. ''کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔''

سورۂ نحل میں بتایا گیا ہے: وَلَـقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا. ''ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجتے رہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ رعد میں فرمایا گیا ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. ''اور ہر قوم میں راستہ دکھانے والے (نبی) آتے رہے ہیں۔''

سورۂ یونس میں ارشاد ہوا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ. ''اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔''

ان میں بہت سے رسول ایسے تھے جنہیں آسمانی کتابیں ملی تھیں۔ جیسے زبور حضرت داوٗدؑ کو، توریت حضرت موسیٰؑ کو اور انجیل حضرت عیسیٰؑ کو۔

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں اور تمام اخلاقی قصے، انسانوں کے بننے بگڑنے کی داستانوں، ظلم و عدل اور حق و باطل کی معرکہ آرائیوں کی حکایات سے پر ہیں۔

ہر قوم کے سامنے ان کے اکابر کی زندگیاں، ان کے کارنامے اور فلاح و کامیابی کی نظیریں ہیں۔ یہ سب کچھ درست ہے۔

مگر یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ان سب کے باوجود قرآن سے پہلے عالم گیر طور پر انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے کوئی کامل نمونہ موجود نہیں تھا۔ انسانی اوہام و ضلالت کی جڑ نہ کٹی تھی، انسانوں کے باہمی تعلقات و معاملات کی گتھی الجھی پڑی تھی، انسانی معاشرت کا کوئی واضح اور متعین خاکہ نہ تھا، روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کوئی علاج نہ تھا، اخلاق و کردار کا کوئی نقشہ نہ تھا، دلوں کی ناپاکی باقی تھی، انسان کے قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی نہ تھی اور پاکیزہ معاشرت و مسرت افزا تمدن کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لئے قرآن حکیم دنیا میں آیا اور حیرت انگیز طور پر اس نے وہ انقلاب برپا کیا جسے دیکھ کر پوری دنیائے انسانیت حیران و ششدر ہے۔

آیئے ہم قرآن کی انقلابی تعلیمات کا جائزہ لیں۔ آج دنیا میں آزادی کی پکار ہے، ہر قوم اور ہر فرد آزادی چاہتا ہے اور جگہ جگہ غلامی و آزادی کی جنگ برپا ہے۔ مگر کوئی یہ نہیں جانتا کہ انسانوں میں آزادی کی تڑپ اور حریت کی لگن کہاں سے آئی؟ دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی مذہبی کتاب صحیح معنوں میں آزادی کی حامی اور علمبردار نہیں ہے۔ اگر کسی قوم میں آزادی کا ولولہ ہے تو یہ فطری تقاضے اور غلامی کے تلخ تجربات کی وجہ سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قوموں میں آزادی کی لگن اور غلامی سے بیزاری تو ہے لیکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلامی و آزادی کا صحیح مفہوم و تعریف ان کے ذہنوں میں نہیں ہے۔

زیادہ سے زیادہ لوگوں کے نزدیک آزادی یہ ہے کہ وہ اجنبی اور غیر ملکی قوموں کے تسلط واقتدار سے نجات حاصل کر کے ملکی قانون سازوں اور حکمرانوں کے جوئے کے نیچے اپنی گردنیں رکھ دیں اور غیر ملکیوں کو ہٹا کر اپنوں کو اپنے اوپر مسلط کرلیں۔

ظاہر ہے کہ یہ آزادی نہیں ایک طرح کی غلامی ہی ہے۔

دنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے اور قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس نے انسانوں کو حقیقی آزادی اور غلامی کے فرق سے روشناس کرایا ہے۔

اس نے آزادی کے حصول کو فریضۂ حیات اور غلامی سے نفرت و بیزاری کی انسانیت کا جوہر قرار دیا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کے سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ''اور اللہ کا نبی قرآن لیکر اسلئے دنیا میں آیا ہے کہ انسانوں کو خلاف فطرت بوجھوں، مشقتوں اور غلامیوں سے آزاد کردے۔''

اس آیت کریمہ میں غلامی کی تعبیر اصر اور غل سے کی گئی ہے۔

یعنی غلامی، چاہے وہ سیاسی غلامی ہو یا مذہبی غلامی، چاہے روحانی غلامی ہو یا جسمانی غلامی۔ قرآن ہر طرح کی غلامی کو ختم کر کے انسان کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔

سیاسی رنگ میں بادشاہوں، حکمرانوں اور قانون سازوں، مذہبی رنگ میں پیروں، پادریوں، پنڈتوں اور اقتصادی رنگ میں سودخوار مہاجنوں، مکار دولت مندوں اور عیاش امیروں کی غلامی کو پیغام فنا دیتا ہے۔

وہ کسی بھی رنگ میں کسی کی غلامی گوارا نہیں کرتا۔ وہ کھلے عام دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ ''اے انسانو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بھی پیدا کیا۔''

یعنی انسان، انسانوں کی غلامی کے لئے نہیں بلکہ اپنے رب کی غلامی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ الغرض قرآن، ولیوں، عالموں، درویشوں، بادشاہوں، حاکموں، امیروں اور مہاجنوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی غلامی کا روادار نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تمام انسانوں کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں سے اتار کر صرف اللہ واحد کی غلامی اور عبدیت میں آجاؤ۔

اب یہ انسانوں کی بے عقلی، خود فراموشی اور نادانی ہے کہ وہ مختلف حیلوں، بہانوں، تاویلوں اور مجبوریوں سے اپنے جیسے انسانوں کی غلامی و اطاعت کرتے ہیں۔

قرآن مجید نفس کی غلامی اور رسم و رواج کی پابندی کو بھی مٹانا چاہتا ہے۔

اس کے نزدیک غلامی صرف یہ نہیں کہ ایک قوم یا ایک ملک پر کوئی دوسری قوم یا دوسرا ملک مسلط ہو جائے بلکہ غلامی یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس، اپنے اہل و عیال، اپنے خاندان، اپنی قوم اور اپنی دولت کا غلام بن جائے۔

دنیا کی تمام قوموں نے صرف سیاسی و اقتصادی غلامی کو غلامی سمجھ رکھا ہے مگر قرآن کے نزدیک ہر غیر اللہ کی غلامی انسانیت کی تحقیر اور بدترین غلامی ہے، چاہے وہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن اس آزادی کو آزادی نہیں کہتا جو ہر فرد بشر کو شتر بے مہار بنا دے۔ قرآن کے نازل ہونے سے لوگوں میں عبادت کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

عبادت کا صحیح مفہوم و مدعا لوگوں کے ذہن و دماغ میں نہ تھا۔ جو لوگ اللہ سے محبت کرنے والے تھے وہ بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ مشقتیں برداشت کرتے، نفس کشی اور ریاضتیں کرتے تھے، یہ گوشہ نشین عابد و زاہد، تہذیب و تمدن اور عروج و ارتقاء کی راہ کے پتھر بنے ہوئے تھے۔

قرآن نے اس طرح کی غلط فہمیوں کو مٹایا اور انسان کو عبادت کا صحیح تصور دیا۔

اس نے بتایا کہ عبادت گوشہ نشینی، نفس کشی یا رہبانیت کا نام نہیں ہے بلکہ ضروریاتِ زندگی کا حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔

چنانچہ اس نے کسب معاش کو تمام انسانوں پر فرض کیا اور کاہلی، سستی، آرام طلبی، نکما پن، گداگری، چندہ بازی اور غلط قسم کے مسئلہ تقدیر و توکل پر ایک کاری ضرب لگا دی۔

اس نے انسان کی ضروریات زندگی کو کہیں فَضْلُ اللّٰہ ''اللہ کا فضل'' کہیں مَالُ اللّٰہِ ''اللہ کا مال'' اور کہیں طَیِّبٰت ''پاکیزہ چیزیں'' بتایا ہے۔

اسی تعلیم و ہدایت کی بنیاد پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اسلام کی عملی تصویر تھے، زندگی کی ضروریات کو اللہ کے احکام کے مطابق سچائی، دیانت داری، سرگرمی اور خوش اسلوبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے سرانجام دینے کو عبادت سمجھتے تھے۔

یعنی قرآنی تعلیم کی رو سے ہر وہ کام چاہے وہ دنیا سے متعلق ہو یا دین سے، چاہے وہ سیاسی ہو یا مذہبی، چاہے ذاتی ہو یا قومی، اللہ کے احکام اور اس کی مرضی کے مطابق کیا جائے اسی کا نام عبادت ہے۔اور یہ تمام زندگی پر حاوی ہے۔

قرآن کی تعلیم کے مطابق انسان کا مقصد حیات عبادت ہے۔انسان کسی حال، کسی مقام اور کسی بھی موڑ پر اس کی بندگی سے آزاد نہیں رہ سکتا۔

عبادت اور بندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرے اللہ کے قانون کے مطابق کرے۔دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر، شیطان سے شکست کھا کر اور ماحول سے مرعوب ہو کر حجروں اور خانقاہوں میں بیٹھ رہنا اور اللہ ہی اللہ کرتے رہنا عبادت نہیں ہے۔

بلکہ دنیا کے جھمیلوں اور بکھیڑوں میں پھنس کر قوانین شریعت کی پابندی کرنا بھی عبادت ہے۔

قرآن کے نزدیک ذکر الٰہی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہزار دانہ کی تسبیح لے کر ہر روز اور ہر وقت بس اللہ اللہ کرتا رہے، بلکہ ذکر یہ ہے کہ انسان دنیا کے سمندر میں کود پڑے، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت اور سیاست میں گھسے مگر ان ہنگاموں میں قدم قدم پر اللہ کے حکم کو ملحوظ رکھے۔اس کی نظر مادی ساز و سامان پر نہ ہو بلکہ اللہ پر ہو۔

انسانی حقوق:

دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے جس نے انسانی حقوق کی تفصیل بیان کی ہو۔

یہ استثنا صرف قرآن کو حاصل ہے کہ اس نے اس باب میں ایسی نکتہ سنجی اور فطرت کے ساتھ انسان کی رہنمائی کی ہے جس کی نظیر لانے سے تمام مذاہب قاصر ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن نے سب سے زیادہ اپنی ذات کے حقوق بتائے ہیں اور ان کو ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔

اس نے حکم دیا ہے: وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ''اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔''

اس طرح اس نے خودکشی اور خلاف فطرت نفس کشی کو بالکلیہ طور پر حرام کر دیا ہے۔

اس نے نسل کشی اور قتل اولاد کی بھی سختی سے ممانعت کی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں حکم دیا گیا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَ اِیَّاکُمْ، اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ''اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ دراصل ان کا قتل ایک بہت بڑا جرم ہے۔''

اس نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ عورتوں کو زرخرید لونڈی بنالیا جائے اس کے بجائے اس نے عورتوں کو آزادی اور ہر طرح کے حقوق عطا کیے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔

یہ ناقابل تردید حقیقت تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عرب کے بعض قبائل اپنی بچیوں کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے، جن کا تصور کر کے سخت سے سخت کلیجہ والا انسان بھی تڑپ جانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہی بچیاں جو باعثِ شرم و عار سمجھی جاتی تھیں دختران اسلام کہلائیں اور قرآن نے ان کا مقام اتنا بلند کردیا کہ اعلان کیا گیا:

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ''اور عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر وہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔''

قرآن مجید کی سورۂ روم میں ارشاد ہوا:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مُّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً. ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے خود تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس آرام پاؤ اور تم دونوں میں پیار و محبت پیدا کیا۔''

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ''عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا۔''

دورِ جاہلیت میں عورتیں میراث سے بالکلیہ طور پر محروم رکھی جاتی تھیں لیکن قرآن نے انہیں ان کا حق دلایا۔

چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ. ''اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار نے چھوڑا ہو۔''

اسی طرح ازدواجی زندگی کے فوائد و مقاصد، حدود و قیود اور احکام و ہدایات کو قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے مختلف پیراؤں میں تلقین فرما کر معاشرتی زندگی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

والدین کی خدمت و اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایات و تاکید میں تو قرآن نے کمال کر دیا ہے۔

چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

''تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام سے بات کرو، اور نرمی اور شفقت کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

قرآن حکیم نے بہن بھائی کو ایک حیثیت دی ہے اور چچا اور پھوپھی کا بھی ایک حق رکھا ہے۔ اس کے بعد تمام رشتہ داروں کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔

اور پڑوسیوں کو تو رشتہ داروں سے بھی زیادہ حقوق دیئے ہیں۔

پھر عام جماعت انسانی کے ساتھ نیکوکاری، خوش خلقی، انصاف، رحم دلی اور فیاضی کے ساتھ پیش آنے کے لئے نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔

قرآن کے قوانین وراثت تمام تر اصول عقلیہ پر مبنی ہیں۔

قرآن کے قانون کے مطابق میت کے تمام رشتہ دار درجہ بدرجہ وراثت سے فائدہ اُٹھانے کے حقدار ہیں۔ اور دولت کی مقدار زیادہ سے زیادہ افراد میں تقسیم ہو کر پھلتی پھولتی اور آپستی محبت و الفت کا باعث بنتی ہے۔

الغرض قرآن نے عقائد، جذبات و احساسات، عبادات و اخلاق اور معاشرہ کے متعلق جو اصول و مسائل تلقین فرمائے ہیں وہ اس قدر عقلی، فطری، کامل، حسین اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ دنیا کے کسی فلاسفر، حکیم اور مقنن کے خیال ہی میں نہیں آ سکتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن نے جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی ہے وہیں اپنے ایمان لانے والوں کو دعوت کا صحیح طریقہ بھی بتا دیا ہے۔

اس نے غیر مسلموں کو دین کی دعوت کا حکم دیا ہے۔ مگر مذہب کے معاملے میں انھیں زبردستی کرنے سے منع کیا ہے۔ کیوں کہ مذہب کے قبول کرنے کا تعلق دل سے ہے اور دل کو عمدہ اخلاق اور بہترین نصیحت سے بدلا جا سکتا ہے، زبردستی نہیں۔

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے: لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔''

بلکہ اس نے رواداری اور مذہبی آزادی کی اس حد تک تعلیم دی ہے کہ دورانِ جنگ بھی اگر دشمن قوم کا کوئی فرد تمہارے قابو میں آ جائے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ ''اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آ کر پناہ لے تو اسے پناہ دو تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے۔ اس کے بعد اپنی حفاظت میں اس کو اس کی جگہ پہنچا دو۔''

اس نے غیر مسلموں کو دین کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے مگر حکمت کے ساتھ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. ''لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے طریقہ پر بلاؤ اور ان سے احسن طریقے سے مباحثہ کرو۔''

یعنی یہ نہ ہو کہ تم مخالف کی دیکھا دیکھی آپے سے باہر ہو جاؤ۔ تم پر طیش کا غلبہ ہو جائے اور سخت کلامی پر اتر آؤ، اور ان کے مذہب اور پیشوانِ دین کی توہین و تذلیل کرنے لگو۔

اس سلسلے میں تو یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ مذہب اور پیشوانِ دین تو الگ رہے پتھر کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہو۔ اس لئے کہ ان کے پوجنے والے اپنی بے علمی اور ناسمجھی سے تمہارے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

اگر کسی کی گمراہی اور ضلالت بیان کرنی ہو تو بغیر جوش میں آئے اس کی قباحت بیان کرو اور اسلام کی صداقت اور اس کی خوبیوں کو واضح کر دو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ ''جو لوگ اللہ کے سوا جن دوسری چیزوں یا دوسرے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں انھیں برا مت کہو ورنہ یہ لوگ نادانی میں اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔''

قرآن نے اپنے ماننے والوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معاملے میں عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔''

قرآن نے غیر مسلموں کی پرستش گاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا ہے۔

مذہبی جنون اور تعصب کے ہاتھوں صرف دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی جانوں ہی کو خطرہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی عبادت گاہیں بھی خطرے میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک قوم کے ہاتھوں دوسری قوم کی عبادت گاہوں کو ویران اور برباد کردینے کی داستانیں بھی اقوامِ عالم کی تاریخ میں موجود ہیں۔

جیسے خود ہمارے ملک ہندوستان میں انتہا پسند ہندو جماعتوں نے اجودھیا کی ایک قدیم مسجد کو توڑ کر اسے مندر میں تبدیل کردیا ہے۔

قرآن نے مسلمانوں پر اس بات کو فرض کردیا ہے اگر وہ صاحبِ قوت واقتدار ہوں اور کوئی قوم دوسری قوم کی عبادتگاہ کو منہدم کردینے پر آمادہ ہو تو اس کی حفاظت کریں۔

سورۂ حج میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ''اگر اللہ تعالیٰ بعض انسانوں (کی قوت) کے ذریعے دوسرے انسانوں (کی سرکشی) کی روک تھام نہ کرے تو خلوت خانے، گرجے اور عبادت گاہیں سب منہدم ہوجائیں اور وہ مسجدیں بھی جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جامعیت:

قرآن ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں تمام علوم وفنون، رموز ونکات اور حقائق کے علاوہ ان تمام شکوک وشبہات کی تسکین کا سامان بھی موجود ہے جو انسانی دل ودماغ میں کسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن خود ہی بتاتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ کس زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ وہ کس پر اور کب نازل ہوا ہے؟ اس سے کس طرح ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے؟ کن لوگوں کے لئے وہ برکات وحسنات کا موجب ہے؟ اس کو کس طرح پڑھنا چاہئے؟ اس پر غور وفکر کی کس حد تک ضرورت ہے؟ اور اس کی تعلیمات کیا کیا ہیں؟

دنیا میں قرآن اور صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے لیے نہ تمہید اور دیباچہ کی ضرورت ہے اور نہ یہ بتانے کی کہ اس میں کیا ہے؟ اور اسے کس طرح پڑھنا چاہئے۔

یہ ہر چیز کے علاوہ اپنی ماہیت پر خود ہی روشنی ڈالتا ہے اور اپنے اوامر واحکام کا فلسفہ خود ہی بتاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن ایک برہان اور نور مبین ہے۔ یہ وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے ہر شخص ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُم بُرْهَـٰنٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا. ''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیل آچکی اور ہم نے تم پر ایک جگمگاتا نور بھیجا۔''

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ تمام بنی نوع پر احسان جتا رہا ہے کہ تمہارے رب نے ایک برہان پیش کی جس سے تم ضلالت وگمراہی کی گھاٹیوں سے بچ کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہو۔

پھر سورۂ شعراء میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ. ''درحقیقت یہ قرآن اس نے نازل کیا ہے جو تمام جہانوں کا کفیل اور پرورش کرنے والا ہے۔''

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا: ذَٰلِكَ ٱلْكِتَـٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ. ''یہ وہ کتاب ہے جس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔"

دنیا میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں اور ہر موضوع اور عنوان پر کتابیں پائی جاتی ہیں۔ان میں سے بہت سی کتابیں ہیں جو واقعی بے مثل کہی جاتی ہیں مگر بے مثل کہا جانا اور بات ہے اور بے مثل ہونا اور بات ہے۔

دنیا میں سب سے پہلے قرآن نے اپنے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور دھڑلے سے کیا ہے کہ آج تک کوئی جواب نہیں دے سکا اور نہ قیامت تک دے سکے گا۔

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ. "اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کی مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ اور اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو مہیا کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے۔"

یہ دعویٰ کن کے مقابلے میں کیا گیا؟ یہ چیلنج کسے دیا گیا؟

ان عربوں کو جو اپنے سوا پوری دنیا کو گنگ سمجھتے تھے، اور جنہیں اپنی زبان دانی پر اتنا ناز تھا کہ دوسری قوموں کو عجمی کہا کرتے تھے۔

عرب میں تعلیم نہ تھی، علم نہ تھا، لیکن زبان کی صحت اور فصاحت و بلاغت میں انہیں وہ ملکہ تھا جس کی نظیر پوری دنیا میں ایک بھی نہیں مل سکتی۔

جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اس وقت ضد کی وجہ سے عربوں نے اسے کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود بنا لیا ہے، اگر یہ آسمانی کتاب ہوتی تو یہ مکہ اور طائف کے رؤسا پر نازل ہوتی۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت کے نازل ہونے پر عربوں میں کھلبلی مچ گئی، بھلا وہ اسے ٹھنڈے دل سے کیسے گوارا کر سکتے تھے؟ انہوں نے بہت کوششیں کیں، بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ نہ کر سکے، قرآنی فصاحت و بلاغت نے انہیں مسحور کر لیا تھا۔

اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جو قصائد یا اشعار بے مثل کہے جاتے تھے وہ خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ کچھ اشعار اصلاح کے لئے درِ کعبہ پر آویزاں کر دیے جاتے تھے اور مانے ہوئے شعراء ان کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

ایک مسلمان نے ایک روز قرآن کریم کی سب سے مختصر سورۃ سورۂ کوثر کو اس جگہ آویزاں کر دیا۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ.

صبح کو ایک مشرک استاد آیا جسے قرآنی فصاحت و بلاغت اور زبان کی صحت اور اس کے برتر ادب کا اعتراف تھا مگر جوشِ معاندت میں وہ اس کا اقرار نہ کرتا تھا۔ لیکن عربی غیرت نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اسے ہاتھ نہ لگائے اور اپنا عجز تسلیم کر لے۔

صرف تین آیات کی اصلاح میں اس نے بڑا وقت صرف کیا، بڑی محنت اور دماغ سوزی سے کام لیا۔ ایک لفظ کاٹ کر اس کی جگہ دوسرا لفظ لکھتا پھر اسے کاٹ دیتا۔ مگر کاٹنے کے بعد محسوس کرتا کہ کلام معیار سے گرا جا رہا ہے۔ مجبوراً وہ اس کے نیچے لکھ کر چلا گیا:

مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ "یہ انسانی کلام نہیں ہے۔"

قرآن نے اس سلسلے میں دوسرا چیلنج کیا جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا. "یہ کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

سورۂ یونس میں یوں فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ "کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خود اسے تصنیف کر لیا ہے؟ کہو اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو بلا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتے ہو مدد کے لئے بلالو۔"

سورۂ ہود میں بیان ہوا:

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ "کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی دس سورتیں تم بنالاؤ اور اللہ کے سوا جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلالو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔"

سورۂ طور میں ارشاد ہوا:

اَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ. فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ.

"کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو از خود بنالیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ خود ماننے والے نہیں ہیں۔ پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام لے آویں۔"

اس طرح کے چیلنج کے جواب میں کفار و مشرکین کے پاس ایذا رسانی، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا تھا؟ ان پر قرآنی فصاحت و بلاغت نقش ہو گئی تھی۔ وہ اپنا عجز تسلیم کر چکے تھے اور اب اس پہلو پر اعتراض کرنے کا یارا ان کے اندر باقی نہ رہا تھا جنہیں اللہ نے توفیق دی وہ تو ایمان لے آئے اور باقی کفر پر قائم رہے۔

پھر اُس زمانے پر کچھ منحصر نہیں۔ ساڑھے چودہ سو برس سے یہ چیلنج دنیا کے سامنے موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ، اہل ہنود اور تمام مشرکین میں سے آج تک کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جو اس چیلنج کو قبول کرتا۔

اگر قرآن کریم انسانی کلام ہوتا اور اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مصنف ہوتے تو اول تو وہ خود ہی ایسی حالت میں کہ اس وقت عرب بڑے بڑے مایہ ناز ادیبوں، شاعروں اور فصیحوں سے بھرا ہوا تھا، اس بات کے دعویٰ کی جرأت نہ کر سکتے۔ اور اگر کرتے تو ظاہر ہے عرب قوم فوراً اس کا جواب دیدیتی۔

حفاظت:

قرآن مجید سے پہلے بھی بہت سی آسمانی کتابیں مختلف انبیاء پر نازل کی جا چکی تھیں ان میں سے مشہور کتابوں کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ جیسے توریت، زبور و انجیل وغیرہ۔ لیکن ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کوئی بھی آسمانی کتاب اب اپنی اصلی حالت میں موجود اور محفوظ نہیں ہے۔

زبور تو صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہے اب اس کا وجود ہی باقی نہیں ہے۔ اس وقت جو توریت موجود ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تین سو برس کے بعد لکھی گئی تھی۔ جس سے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ یہ خدائی کلام ہے یا انسانی کلام؟

جہاں تک انجیل کا سوال ہے، اس میں اس قدر ترمیم و تحریف کردی گئی کہ پوری کتاب گڈمڈ ہوگئی ہے۔

ایک مثال:

دہلی میں ایک تاریخی قلعہ ہے جو لال قلعہ کے نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ یہ قلعہ شاہجہاں بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے۔

اس میں ایک مخصوص عمارت ہے جو دیوانِ خاص کے نام سے مشہور ہے۔ اس عمارت کی دیواریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں اور ان میں کہیں کالے رنگ اور کہیں سرخ رنگ کے کچھ بیل بوٹے اور پھول پتیاں بنی ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ آج جہاں نقش و نگار بنے ہیں ان میں پہلے ہیرے جواہرات لگے تھے۔ لیکن انگریزوں نے جب ہندوستان پر پورے طور پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے ان دیواروں سے تمام ہیرے جواہرات نکال لیے اور ان کی جگہ پر کالا اور سرخ رنگ بھر دیا۔

اب ان دیواروں کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں معلوم کرسکتا کہ اس میں کہاں ہیرا لگا تھا اور کہاں سونا؟

جس طرح انگریزوں نے لال قلعہ کی دیواروں کو بگاڑا اسی طرح عیسائیوں نے انجیل میں ایسی ترمیم و تحریف کی کہ پوری گڈمڈ ہوگئی۔

لیکن قرآن مجید جسے نازل ہوئے چودہ سو برس سے زیادہ کا عرصہ گذر رہا ہے، بلا کسی ترمیم و تحریف کے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

اس چودہ سو سال میں مسلمان مختلف قسم کے حادثات سے دوچار ہوئے۔

ساتویں صدی ہجری میں مسلم دنیا تاتاریوں کی زبردست یلغار کا شکار ہوئی۔ تاتاریوں کی یہ یلغار اس قدر تباہ کن تھی کہ اس نے پورے عالمِ اسلام کو زیر و زبر کر ڈالا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکستان، خراسان، اصفہان، آذربائیجان، افغانستان، شام اور عراق وغیرہ جتنے مسلم ممالک تھے سب کولوٹ مار اور قتل وغارت گری کا قبرستان بنا دیا۔

یہ تاتاری شکاریوں کی طرح مسلم ممالک پر ٹوٹ پڑے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ایک دور ایسا بھی آیا کہ اندلس میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام کیا گیا کہ ان کی لاشوں سے تالاب اور گڈھے پٹ گئے۔ لیکن ان تمام حادثات کے باوجود قرآن محفوظ رہا اور اس لیے محفوظ رہا، اس لیے محفوظ ہے اور اس لیے محفوظ رہے گا کہ اللہ کا وعدہ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. ''بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

آج بھی دنیا میں متعدد آسمانی اور الہامی کتابیں موجود ہیں اور ان کے ماننے والے بھی کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

قرآن کریم ان کتابوں کی تنقیص نہیں کرتا اور نہ انھیں مفروضہ بتاتا ہے بلکہ وہ تمام مذاہب اور ان کی مقدس کتابوں کی عزت کرتا ہے اور انہیں برا کہنے سے منع کرتا ہے۔ البتہ یہ ضرور بتاتا ہے کہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔

توراۃ، زبور اور انجیل کو وہ خود ''نور ہدایت'' سے موسوم کرتا ہے۔

قرآن کے سوا تمام آسمانی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جو دنیا کے کسی ایک گوشے، ایک لائبریری اور ایک ملک میں اپنی اصلی حالت اور صورت میں اور اپنی اصلی زبان میں مل سکے۔ جتنی کچھ ہیں سب ترجمے ہیں۔ ترجمے ہی باقی رہ گئے اور اصلی کتابیں دنیا سے ناپید ہو گئیں۔

قرآن کریم میں آسمانی کتابوں میں تحریف کے متعلق واضح طور پر بتایا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ. ''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اسکے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت ہے۔

سورۂ مائدہ میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ''یہ لوگ موقع بہ موقع آسمانی کتابوں کے الفاظ بدل دیتے ہیں۔''

ہندوستان میں ہندوؤں کے چار وید، رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید کو لے لیجئے۔ کیا ہندوؤں کے کوئی پنڈت جی حتمی طور پر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس بزرگ پر نازل ہوئی تھیں؟

اتھر وید کے متعلق اکثر ہندو عالموں کا کہنا ہے کہ یہ کسی برہمن کی مرتب کی ہوئی ہے جو بعد میں ویدوں میں شامل کر لی گئی تھی۔

جوگ بشت میں لکھا ہے کہ صرف اتھر وید کے وید ہونے کے متعلق بحث و شبہ نہیں ہے بلکہ تمام ویدوں کا یہی حال ہے۔

پھر تمام ویدوں میں شرک ہی شرک بھرا ہے اور توحید کا عنصر بہت ہی کم ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جا بجا قمار بازی اور انسان کے جنسی جذبات کا انتہائی فحش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اور بعض جگہ تو اس درجہ عریانی نظر آتی ہے کہ تہذیب و حیا کی آنکھیں ہی بند ہو جاتی ہیں۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ ایسی کتابوں کو جن کی کوئی سند نہیں ہے، کس طرح الہامی کتاب کا درجہ دے دیا گیا ہے؟

بائبل اور اناجیل میں اور تو اور خود انبیاء کے متعلق لغو اور فحش اشارے اور الزامات ملتے ہیں، جسے پڑھ کر حساس شخص کو افسوس ہوتا ہے اور شرم سے گردن جھک جاتی ہے۔

انتہا یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور عابد نبی کے متعلق اس میں لکھا ہے کہ وہ شرک کرتے تھے اور آخر تک اسی شرک میں مبتلا رہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں ان کی بیویوں نے شراب پلائی اور ان سے حمل لیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے بیان میں لکھا ہے کہ انہوں نے گئو سالہ پرستی کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک جرنیل کو ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہم پر بھیج کر قتل کرادیا، اور اس کی مہ جمال بیوی سے خود شادی کرلی جسے وہ حوض پر نہاتے دیکھ کر عاشق ہو گئے تھے۔

متعدد انبیاء کے متعلق جھوٹ اور فریب سے کام لینے کے متعلق لکھا ہے۔

بھلا کسی الہامی کتاب میں مقربین بارگاہ ربانی کے متعلق ایسے الفاظ ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ دنیا جانتی ہے کہ انبیاء کرامؑ کی ذات اس قسم کی لغویات اور خرافات سے یکسر پاک رہی ہے اور ان کے متعلق اس قسم کا تصور بھی گناہ ہے۔

اب اس کے مقابلے میں قرآن کریم پر ایک نظر ڈالیے کہ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اپنی حقیقی صورت میں اب تک موجود ہے۔ اور قیامت تک موجود رہے گا۔

جس زبان میں قرآن نازل ہوا اسی زبان میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے اور اس کی پوری تاریخ بالکلیہ طور پر محفوظ ہے۔

کسی کو اگر قرآن کے پورے طور پر محفوظ رہنے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ ہو تو وہ اپنا شک اس طرح دور کر سکتا ہے کہ انڈونیشیا کی کسی دوکان سے قرآن کا ایک نسخہ خرید لائے اور نائیجیریا کے کسی حافظ قرآن سے زبانی قرآن سن کر اس کا مقابلہ کرے۔

اور پھر دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں نزول قرآن کے وقت سے لے کر مختلف صدیوں میں لکھے ہوئے جو مصاحف رکھے ہوئے ہیں ان سے اس کا تقابل کرے۔ لیکن وہ کسی شوشے یا حرف کا فرق نہیں پائے گا۔

کوئی منکر اس بات میں تو شک کر سکتا ہے کہ قرآن خدائی کلام نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ بغیر کمی بیشی کے ٹھیک وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ تو ایک زندہ تاریخی حقیقت ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

قرآن کا یہ ایسا وصف ہے۔ جس کا معاندین نے اعتراف کیا ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں لکھا ہے:

''محمدؐ کی وفات کے ربع صدی کے بعد ہی ایسے مناقشات اور فرقہ بندیاں ہو گئیں۔ جس کے نتیجے میں عثمانؓ قتل کردیے گئے اور یہ اختلاف آج بھی باقی ہیں۔ مگر ان سب فرقوں کا قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی ہے۔ ہر زمانے میں یکساں طور پر سب فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا، اس بات کا نا قابلِ تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی مصحف ہے جو اس بد قسمت خلیفہ (عثمانؓ) کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔ شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی ہو۔"

انسائیکلو پیڈیا برنا ٹیکا میں لکھا ہے:

"قرآن بالکل مستند شکل میں محفوظ ہے۔ حضرت محمدؐ نے جو الفاظ بطورِ الہام اپنی زبان سے نکالے تھے، قرآن عین ان ہی الفاظ پر مشتمل ہے جو آپ کی زندگی ہی میں مرتب کر لیا گیا تھا۔ مقدس کتابوں کی تاریخ میں یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ ہرن کی کھال پر لکھا ہوا وہ قرآن آج بھی تاشقند کی لائبریری میں محفوظ ہے جو پیغمبرؐ اسلام کے داماد اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے زیر مطالعہ رہا کرتا تھا۔ قرآن کے ابتدائی نسخہ اور موجودہ نسخوں میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو کتابیں ایک وقت اور ایک زمانہ میں وقتی ضروریات کیلئے نازل ہوئی تھیں وہ ضرورت پوری ہو جانے اور حالات کے بدل جانے کے بعد دنیا سے معدوم ہو گئیں۔ اور جو کتاب قیامت تک کے لیے ضروریاتِ انسانی کی تکمیل و ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھی وہ موجود ہے اور قیامت تک محفوظ حالت میں موجود رہے گی۔

صداقت:

قرآن مجید خود اپنی صداقت اور اپنے مستند ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ. "تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالاں کہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔"

قرآن کی صداقت کا انکار، سب سے بڑی حقیقت کا انکار ہے۔ اس دنیا میں رونما

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے والے حادثات اور حالات بھی قرآن کی صداقت کا ثبوت ہیں۔

مثلاً سورہ یونس میں فرعون کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ. ''پس آج ہم تیرے جسم کو بچالیں گے تا کہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے ایک نشان رہے۔ اور بہت سے لوگ ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو بعد کی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا تھا۔

۱۸۹۸ء کی بات ہے کہ مغرب کے ماہرین آثار قدیمہ نے فرعون کی لاش کو ایک بہت پرانے مصری شہر تھیبس سے کھدائی کر کے نکالا تھا۔

ماہرین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سابقہ مصر کے دو فرعونوں سے ہوا تھا۔ ایک وہ تھا جس کے زمانے میں آپ پیدا ہوئے تھے اور جس کے محل میں آپ کی پرورش ہوئی تھی۔ اس کا نام ریمسس دوم تھا۔

لیکن جو فرعون دریائے نیل میں غرق کیا گیا تھا وہ اس کا بیٹا تھا جس کا مرنفتاح بتایا گیا ہے۔ اس کا زمانہ تیرھویں صدی قبل مسیح ہے۔

دونوں فرعونوں کی ممی کی ہوئی لاشیں اب قاہرہ کے عجائب خانے میں عام زیارت کے لیے موجود ہیں۔

سائنسی جانچ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مرنفتاح وہی فرعون ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پانی میں ڈوب کر مرا تھا۔

بائبل کا بیان ہے کہ فرعون ڈوب کر ختم ہو گیا۔ وہ اس کی لاش کی موجودگی کا کوئی اشارہ نہیں کرتی۔ اور تاریخ بھی اس بارے میں پورے طور پر خاموش ہے۔

قرآن کے نازل ہونے کے وقت اور اس کے بعد ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک انسان کو فرعون کی لاش کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مگر قرآن کی صداقت کی یہ کیسی عجیب شہادت ہے کہ موجودہ زمانے میں حیرت انگیز طور پر اس کی لاش محفوظ حالت میں دریافت کی گئی۔

ڈاکٹر موریس نے لکھا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جو لوگ مقدس کتابوں کی سچائی کے لیے جدید ثبوت مانگتے ہیں وہ قرآن کی اس آیت کو پڑھیں اور اس کے بعد قاہرہ کے میوزیم میں شاہی ممیوں کے کمرہ کو دیکھیں تو وہ اس کی نہایت شاندار تصدیق پالیں گے۔''

قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں جنت اور دوزخ کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ. ''اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا، کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ وہ کہیں گے ہاں، پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔''

ان آیات کے متعلق قدیم زمانے کے کچھ لوگوں نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ جنت اور جہنم تو ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور واقع ہوں گی، جنت آسمانوں کے اوپر ہوگی اور دوزخ سب سے نیچے تحت الثریٰ میں۔ پھر جنت والوں کی آواز جہنم والوں تک کس طرح پہنچ سکے گی؟

مگر اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دور میں یہ سوال کوئی سوال نہیں رہا۔ آج انسان یہ جان چکا ہے کہ دور کے فاصلوں سے کسی آدمی کو دیکھنا بھی ممکن ہے اور اس کی آواز کو سننا بھی۔

جو بات قدیم انسان کو ناقابلِ فہم نظر آتی تھی وہ آج کے انسان کے لیے خود اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں پوری طرح قابلِ فہم ہو چکی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی کوئی بات اگر آج کی معلومات کی روشنی میں سمجھ میں نہ آرہی ہو تو اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگانا چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ علم کے اضافہ کے بعد کل وہ چیز ایک جانی پہچانی چیز بن جائے، جو آج بظاہر انجان چیز کی طرح دکھائی دے رہی ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے:

كَلَامُ الْمَلِكِ مَلِكُ الْكَلَامِ ''بادشاہ کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے تو پھر اس کا کلام کیسا ہوگا؟

چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے، اسی طرح اس کا کلام بھی تمام کلاموں میں منفرد اور بے مثال ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف فصاحت و بلاغت ہی میں نہیں بلکہ اپنے پر کشش انداز بیان میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ آپس میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ.

''اور کافروں کا کہنا تھا کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو (اور جب وہ پڑھا جائے) اور شور مچاؤ تا کہ تم غالب رہو۔''

یعنی اگر تم قرآن سنو گے تو خطرہ ہے کہ وہ تمہارے کانوں کے راستے سے تمہارے دل میں اتر جائے گا۔

قرآن کی حیرت انگیز تاثیر سے جنوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایمان لائی تھی جس کا بیان سورۂ جن میں یوں ہوا ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْآ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا. يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ''اے نبی! کہہ دو کہ مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں میں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو سچا راستہ بتاتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔'' یہ واقعہ بطن نخلہ کا ہے۔

یہ قرآن کی حیرت انگیز تاثیر تھی جس کی وجہ سے نجاشی کے بادشاہ کو ایمان کی توفیق مل گئی۔

مکی زندگی میں جب ایمان والوں پر دشمنانان اسلام کے ظلم و ستم کی انتہا ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمندر پار ایک ملک حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ لیکن مشرکین نے انہیں وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔

انہوں نے اپنے قاصد وہاں بھیجے اور انہوں نے وہاں کے بادشاہ نجاشی سے کہا:

''ہمارے چہر کے کچھ نادانوں نے آبائی دین چھوڑ کر نیا مذہب نکال لیا ہے وہ یہاں آئے ہیں لہٰذا آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجیے۔''

نجاشی نے کہا کہ ہم ان کی اور تمہاری باتیں سننے کے بعد ہی کچھ فیصلہ کریں گے۔

اس نے مسلمانوں سے پوچھا: ''تم نے کون سا نیا دین اختیار کیا ہے؟''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس طرح تقریر شروع کی:

''اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے اور بھائیوں پر ظلم کرتے تھے، اسی اثنا میں ہم میں سے ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام محمدؐ ہے، پورا عرب اس کی شرافت، امانت داری اور دیانت داری کا لوہا مانتا ہے، اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور صلح پرستی کا پیغام دیا اور بتایا: لوگو! بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کے پرستار بنو، کسی پر ظلم نہ کرو، سچ بولو، جھوٹ نہ بولو، پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں، کمزوروں اور مسافروں کو نہ ستاؤ، نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، ہم اس پر ایمان لائے۔ یہی ہمارا جرم ہے جس پر ہماری قوم دشمن ہوگئی اور ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم پھر شرک وکفر کی طرف پلٹ آئیں۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی ان باتوں نے نجاشی کو بہت متاثر کیا، اس نے کہا کہ جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اسے کہیں سے سناؤ۔

چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں۔

پھر کیا تھا، نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے کہا: ''خدا کی قسم قرآن اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں''

پھر اس نے مکہ والوں سے کہا کہ تم واپس جاؤ میں ان مظلوم مسلمانوں کو قطعاً واپس نہیں کروں گا۔

عتبہ مشرکین مکہ کا ایک نمایاں شخص تھا جس کی جادو بیانی مشہور تھی۔ لیکن قرآن نے اسے اس طرح متاثر کیا کہ اس کی زبان خاموش ہوگئی۔

دشمنانِ اسلام جب اسلام کے سیلاب کو روکنے میں ناکام رہے تو انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مال و دولت وغیرہ کی لالچ دے کر اپنے مشن سے ہٹا دیا جائے۔

پھر انہوں نے عتبہ کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ ان کے سامنے کچھ تجویزیں رکھے۔

چنانچہ اس نے آپؐ سے کہا: ''محمد! تم کیا چاہتے ہو، مکہ کی حکومت، کسی بڑے خاندان کی عورت سے شادی یا مال و دولت؟ ہم یہ سب کچھ دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم اپنے دین کی تبلیغ سے باز آجاؤ۔''

جب اس کی بات پوری ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی سورہ حٰم سجدہ کی یہ آیت تلاوت کی:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ. ''کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہے پس تم اس کی طرف سیدھے ہو کر چلو، اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔''

عتبہ نے جب اسے سنا تو اس کی حالت بدل گئی اور مشرکین کے پاس آ کر کہنے لگا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں نہ وہ شاعری ہے نہ ہی کسی انسان کا بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔''

کفار نے عتبہ کی بات کاٹ دی اور کہا: ''تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو چل گیا ہے جو ایسی باتیں کرتے ہو۔''

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کا اثر ان لوگوں پر بھی ہوتا تھا جنہوں نے اسلام کا انکار کیا۔

بیہقی اور حاکم کی روایتوں میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم پاک میں قرآن کی سورہ حٰم السجدۃ کی کچھ آیتیں سنیں، تو اس کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گیا اور اپنی قوم کی مجلس میں کہنے لگا:

''خدا کی قسم، میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے جس میں بڑی مٹھاس ہے، نہ وہ انسان کا کلام ہے نہ جن کا۔ اس میں بڑی خوبی اور تازگی ہے۔ اس کے اوپر پھل اور میوے ہیں، وہ سب پر غالب ہوتا ہے اس پر کوئی چیز غالب نہیں ہوتی۔''

اس بات کو سن کر قریش میں ہلچل مچ گئی، کہنے لگے:

''آج ولید بھی اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا، اور اب خطرہ ہے کہ اس کے پھرنے سے بہت سے لوگ پھر جائیں گے۔''

ثمامہ بن اثال کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ برا کوئی شخص نہیں تھا اور مدینہ سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ لیکن جب انہیں دو دن تک قرآنی آیات کے سننے کا موقع ملا تو ان کا دل پگھل گیا۔ رشد و ہدایت کی آواز ان کے کانوں سے ہو کر ان کے دل میں اتر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی۔ پھر وہ خود بخود حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

خالد بن عقبہ نے جب قرآن سنا تو حیران رہ گئے اور بے ساختہ بول پڑے: ''خدا کی قسم اس کلام میں عجیب شیرینی ہے، اس میں عجیب تروتازگی ہے، اس کی جڑیں سیراب ہیں اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔''

یہ قرآن کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ عمرؓ ابن خطاب جیسا شخص کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام کا سچا سپاہی بن گیا۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ انتہائی حیرت انگیز اور دلچسپ ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ایک بار انہوں نے حرم کعبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس وقت آپؐ سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ وہ ان آیات کو غور سے سننے لگے اور ان کی فصاحت و بلاغت نے انہیں حیرت زدہ کر دیا۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ لیکن اتنے میں آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ. وَّمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ. ''یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔''

وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا، ارے یہ تو کاہن ہے۔ لیکن اتنے میں آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ. تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ. ''یہ کسی کاہن کا بھی قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اسی وقت سے میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔

لیکن ان کے باقاعدہ اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح سے ہے۔ نبوت کے چھٹے سال جب ابھی تک اسلام کی کوئی تاریخ نہیں بنی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مشرکین ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر بوکھلا گئے۔

انہوں نے دار الندوۃ میں بیٹھ کر طے کیا کہ اسلام کا سیلاب اب رک نہیں سکتا، اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روکنے کی صرف ایک صورت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس کام کا بیڑا اٹھانے والے کے لیے سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا گیا۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے تلوار لے کر نکل پڑے۔

راستے میں نعیمؓ بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے تیور دیکھ کر پوچھا: ''عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟''

انہوں نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔''

انہوں نے کہا: ''عمرؓ! کیا میں تمہیں ایک عجیب بات نہ بتا دوں؟ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعیدؓ بھی تمہارا دین چھوڑ کر دینِ محمدیؐ اختیار کر چکے ہیں۔''

یہ سن کر عمرؓ غصے سے بے قابو ہوگئے اور سیدھے بہن کے گھر کا رخ کیا۔

وہاں حضرت خبابؓ بن ارت انہیں قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور وہ قرآن سکھانے کے لیے برابر وہاں جایا کرتے تھے۔

جب حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کی آہٹ سنی تو گھر میں چھپ گئے۔

جب حضرت عمرؓ گھر میں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیسی آواز تھی جو میں نے سنی ہے؟

انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں، ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے تم دونوں بے دین ہوگئے ہو؟''

حضرت سعیدؓ نے کہا: ''عمر! یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟''

اتنا سننا تھا کہ شدید غصے سے مغلوب ہو کر بہنوئی پر ٹوٹ پڑے اور انہیں انتہائی بے دردی کے ساتھ مارا۔

جب ان کی بہن اپنے شوہر کو ان سے الگ کرنے لگیں تو بہن کو بھی مارا اور اتنا مارا کہ چہرہ لہولہان ہوگیا۔

فاطمہؓ جب زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑیں تو انہوں نے حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

''اے عمر! سن لو ہم مسلمان ہوگئے ہیں، جو کرنا چاہو کر لو مگر اسلام اب ہمارے دل سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں نکل سکتا۔"

بہن کی زبان سے یہ استقامت بھرا جواب سن کر وہ کچھ نرم پڑے اور بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر انہیں شرم وندامت بھی محسوس ہوئی، کہنے لگے: "اچھا یہ کلام جو تمہارے پاس ہے مجھے بھی پڑھنے دو۔"

بہن نے کہا: "تم ناپاک ہو۔اس کلام کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے غسل کیا پھر قرآن کو ہاتھ میں لیا۔

چند آتیں ہی پڑھی تھیں کہ دل بے قابو ہو گیا اور کہا مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کی بہادری اور زور آوری کا یہ حال تھا کہ کوئی ان سے مقابلے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت اور رسوائی محسوس ہوئی۔

دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت وقوت اور شادمانی حاصل ہوئی۔

ایک سوال:

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن کی تاثیر وکشش اس درجہ بے پناہ تھی کہ جس نے ایک بار سن لیا گرویدہ ہو گیا، تو پھر قریش کو اسلام لانے میں اتنی دیر کیوں لگی؟ اور مسلمانوں پر اتنے مظالم کیوں ڈھائے گئے؟

جب کوئی ستانے کو آتا، مارنے کے لیے بڑھتا اور حملہ کرنا چاہتا فوراً چند آیتیں پڑھ دی جاتیں وہ مسحور ہو کر رہ جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو تمام انسانوں کے قلوب کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔کچھ بالکل پتھر کی طرح ہوتے ہیں، کچھ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔بعض انتہائی معاندت اور شیطنت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔بعض محض دشمنی ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور کوئی عملی قدم نہیں اُٹھاتے ہیں اور بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس تحریک کو برا سمجھتے ہیں مگر اس سے چنداں تعرض نہیں ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلاشبہ قرآن نے سخت سے سخت دل کو بھی متاثر کیا، ولید، عتبہ اور ابوجہل انتہائی شقی القلب انسان تھے مگر انہیں بھی قرآن کی قوت تاثیر کا پورا اعتراف تھا۔ مگر جوش معاندت میں وہ سنی کو ان سنی کر دیتے تھے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ اسلام بت پرستی کا شدید مخالف ہے اور انہوں نے بت پرستی کا ایک وسیع اور ہمہ گیر نظام قائم کر رکھا تھا۔

اگر وہ اسلام لے آتے تو ان کا اقتدار ختم ہو جاتا، ان کا مفاد خطرے میں پڑ جاتا کیوں کہ بت پرستی کا جو وسیع نظام انہوں نے قائم رکھا تھا اس کا سارا تاروپود بکھر کر رہ جاتا۔

قریش کی ساری عزت اسی بنا پر تھی کہ وہ حرم کے متولی تھے اور حرم عرب کے تمام قبائل کے نزدیک انتہائی محترم چیز تھی۔

ہر سال ہزاروں کی تعداد میں عرب ہر قسم کے تحفے لے کر حج کے لیے آتے تھے۔ قریش ان کی میزبانی کرتے تھے۔

بت پرستی کے اس نظام کی وسعت سے وہاں مختلف شعبے قائم کر دیئے گئے تھے۔

جیسے حاجیوں کو پانی پلانے، ان کے ٹھہرنے اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں دینے سے متعلق۔

ہر محکمہ قریش کے مختلف خاندان کے سرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ کوئی حرم کے خزانوں کا متولی تھا، کوئی طواف کراتا تھا، کوئی کچھ کرتا اور کوئی کچھ۔

اس سے ان کی آمدنی بے حد وشمار تھی اور ان کی عزت بھی۔

یوں سمجھئے کہ قریش کی ساری عظمت و سربلندی اسی تماشائے بت پرستی پر مبنی تھی جس کا جتنا زیادہ مفاد اس سے وابستہ تھا وہ اتنا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔

اگر یہ صورت نہ ہوتی اور مکہ والوں کے شرف و اقتدار کے مٹنے اور اس طلسم کے ٹوٹنے پر سارے مفاد خطرے میں پڑ جانے کے قوی اندیشے نہ ہوتے تو مکہ والے بہت پہلے اسلام قبول کر لیتے۔

قرآن اور ہماری ذمہ داریاں:

اب آیئے ہم اپنا جائزہ لیں اور ان ذمہ داریوں کو یاد کریں جو قرآن مجید کے سلسلے میں ہم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کیا اس عظیم کتاب کے ساتھ ہمارا تعلق صرف اسے چومنے چاٹنے یا اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھانے، یا اس سے برکت حاصل کرنے یا اسے ریشمی جزدان میں بند کر دینے کی حد تک ہونا چاہئے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سارے کام قرآن سے سطحی تعلق کی علامت ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام روحوں سے کہا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔''

تو سب نے جواب دیا تھا: بَلٰى ''ہاں۔''

یہی وہ توحید کی امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں انسانوں کو دی تھی اور اس پر اس کی حفاظت اور اسے سینے سے لگائے رکھنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

لیکن انسان نے اسے کھو دیا اور اس کھوئی ہوئی امانت کو واپس دلانے کے لئے قرآن اتارا گیا ہے۔

اس امانت کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً ''بے شک ہم نے امانت (توحید) کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔ اور انسان نے اسے اٹھا لیا (مگر پورے طور سے اسے ادا نہ کرسکا کیوں کہ) وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔''

ایک مثال:

فرض کیجئے دہلی کے ایک بادشاہ نے ایک روز اپنی تمام رعایا کو بلایا جس میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، کمزور بھی تھے اور طاقتور بھی، جاہل بھی تھے، ملازم پیشہ بھی تھے اور کاشتکار بھی، وزیر بھی تھے اور باورچی بھی، حکومت کے اعلیٰ افسران بھی تھے اور چپراسی بھی۔ بادشاہ نے ان کے سامنے ایک قیمتی انگوٹھی رکھی اور کہا:

''چند سال بعد میں تم لوگوں سے لکھنؤ میں ملوں گا۔ میرے پاس یہ ایک بیش قیمت انگوٹھی ہے۔ کون ہے جو اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لے۔ جو اسے حفاظت کے ساتھ میرے سامنے پیش کرے گا اور انگوٹھی کے ساتھ میرے پاس حاضر ہوگا اسے بے انتہا انعام و اکرام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نوازا جائے گا۔ اور اگر ضائع کر دے گا تو سخت ترین سزا کا مستحق ہوگا۔"

اب ہر شخص نے اس امانت کو لینے سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ سب اس قیمتی چیز کی حفاظت نہ کر سکنے پر سخت ترین سزا کے تصور سے لرز پڑے تھے۔

لیکن بادشاہ کے ایک معمولی اور کمزور باورچی نے اسے لے لیا اور اسے بادشاہ کی خدمت میں حفاظت کے ساتھ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔

پھر اس نے اپنی پوری زندگی اس امانت کو سینے سے لگائے رکھا اور اسے اپنی جان سے زیادہ قیمتی سمجھا۔

اب وہ دن قریب آ رہا ہے جب اسے وہ قیمتی امانت بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنی ہے۔

وہ اسے لے کر چلا، ایک بھیانک جنگل سے اس کا گذر ہوا، وہاں اچانک بہت تیز آندھی آ گئی اور سخت موسلا دھار بارش ہونے لگی، طوفان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر گر رہے تھے، اندھیرے کی وجہ سے راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور خود اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس نے پوری کوشش کی کہ وہ امانت کہیں گرنے نہ پائے، لیکن وہ بھیانک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے طوفان میں اسے سنبھال نہیں سکا، اور وہ بیش قیمت انگوٹھی جنگل میں کہیں گر گئی۔ اب وہ بہت پریشان ہوتا ہے۔

سخت طوفان میں جنگل میں بھٹک رہا ہے کہ وہ امانت مل جائے کیوں کہ بادشاہ کے سامنے پیش ہونے اور سخت ترین سزا کے تصور سے اس کا رواں رواں کانپ رہا ہے۔

جس امانت کی اس نے برسوں حفاظت کی آج اس کے کھو جانے سے اس کا پورا جسم لرز رہا ہے۔

آخر تھک ہار کر وہ مایوس ہو جاتا ہے کیوں کہ اندھیرے کی وجہ سے انگوٹھی کے ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی حالت میں ایک شخص پہنچ جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک تیز روشنی والا ٹارچ ہے۔ وہ کہتا ہے:

"گھبراؤ نہیں، تمہاری مشکل آسان ہو گئی، اس ٹارچ کی روشنی میں تمہاری کھوئی ہوئی امانت کو میں ابھی تلاش کر دیتا ہوں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ وہ ٹارچ جلاتا ہے جس سے جنگل کا ایک ایک گوشہ اس طرح روشن ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر کی تمام چیزیں صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہیں۔

پھر تھوڑی سی تلاش کے بعد انگوٹھی اسے مل جاتی ہے۔ جسے پا کر وہ والہانہ انداز میں اس ٹارچ کو اپنے سینے سے لگاتا ہے اور اس شخص کا بے انتہا شکر گذار ہوتا ہے جس نے اپنے ساتھ لائے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں اس کی کھوئی ہوئی امانت واپس دلا دی تھی۔

بالکل اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے روز اول کو اپنی تمام مخلوقات کے سامنے توحید عبادت اور اپنے فرائض و احکام کی امانت پیش کی تھی۔

مگر آسمانوں، زمین، جنگلوں، پہاڑوں اور سمندروں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا، مگر انسان نے اس بار گراں کو اٹھالیا اور کافی عرصہ تک اس کی حفاظت کی۔

پھر مختلف قوموں اور ملکوں میں اللہ کی طرف سے انبیاء و رسل مبعوث ہوتے رہے جو انسان کو اس امانت کی حفاظت کی ذمہ داری کی یاد دلاتے رہے۔

لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تو کفر و شرک کے اندھیرے میں بھٹک کر انسان اسے کھو بیٹھا۔

پھر اللہ کی رحمت سے اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپؐ قرآن کی بے مثال روشنی لے کر تشریف لائے۔

اور یقیناً انسان اسی کی وجہ سے اپنے رب کو پہچان سکا اور توحید اور اللہ کے فرائض و احکام کی کھوئی دولت پھر اس کے پاس آئی۔

اب ہم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں اس حقیقت کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے: ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. ”درحقیقت اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان خود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔"

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس احسان کا تقاضہ کیا ہے اور قرآن کے بارے میں ہم پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟

اس سلسلے میں ہم پر جو فرائض ہیں انہی میں سے ایک فریضہ تلاوت ہے۔ جس کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

تلاوت:

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسد کرنا درست نہیں ہے، مگر دو شخصوں پر اول تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کے ساتھ قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ جس کو اللہ نے دولت مند بنایا اور وہ اپنی دولت کو اللہ کی راہ میں رات اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا رہتا ہے۔"

ترمذی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن کی تلاوت نے میری یاد سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والے سے بھی زیادہ دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی تمام کلاموں پر برتری ایسی ہے جیسی برتری اللہ تعالیٰ کی اس کی تمام مخلوقات پر ہے۔"

بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلاشبہ یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی لگنے پر لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔"

لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ! اس کو صاف کرنے کی کیا ترکیب ہے؟"

ارشاد ہوا: "کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔"

ترمذی میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ الم مل کر ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔"

بخاری میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی محافظت کیا کرو یعنی بار بار تلاوت کر کے انہیں یاد رکھا کرو۔ کیوں کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، اس کو بھلا دینے کی مثال اس اونٹ جیسی ہے جو رسی میں جکڑا ہوا ہے، ذرا سی رسی ڈھیلی ہوئی اور وہ نکل بھاگا۔"

یعنی جہاں ذرا سے بے پروائی برتی گئی اور تلاوت سے غفلت کی گئی کہ وہ دماغ سے اترا، اس لیے روزانہ تلاوت جاری رکھو۔

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے سینے میں قرآن کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے...... یعنی اس کو قرآن کی کوئی بھی سورت یا آیت یاد نہیں...... وہ اجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔"

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلا سمجھے بوجھے قرآن کی تلاوت ایک بے فائدہ چیز ہے۔

جہاں تک قرآن کو سمجھنے اور اس میں غور و فکر کا سوال ہے یقیناً یہ ایک لازمی چیز ہے۔ لیکن یہ مفروضہ غلط ہے کہ اگر ہم اس کے معنی اور مفہوم کو نہیں سمجھتے تو اس کی تلاوت بے کار ہے۔ کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کلام کی بہت بڑی اہمیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. "اس کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ۔"

اگر قرآن کے الفاظ کی اہمیت نہیں ہے تو ناپاکی کی حالت میں اس کا چھونا کیوں ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ عربی میں کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ذالک اور ھذا۔

یہ دونوں اشارہ کے لئے آتے ہیں اور دونوں کے معنی ہیں "یہ"

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں آیا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذَالِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔"

اب اگر کوئی شخص ذَالِکَ الْکِتَابُ کی جگہ ھٰذَا الْکِتَابُ پڑھے تو اس کا بھی وہی مطلوب ہوگا جو ذالک الکتاب کا ہے۔

لیکن ایسا شخص تحریفِ قرآن کا مرتکب قرار دیا جائے گا جو ایک سنگین گناہ ہے۔

اگر الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو اس میں ایک معمولی سی تحریف اتنا سخت جرم کیوں ہے؟

لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معنی ومفہوم کو بھی سمجھا جائے اور اس کی ایک ایک آیت پر غور وفکر کیا جائے۔

فرض کیجیے حکومت کی طرف سے آپ کے نام انگریزی میں لکھا ہوا کوئی فرمان آجائے اور آپ اسے سمجھنے سے قاصر ہوں، تو اپنا ہر کام چھوڑ کر فوراً کسی انگریزی داں کے پاس جائیں گے اور جب تک آپ اس کے مفہوم اور مطلب کو سمجھ نہیں لیں گے تب تک آپ کو سکون نہیں ملے گا۔

لیکن افسوس کہ قرآن کی تلاوت ہی کو اصل نیکی سمجھ کر ہم اس کے معنی ومفہوم کو جاننے اور سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔

موجودہ دور میں عربی نہ جاننے کے باوجود قرآن کے معنی ومفہوم کا جاننا اور سمجھنا بہت آسان ہے کیوں کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کے ترجمے ہوگئے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں قرآن کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ "بے شک یہ قرآن اس راستے پر چلاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔"

اقوم میں مبالغہ ہے یعنی ایسا راستہ جس میں بھٹکنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

جس طرح ایک مشفق باپ اپنے چھوٹے سے بچے کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے تاکہ اسے ٹھوکروں سے محفوظ رکھے اسی طرح قرآن اپنے ماننے والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم میرے دامن سے وابستہ ہو جاؤ تو تمہیں راستے کی ٹھوکروں سے محفوظ رکھوں گا، تمہیں بے راہ نہیں ہونے دوں گا اور تمہیں حفاظت کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچا دوں گا۔

اب ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی راستے کو صحیح سمجھے اور اپنائے جسے قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بتایا ہے۔

تلاوت اور معنی و مفہوم کو جاننے کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ یعنی اس کے ذریعے اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتا رہے کہ قرآن کے نزدیک انسان کی فلاح ونجات کا دارومدار کن کن امور پر ہے؟ اور وہ کیا چیزیں ہیں جنہیں ہلاکت اور بربادی کا موجب قرار دیا گیا ہے؟ پھر انہی کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ تعمیر کرے۔ یعنی جن جن کاموں کو موجب فلاح و نجات بتایا گیا ہے انہیں اپنائے اور جن جن امور کو ہلاکت اور بربادی کا سبب بتایا گیا ہے ان سے قطعاً باز رہے۔

مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) پر عمل کرنے اور اس کے مطابق زندگی گذارنے سے کتنی قوموں کو سربلندی اور کامیابی عطا فرمائیگا اور کتنی قومیں اس پر عمل نہ کرنے اور اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ذلت وخواری میں مبتلا کردی جائیں گی۔''

ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے قرآن کو پڑھا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان کے دس ایسے آدمیوں کے متعلق اس کی شفاعت قبول فرمائیگا جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔''

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قرآن مجید ضرور سیکھو اور اسے پڑھو کیوں کہ جس نے اسے سیکھ لیا اور پڑھا اور اس کے ساتھ قیام کیا، اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک وعنبر سے بھری ہوئی ہے اور ہر جگہ اس کی خوشبو پھیل رہی ہے اور جس نے قرآن تو پڑھ لیا مگر اپنے پیٹ میں لے کر سوتا رہا نہ اسے پڑھا نہ اس کے ساتھ قیام کیا، اس کی مثال اس تھیلی جیسی ہے جس کے اندر مشک تو ہے مگر اس کا منہ بند کردیا گیا ہے۔''

ایک لطیفہ:

بتایا جاتا ہے کہ ایک بیمار شخص اپنے علاج کے لیے کسی طبیب کے پاس گیا۔ وہاں جا کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے وہ پریشانیاں بتائیں جن سے وہ دوچار تھا۔

طبیب نے نسخہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور تاکید کی:

''اسے دن میں دو بار بھگو کر، اسے نچوڑ کر پی لینا، بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

دو دن گذرنے کے بعد وہ پھر طبیب کے پاس آیا لیکن اس کی حالت جوں کی توں تھی، مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ طبیب نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے بے دلی سے کہا:

''جناب میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق نسخہ کا استعمال کیا مگر ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوا۔''

طبیب نے اس سے کرید کر پوچھا: ''تم نے اس کا استعمال کس طرح کیا؟''

اس نے کہا: ''آپ نے جو کاغذ مجھے دیا تھا آپ کے حکم کے مطابق میں نے اسے پانی میں بھگویا، نچوڑا، گرم کیا اور دو روز تک برابر اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیتا رہا۔''

بھلا بتایئے۔ نسخہ کا کاغذ پینے کا مشورہ طبیب نے دیا تھا یا نسخہ کے مطابق عمل کرنے کا؟ ایسا مریض بھلا اس نسخہ سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟

حقیقت میں قرآن کے ساتھ ہم مسلمانوں کا تعلق بھی اسی طرح رسمی ہے۔

ماہر القادری نے قرآن کا مرثیہ ان الفاظ میں لکھا ہے ؎

آنکھوں میں لگایا جاتا ہوں طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جزدان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طور پڑھایا جاتا ہوں اس طور سکھایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لیے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں میں اُٹھایا جاتا ہوں
دل سوز سے خالی رہتے ہیں آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں ہر اک جلسے میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں
یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں یوں بھی میں ستایا جاتا ہوں

صحابہ کرامؓ کا یہ معمول تھا کہ جب قرآن کا فیصلہ ہوتا تھا تو بلا کسی چون وچرا کے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ پھر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. ”اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان سے اس طرح پکار کر بات نہ کرو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے سے پکار کر کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“

اس آیت کے نازل ہو جانے پر وہ دونوں اس قدر آہستہ بولتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہا؟

بخاری ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان پر منافقین نے الزام لگایا تو مسطح بن اثاثہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اور رشتہ داری کی وجہ سے وہ مسطح کی مالی مدد کیا کرتے تھے۔

لیکن جب مسطح نے ان کی بیٹی (حضرت عائشہؓ) کے بارے میں ایسی باتیں کہیں تو انھوں نے قسم کھالیا کہ اب میں مسطح کو کچھ نہیں دوں گا۔

لیکن قرآن مجید کی سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. ”تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگذر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ غفور اور رحیم ہے۔“

اس آیت کو سنتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَلٰی وَاللّٰہِ اِنَّا نُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا یَا رَبَّنَا ''واللہ ہم ضرور چاہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہماری خطائیں معاف کردے۔''

اور پھر انہوں نے مسطح کی مدد شروع کردی اور پہلے سے زیادہ ان پر احسان کرنے لگے۔

بخاری ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب حرام ہونے سے پہلے میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر لوگوں کو شراب پلا رہا تھا۔ پھر جب شراب کی حرمت کی آیت اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی منادی کرائی تو ہم لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور بچی کھچی شراب مدینہ کی گلیوں میں بہادی گئی۔

قرآن کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کا اتنا بے مثال تعلق تھا مگر ہماری حالت کیا ہے؟

سچ کہا تھا علامہ اقبالؒ نے۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے   تم مسلماں ہو یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے نہ دولتِ عثمانی ہے   تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے
وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیا ہے اور اس سے غفلت کے نتائج سے خبردار کیا ہے۔

سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے:

هٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. ''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے پس اس کا اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اس آیت میں فَاتَّبِعُوْهُ کے بعد وَاتَّقُوْا کا لفظ بتا رہا ہے کہ اتباع قرآنی کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ اتباع نہیں کروگے تو اس کا غضب تم پر نازل ہوگا اور اتباع کروگے تو تم پر اس کا فضل وکرم ہوگا۔

سورۂ طٰهٰ میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَعْمٰی "جس نے ہماری یاد سے اعراض کیا، یعنی قرآنی اوامر و نواہی سے بے پرواہی برتی تو اس کی زندگی اور تمام عمر بے چینیوں اور بے قراریوں میں گذرے گی۔ وہ تنگی اور بدحالی میں مبتلا رہے گا اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

دنیا کی تمام قوموں میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو ہر حیثیت سے ذلیل اور پسماندہ ہے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن سے غفلت کے نتیجے میں مسلمان ذلیل و خوار ہیں، تو یہود و ہنود اور عیسائی قومیں کون سا احکامِ قرآنی پر عمل کر رہی ہیں، جو عیش و مستی میں سرشار ہیں اور دنیاوی میدان میں ہر طرح کے سامانِ زیست سے لیس ہیں؟ یقیناً یہ بالکل سچ ہے۔

لیکن اس کی وجہ یہ کہ اپنوں کی بے پرواہی غیروں کی بے پرواہی سے زیادہ شاق گذرتی ہے۔

مسلمان ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن سے غافل ہیں اس لئے ان پر یہ وبال پڑا ہے۔

سچ ہے۔

درسِ قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

اے وائے بر حال ما:

آج ہم مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن سے اعراض کے نتیجے میں ہم پر ہر طرح کی تباہیاں آ رہی ہیں۔

ہم قومیت کے جنون، وطنیت کے عشق، جمہوریت کی دل دادگی، نفس پرستی اور اندھا دھند زر طلبی سے باز نہیں آتے۔ اعتقاد قرآن پر رکھتے ہیں مگر دوسروں کے افکار و نظریات کے دل دادہ ہیں۔ نام اسلام کا لیتے ہیں مگر کام غیر اسلامی کرتے ہیں۔ دوسروں کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں اور بلند بانگ میں دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام پیچیدہ مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے مگر خود قرآن سے فکر و عمل نہیں لیتے۔

یہ کیسی حماقت اور منافقت ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔

کسی حساس شاعر نے بڑے دل سوز انداز میں لکھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دل میں دم بھر کے لیے سوچو ذرا　　حق نے تم سے کیا کیا اور تم نے حق سے کیا کیا
حق نے چھیڑا تھا زمیں پر نغمۂ ام الکتاب　　تم نے برپا کر دیا ہنگامۂ چند و رباب
حق نے بخشا تھا تمہیں جوش و خروشِ جوئے آب　　بن گئے تم رفتہ رفتہ صرف اک نقشِ سراب
حق نے تم کو نوعِ انساں کا بنایا تھا امام　　بن گئے تم لعبتِ کوتاہ بینی سے غلام
حق نے چھانٹا تھا تمہیں دنیا کی شاہی کے لئے
تم نے پیہم کروٹیں بدلیں تباہی کے لئے

مسلمان قرآن کی رو سے اس امر پر مامور کیے گئے ہیں کہ سیاسی مصالح، قومی رجحانات اور دین و دنیا کے ہر معاملے کو خالصتاً قرآن کے میزان پر تولیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب کی سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔''

اسی سورۃ میں پھر ارشاد ہوا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. '' اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔''

یعنی مسلمان اگر اپنی زندگی کے تمام معاملات و مسائل کا حل قرآن کے احکام کے مطابق نہ کریں، تو اس حالت کا نام کفر، دوسری کا نام ظلم اور تیسری کا نام فسق ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں میں یہ تینوں حالتیں پائی جاتی ہیں اور ہم بے دریغ کفر، ظلم اور فسق کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

آج ہر ہم چہار طرف ذلت و رسوائی اور مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار ہیں۔ یہ رسوائیاں اور محرومیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ خود اپنے ملک میں اپنی کوئی آواز نہیں ہے۔ ہم اپنا ایک جائز مطالبہ بھی نہیں منوا پاتے، آج کتاب اللہ پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، محمد عربی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں۔ اور اپنے ہی وطن میں ہماری عبادت گاہیں، ہمارے تعلیمی ادارے، بلکہ ہمارا وجود تک خطرے میں پڑا ہوا ہے۔

آخر یہ سب کیوں ہے؟

اس لیے کہ ہم نے قرآن اور قرآنی تعلیمات سے منہ موڑ لیا ہے۔ ایک طرف ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسے اللہ کا کلام کہتے ہیں۔ اس سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اسے قیمتی جزدانوں میں بند کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں پھر بھی ہم اس پر ظلم کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے کہ ہم اسے گھر میں رکھ کر آسیب و جن کو بھگانے کا ذریعہ بنائیں۔ اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور اسے گھول کر پئیں۔ جب کسی سے کوئی معاملہ ہو تو اپنی بات اونچی رکھنے کے لئے اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھائیں یا زیادہ سے زیادہ خطبہ نکاح میں اس کی چند آیتیں پڑھ دیں۔ یا بستر نزاع پر سورۂ یٰسین پڑھ دیا کریں۔

لیکن زندگی کے معاملات میں اس بات کی فکر نہ کریں کہ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارا کردار کیسا ہونا چاہئے؟ ہمیں زندگی کیسے بسر کرنی چاہئے؟ آپس کا لین دین کس طرح کرنا چاہئے؟ اللہ اور اس کے بندوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ ہمارے لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟ ہماری عزت و فلاح کس چیز میں ہے اور نامرادی اور نقصان کس چیز میں ہے؟

اب ہم نے قرآن سے رہنمائی حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے، اب ہمارا رہنما ہمارا اپنا نفس بن گیا ہے اسی لئے ہم ذلیل و خوار ہیں۔

سچ ہے ؎

درسِ قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کی سچی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اخلاق وکردار

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ

حضرات! اللہ رب العالمین کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے، جس نے ہم سب کو پیدا کیا اور اسلام کی دولت سے نوازا۔

اسلام ایمان اور عمل صالح کا نام ہے اور یہ دونوں ایسے ہی لازم وملزوم ہیں جیسے دیوار اور بنیاد۔

جس طرح بغیر بنیاد کے کوئی دیوار وجود میں نہیں آسکتی، اسی طرح بغیر دیوار کھڑی کیے ایک بنیاد بھی بے فائدہ اور بے کار ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اور بیان آیا ہے اور ان دونوں کو دنیوی واخروی کامیابی کی ضمانت بتایا گیا ہے۔ مثلاً

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. ''جو لوگ مومن ہوئے، جو یہودی ہوئے اور جو عیسائی اور صابی ہیں، ان میں سے جو (سچ مچ) اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں گے اور صالح اعمال کریں گے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور آخرت میں نہ انہیں کوئی خوف ہوگا نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔''

سورۂ نساء میں یوں وضاحت کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا. لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا. وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۔ ''جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کئے انہیں ہم ایسی جنتوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا اور پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر سچ بات کہنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ نہ تمہاری خوش فہمیوں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کی، جو شخص بھی برے کام کرے گا، سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کوئی کارساز و مددگار اسے نہ ملے گا (جو اسے سزا سے بچا سکے) اور جو کوئی نیک کام کرے گا۔ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔''

آدمی دولت اور اولاد کی ترقی اور بقا کے لئے پوری زندگی داؤں پر لگا دیتا ہے اور اس کے لیے اپنی خوشیوں، مسرتوں اور آسائشوں تک کی پرواہ نہیں کرتا۔ مال و اولاد کو پھلتا پھولتا دیکھ کر اسے سکون ملتا ہے اور ان میں نقصان، بربادی اور تنزلی دیکھ کر اسے سخت مایوسی ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ سب چیزیں سطحی اور نمائشی چیزیں ہیں۔

اگر ان سے کچھ فائدہ مل سکتا ہے تو صرف دنیا کی زندگی میں، آخرت میں یہ کسی کام آنے والی نہیں ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کام آنے والے اور اللہ کے یہاں قدر و قیمت کے مستحق صرف نیک اعمال ہیں، جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے:

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا۔ ''مال اور اولاد (بس) دنیوی زندگی کی آرائش ہیں اور باقی رہنے والے نیک اعمال تمہارے رب کے نزدیک ثواب اور توقع کے لحاظ سے (ان سے) کہیں بہتر ہیں۔''

آج دنیا کے مسلمان اسلام کے نام لیوا ہونے کے باوجود ہر چہار طرف اغیار کی دشمنی کا شکار ہیں اور دنیا میں کہیں بھی کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ان کی آبادی ہو اور وہ دشمنان اسلام کے ظلم و ستم کا شکار نہ ہوں۔ چاہے وہ ہندوستان ہو یا فلسطین، افغانستان ہو یا لبنان، اور لنکا ہو یا بوسنیا اور ہرزگو ینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی صفات رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ دوسروں کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دے گا۔ ان کی مخالفتیں ختم ہو جائیں گی، وہ حق کو پہچان لیں گے اور ان کی عداوت محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ مریم میں وعدہ کیا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. ''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے خدائے مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔''

سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا. يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا. ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کیے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور جو دین اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اسے غلبہ بخشے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

یہ قرآنی آیات واضح طور پر بتاتی ہیں کہ جو گروہ اپنے اندر ایمان و عمل صالح کی صفات پیدا کرے گا وہ دنیا میں نہ صرف یہ کہ امن و امان کے ساتھ رہے گا بلکہ وہ زمین کی خلافت اور بادشاہت کا بھی مستحق ہوگا۔

عمل صالح کسی مخصوص نیکی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ کام جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے، اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کے حدود کے اندر رہ کر کیا جائے، عمل صالح ہے۔

آدمی اگر اللہ کی رضا جوئی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا راستہ اختیار کرے تو اس کی پوری زندگی عمل صالح بن جاتی ہے۔

یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا، اس کا سونا جاگنا، اس کی مصروفیت اور مشغولیت، اس کا اپنے بال بچوں کی پرورش اور نگہداشت کرنا، حتی کہ بیوی سے ہم بستر ہونا بھی عمل صالح قرار پائے گا۔ اور اس قسم کے تمام کاموں پر اللہ تعالی کی طرف سے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسلم میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دِينَارٌ اَنفَقتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ دِينَارٌ اَنفَقتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَ دِينَارٌ تَصَدَّقتَ بِهٖ عَلٰى مِسكِينٍ وَ دِينَارٌ اَنفَقتَهُ عَلٰى اَهلِكَ اَعظَمُهَا اَجرًا الَّذِي اَنفَقتَهُ عَلٰى اَهلِكَ.

"دینار (اشرفی) جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، دینار جو تم غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرو، دینار جو تم کسی غریب پر صدقہ کرو اور دینار جو تم اپنے گھر کے افراد پر خرچ کرو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس دینار پر ملے گا جو تم اپنے بال بچوں پر خرچ کرو گے۔"

عمل صالح کا ایک اہم جزو اور پہلو وہ ہے جسے اخلاق و کردار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دین میں اس کی اتنی بڑی اہمیت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخلَاقِ. "مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اور شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں۔"

خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب خلق عظیم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ قلم میں ارشاد ہوا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ. "اور یقیناً تم عظیم اخلاق کے حامل ہو۔"

حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحسَنُكُمْ اَخلَاقًا. "تم میں بہترین انسان وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوں۔"

بخاری ہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحسَنَكُمْ اَخلَاقًا. "مجھے تم میں وہ لوگ زیادہ محبوب ہیں جو بہترین اخلاق کے حامل ہیں۔"

ترمذی میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن میزان میں تمام نیکیوں سے زیادہ وزن دار حسن خلق ہوگا۔"

دراصل حسن خلق اور بہترین کردار وہ خوبی ہے جس کے ذریعہ آدمی اپنے دشمن کو بھی دوست بنالیتا ہے اور بدخلقی اور بدکرداری وہ بری بلا ہے جس کی وجہ سے اس کا دوست بھی دشمن بن بیٹھتا ہے۔

دولت ہر دور میں ایک بہت پیاری اور پرکشش چیز مانی گئی ہے کیوں کہ اس سے انسان کی ساری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت سے آدمی شاندار مکان تعمیر کر سکتا ہے، زمین کے وسیع و عریض پلاٹ خرید سکتا ہے، انسان کے جسم کو خرید سکتا ہے، مگر وہ چیز جس سے دل کی دنیا خریدی جاتی ہے وہ حسن خلق ہے۔

آدمی کا کردار ہی اسے اونچا اٹھاتا ہے۔ کردار ہی انسان کی مقبولیت اور محبوبیت کی ضمانت ہے۔ جسے ایک مثال کے ذریعے سمجھیے۔

ایک مثال:

فرض کیجیے کسی سڑک کے کنارے ببول کا ایک پیڑ لگا ہے، جس کا کانٹا ہر آنے جانے والے کے پاؤں میں چبھتا ہے، تو ہر شخص چاہے گا کہ یہ پیڑ کاٹ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص اسے کاٹنے لگے تو کوئی بھی اس کی مزاحمت نہیں کرے گا۔

لیکن اگر اسی جگہ کوئی سایہ دار درخت ہو جس میں خوشبودار پھول اور میٹھے پھل لگتے ہوں، اس کا سایہ بھی بہت گھنا اور آرام دہ ہو، ایسے درخت کو اگر کوئی کاٹنا چاہے تو لوگ اس کی بھرپور مخالفت کریں گے۔ کیوں کہ یہ درخت اپنی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بن جائے گا۔

اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک انتہائی سبق آموز واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جسے برطانیہ کے سابق وزیراعظم چرچل نے ۱۹۰۱ء میں کلکتہ کے ایک جلسہ میں بتائی تھی۔

ایک واقعہ:

لارڈ ولیم ہندوستان کا ایک وائسرائے تھا جس کی کارکردگی کی کل مدت دس سال (۱۸۹۵ء۔۱۸۸۵ء) تھی۔

اس کے زمانہ میں ایک بار ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا یہ دیوالیہ ہو جائے گی اور انگریزوں کو اپنا بوریا بستر لپیٹ کر انگلستان لوٹ جانا پڑے گا۔

لارڈ ولیم نے سوچا کہ اگر آگرہ کے تاج محل کے پتھروں کو اکھاڑ کر بیچ دیا جائے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت سدھر سکتی ہے۔

اس نے اپنے انجینئروں سے کہا کہ وہ سروے کر کے بتائیں کہ کیا یہ ممکن ہے؟ اور اس کے پتھروں کی کتنی قیمت مل سکتی ہے؟

انہوں نے بتایا کہ اگر اس کے تمام پتھروں کو اکھاڑ کر بیچا جائے تو اس وقت ایک لاکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روپے مل سکتے ہیں۔

لارڈ ولیم نے حکم دیا کہ تاج محل کو توڑ کر اس کے تمام پتھر نیلام کر دیئے جائیں۔

جب آگرہ کے گردونواح کے لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ اس فیصلے پر سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اس شرمناک تجویز کی سخت مخالفت کی۔ لارڈ ولیم کو جب عوام کے اس شدید ناراضگی کا علم ہوا تو اس نے حکم دے دیا کہ تاج محل کو مسمار کر کے اسے زمین کے برابر کر دیا جائے۔

لارڈ ولیم کے اس حکم کی ہندوؤں اور مسلمانوں نے اتنی سخت مخالفت کی کہ انہوں نے احتجاج کرتے ہوئے اعلان کر دیا: ''تاج محل کو ہم کسی قیمت پر برباد نہیں ہونے دیں گے چاہے ہمیں اس کے لئے اپنی جانیں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔''

آخر کار لارڈ ولیم بغاوت کے اندیشہ سے اپنے ارادے سے باز رہا اور تاج محل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اس واقعہ پر ایک اخبار نے لکھا: ''تاج محل کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے بچالیا۔''

اس اخباری خبر پر ایک شخص نے بہت عمدہ بات کہی، اس نے کہا:

''تاج محل کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے نہیں بچایا، تاج محل کو اس کے حسن اور خوب صورتی نے بچالیا۔ اگر تاج محل اتنا حسین اور خوبصورت نہ ہوتا تو برطانوی اقتدار کے مقابلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ حمایت اسے حاصل نہ ہوتی''

یہی حال انسان کا بھی ہے۔ انسان اپنی خوبیوں کی وجہ سے محبوبِ خلائق بن جاتا ہے۔

بلاشبہ تلوار مومن کا زیور ہے۔ لیکن جو بات کردار میں وہ تلوار میں کہاں۔ تلوار سر کاٹتی ہے لیکن کردار دل جیت لیتا ہے۔

ایک دور وہ تھا جب مسلمان پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ دنیا والوں کی نگاہوں میں محبوب تھے اور ہر قوم ان پر اعتماد کرتی تھی۔ یہ سب کچھ ان کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے تھا۔

سچائی:

کردار کی عظمت کی سب سے بڑی علامت انسان کا سچا بننا ہے۔ اسلام کی بنیادی اور اہم تعلیم ہے کہ انسان ہر حال میں سچ بولے، جھوٹ کے قریب بھی نہ جائے، اس کا ظاہر و باطن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکساں ہو اور وہ سراپا راستی و صداقت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچی بات کہو اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔''

سورۂ توبہ میں یوں ارشاد ہوا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

قیامت کے دن کے بارے میں سورۂ مائدہ میں بتایا گیا ہے: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ. ''اللہ فرمائے گا آج سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔''

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَ اِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكِذْبَ يُكْتَبُ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. ''سچائی اختیار کرو کیوں کہ سچائی نیکی و حق شناسی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی و حق شناسی جنت تک پہنچاتی ہے اور انسان ہمیشہ سچ بولتا اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے دور بھاگو کیوں کہ جھوٹ اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے درپے رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔''

قرآن مجید میں سچائی کو اہل ایمان کی بنیادی صفات میں سے ایک صفت بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ.

''(اہل ایمان) صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اطاعت کرنے والے، (راہ خدا میں) خرچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والے اور سحر کے وقت توبہ واستغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔''

جو شخص یہ حتمی ارادہ کر لے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں سچ ہی بولے گا اور جھوٹ کے قریب بھی نہیں جائے گا، ایسے شخص کے لیے نیکی کی راہوں پر چلنا اور برائیوں سے بچنا حد درجہ آسان ہو جاتا ہے۔

سچ بولنے اور جھوٹ سے پرہیز کے نتیجے میں اس کا باطن پاک اور اس کا کردار پختہ بن جاتا ہے۔ وہ جھوٹ بول کر اپنی غلطیوں کو چھپا نہیں سکتا اور مومن ہونے کی وجہ سے وہ علانیہ جرائم کا ارتکاب بھی نہیں کر سکتا۔

برخلاف اس کے جھوٹ بولنے والا انسان نہ صرف یہ کہ اپنے باطن کو ناپاک اور اپنے کردار کو خراب کر لیتا ہے بلکہ اپنے لئے بہت سی برائیوں کا راستہ کھول لیتا ہے۔ کیوں کہ وہ جھوٹ بول کر بہت سی برائیوں کا ارتکاب بآسانی کر لیتا ہے اور جھوٹ ہی کے ذریعہ انہیں چھپا بھی لیتا ہے۔

سچائی وہ بہترین وصف ہے جس کی وجہ سے انسان ہر طرح کے مصائب و پریشانیوں سے نجات پا جاتا ہے۔

راست گوئی ان خوبیوں میں سے ہے جن کا سماج اور معاشرہ میں انتہائی مثبت اور خوشگوار اثر ہوتا ہے اور اس سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے چاہے وہ بادشاہ ہو، یا اعلیٰ افسر، چاہے وہ ظالم و جابر حکمراں ہو یا ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کا گروہ۔

ایک واقعہ:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ بچپن میں علم حاصل کرنے کی غرض سے بغداد جا رہے تھے۔ اس زمانے میں چوروں اور رہزنوں کی وجہ سے لوگ قافلوں کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ ان کی والدہ نے انہیں ایک قافلہ کے ساتھ کر دیا اور چالیس اشرفیاں ان کے کرتے کے اندر سل دیں تاکہ محفوظ رہیں اور چلتے وقت نصیحت کی کہ بیٹا کسی بھی حال میں جھوٹ مت بولنا۔

راستے میں ایک جگہ رہزنوں نے لوٹ مار کی غرض سے قافلے پر حملہ کر دیا اور ہر ایک کا مال واسباب چھین لیا۔

ایک ڈاکو نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے پوچھا: ''کیوں میاں تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟''

انہوں نے کہا: ''میرے پاس چالیس درہم ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر اس نے سمجھا کہ یہ مذاق کر رہا ہے، بھلا اس لڑکے کے پاس چالیس اشرفیاں کہاں سے آئیں گی؟

انہیں سردار کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں بھی انہوں نے یہی بات کہہ دی کہ میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں جو میری ماں نے کپڑے کے اندر سل دیا ہے۔ آخر کار کپڑا کھولا گیا تو اس کے اندر چالیس اشرفیاں نکلیں۔

سردار کو بڑی حیرت ہوئی اس نے پوچھا: ''تمہاری ماں نے اشرفیاں اس طرح چھپا کر رکھ دی تھیں پھر تم نے انہیں ظاہر کیوں کر دیا؟'' انہوں نے کہا ''میری والدہ نے چلتے وقت نصیحت کی تھی کہ کسی بھی حال میں جھوٹ نہ بولنا۔''

اس پر ڈاکوؤں کا سردار بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اور اس نے کہا کہ تم نے اپنی والدہ کی نصیحت کو اس طرح سینے سے لگا کر رکھا اور ایک میں ہوں کہ دن رات روزانہ قتل وغارت گری کرتا ہوں اور مجھے اپنے رب کے سامنے جواب دہی کا ذرا بھی احساس نہیں ہے۔

پھر اس نے اسی وقت اپنے گناہوں سے توبہ کی اور لوٹ مار کا تمام سامان واپس کر دیا۔ اور آئندہ کبھی اس طرح کے گناہ نہ کرنے کا عزم کر لیا۔

لیکن یاد رہے کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے۔

بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْکَبَائِرُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ. ''سب سے بڑے گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی حق تلفی و نافرمانی، کسی شخص کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا، ایک روایت میں ہے، جھوٹی گواہی دینا۔''

ایفائے عہد:

کردار کی پختگی کی ایک علامت ایفائے عہد بھی ہے اور یہ اسلام کی ایک اہم اور بنیادی تعلیم ہے۔ بندۂ مومن نے اللہ سے اس کی بندگی کا جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنا عین دین ہے اور وعدہ کے باوجود اسے توڑ دینا انتہائی تباہ کن اور خطرناک ہے۔

یہود نے اسی جرم کا ارتکاب کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً. ''تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

جس طرح اللہ سے کیے ہوئے عہد کا معاملہ ہے اسی طرح انسانوں سے کیے وعدوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور یہ مسلمان کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عہد جائز ہو۔

قرآن مجید کی سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ. ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب بھی تم کوئی عہد کرو۔ اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنے او پر نگراں بنا چکے ہو، اللہ تمام کاموں کو جانتا ہے جن کو تم کرتے ہو''

عہد کسی سے بھی کیا جائے آخرت میں اس کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا. ''اور عہد پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں (آخرت میں) باز پرس ہوگی۔''

حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی صفت بتایا گیا ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. ''چار عادتیں ہیں جس کسی میں یہ چاروں عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جھگڑا ہو جائے تو اللہ کی نافرمانی (یا گالی گلوچ) پر اتر آئے۔''

پہلے زمانے کے مسلمان اپنے وعدوں کا اس قدر پاس کرتے تھے کہ جان دے دیتے تھے مگر عہد نہیں توڑتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو واقعات:

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، صلیبی جنگوں کے ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی بیت المقدس کی فتح میں مصروف تھے تو یہودی اور عیسائی دونوں قومیں ان سے جنگ کر رہی تھیں۔

ایک دن سلطان صلاح الدین فوج سے الگ ہو کر ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ اتفاق سے ایک یہودی ادھر آ نکلا اور انہیں نیند میں بے خبر پا کر ان کے سینے پر سوار ہو گیا اور چاہا کہ اسی حالت میں ان کا کام تمام کر دے۔

سلطان کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے خود کو دشمن کے قبضے میں دیکھ کر پوچھا: ''تو کسی طرح مجھے زندہ چھوڑ سکتا ہے؟''

اس نے کہا: ''ہاں! اگر تم مجھے اتنا مال دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

سلطان نے وعدہ کر لیا اور دشمن نے انہیں رہا کر دیا۔

رہائی پا کر انہوں نے یہودی سے پوچھا: ''کیا تجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ رہائی پا کر کہیں میں تجھے قتل نہ کروں؟''

اس نے جواب دیا: ''آپ کے وعدہ کرنے سے پہلے تو یہ خیال آ سکتا تھا، لیکن وعدہ کرنے کے بعد یہ بات قطعاً ناممکن تھی کیوں کہ مسلمان کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔''

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نجران کے علاقہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔

اتفاق سے ایک عیسائی سپہ سالار پکڑا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

جب انہوں نے اسے قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تو وہ زور زور سے چلانے لگا:

''پانی، پانی، مجھے پیاس لگی ہے، میں سخت پیاسا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور حکم دیا کہ پانی کا پیالہ لایا جائے اور اسے پلایا جائے۔

جب پانی سے بھرا ہوا پیالہ اس کے ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اسے لیے ہوئے کھڑا رہا، اس نے پانی نہیں پیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''جب تم اتنے پیاسے تھے اور پانی تمہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مل گیا تو اب تمہاری پیاس کہاں چلی گئی؟ تم پانی کیوں نہیں پی رہے ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''میں یقیناً بہت پیاسا ہوں، لیکن چوں کہ آپ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور آپ میرے سر پر کھڑے ہیں، اس لیے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پانی پینے لگوں اور آپ اسی حالت میں مجھے قتل کر دیں۔ بس اسی خوف سے پانی نہیں پی رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم پیالے کے اس پانی کو نہیں پی لوگے جو تمہارے ہاتھ میں ہے، تب تک میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس یقین دہانی کو سن کر اس نے پانی سمیت پیالہ دور پھینک دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''تم نے پانی کیوں ضائع کر دیا؟''

اس نے جواب دیا: ''اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ زمین و آسمان اور چاند و سورج جھوٹے ہو سکتے ہیں لیکن حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ جب آپ نے یہ کہہ دیا کہ ''جب تک تم پیالے کے اس پانی کو نہیں پی لوگے میں تمہیں قتل نہیں کروں گا'' تو میں نے وہ پانی اس لیے پھینک دیا کہ نہ میں اسے پیوں گا نہ آپ کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی۔ اسے آزاد کر دیا اور فرمایا: ''میرا وعدہ سچا ہے، چوں کہ تم وہ پانی نہیں پی سکے اس لئے اب میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔''

عیسائی نے کہا: ''میں اسی حقیقت کا تجربہ کرنا چاہتا تھا، اب میں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہوں۔'' چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

یہ تھی ایک زمانہ میں مسلمان کے وعدہ کی دھاک جو دشمنوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

لیکن اب مسلمانوں کی بدقسمتی کا ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ان کے وعدوں پر غیروں کو کیا خود اپنوں کو بھی اعتبار نہیں آتا ہے۔ کیوں کہ اب وعدہ کا کوئی وزن نہیں۔ قول و اقرار کی کوئی اہمیت نہیں۔

شرم و حیا:

انسان کے کردار کی عظمت کی ایک بہت بڑی علامت شرم و حیا ہے۔ حیا کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو فحش کاموں سے گھن آئے۔ اسے فحش باتوں سے سخت نفرت ہو۔

قرآن مجید کی سورہ نحل میں اسلام کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے اللہ رب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العالمین نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کا، احسان کا اور عزیزوں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و تعدی سے روکتا ہے۔ تمہیں نصیحت کرتا ہے، امید ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو گے۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ انسان کے اندر تین بنیادی صفات ہونی چاہئیں۔ عدل، احسان اور ایتاء ذی القربی۔

اور تین صفات سے اس کی زندگی بالکلیہ طور پر پاک ہونی چاہئے۔ بے حیائی، برائی اور ظلم۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ. ''حیا سرتاسر خیر ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ حیا بہت سے امور کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِی فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ. ''پچھلے انبیاء کے کلام سے جو کچھ لوگوں نے پایا ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے'' جب تمہیں حیا نہیں ہے تو جو چاہے کرو۔''

زنا سب سے بڑی بے حیائی ہے۔ اسلام میں اسے ایک بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے بہت ہی سخت سزا تجویز کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَ سَآءَ سَبِیْلاً. ''اور زنا کے پاس نہ پھٹکو یقیناً یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

زنا کے مجرم کو کیا سزا دی جائے؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے:

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَاتَاْخُذْکُمْ بِہِمَا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے۔''

یہ تو غیر شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا ہے لیکن حدیث سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

مردوں کے ساتھ بدفعلی بھی زنا ہی کی ایک قسم ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَ الْمَفْعُوْلَ بِهٖ. ''جس کسی کو تم لواطت کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''

جہاں تک اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہے تو اس نے نہ صرف زنا سے منع کیا ہے، بلکہ اس کے اسباب و محرکات سے بھی روکا ہے۔ اور شہوانی گفتگو، شہوانی نظر، شہوانی لمس اور شہوانی پیش قدمی کو بھی زنا ہی میں شمار کیا ہے۔

مسلم کی حدیث ہے:

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَ يَتَمَنّٰى وَ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَ يُكَذِّبُهٗ. ''آنکھوں کا زنا بدنگاہی ہے، کانوں کا زنا (شہوت سے) سننا ہے، زبان کا زنا (شہوانی) کلام ہے، ہاتھ کا زنا دست درازی ہے، پیر کا زنا (شہوانی) پیش قدمی ہے اور دل چاہتا اور آرزوئیں کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

قرآن نے اس بات کا بھی سدباب کر دیا ہے کہ سماج میں برائیاں اور بے حیائی کی باتیں پھیلیں۔

جیسا کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. ''جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

کسی پاکباز عورت پر زنا کا جھوٹا الزام لگانا بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

قرآن مجید کی سورہ نور میں اس کی سخت وعید آئی ہے؟

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. "جولوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کا) الزام لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، یہ لوگ فاسق ہیں۔"

بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق مہلک اور برباد ہونے والے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سات مہلک گناہوں سے بچو۔"

صحابہؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! وہ گناہ کون سے ہیں؟"

ارشاد ہوا: "شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو قتل کرنا کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کر لینا، جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک دامن صاحب ایمان بھولی بھالی عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔"

کبر:

کبر و گھمنڈ انسانی کردار کی خرابی کی اولین علامت ہیں۔

مسلم سماج میں عام طور پر یہ برائی بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عجیب و غریب انداز کی بنائی ہے۔ یہاں کسی کو اتنا ملا ہے کہ اس کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔ اور کوئی دو وقت کی روٹیوں کا محتاج ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی حکمت صرف اللہ کو معلوم ہے۔

لیکن اللہ نے جسے نوازا ہے اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ گھمنڈی بن جائے، زمین پر اکڑ کر چلے اور اپنے مقابلے میں اللہ کے دوسرے بندوں کو ذلیل و حقیر سمجھے۔

دوسرے انسانوں کے مقابلے میں اپنے کو برتر سمجھنا یہ کبر ہے اور ہر خرابی کی جڑ کبر ہے۔ اور ہر خوبی اور اچھائی کی بنیاد عجز و تواضع ہے۔

جس سماج میں عجز و تواضع ہو گویا وہاں ساری بھلائیاں جمع ہو گئیں، کیوں کہ اس سے اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا خوف، آخرت کی طلب، باہمی اتحاد، ایک دوسرے سے خیر خواہی، شکایتوں سے درگذر کرنا، تعمیری کاموں کی طرف توجہ، اور حقوق کے مقابلہ میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔

اس کے برعکس جہاں فخر و نفرت کے جذبات ہوں وہاں گویا تمام برائیاں جمع ہو گئیں۔

ایسے افراد کے اندر انانیت، اپنی غلطیوں کو دیکھنے کے بجائے دوسروں کا احتساب اور پھر اس کے نتیجے میں اختلاف اور باہمی ٹکراؤ عام ہو جاتا ہے، لوگ پیچھے چلنے کے بجائے ہمیشہ آگے چلنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور معمولی کاموں کو بڑے بڑے الفاظ میں بیان کر کے اپنی برتری کے جذبہ کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب آدمی کبر و گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ آنکھ ہونے کے باوجود سچائی کو دیکھ نہیں پاتا، وہ کان رکھنے کے باوجود حق و صداقت کی آواز کو سن نہیں پاتا، وہ دل و دماغ رکھنے کے باوجود حق کی حقانیت کو محسوس نہیں کر پاتا۔

ایک مثال:

مثلاً، آپ ایک لوہے پر پلاسٹک کا کاغذ بچھا دیں اور پھر اس پر پانی ڈالیں، تو پانی اگرچہ لوہے پر گرے گا، لیکن اس کے باوجود لوہے پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پڑے گا کیوں کہ پلاسٹک کا کاغذ لوہے اور پانی کے درمیان زبردست رکاوٹ بن جائے گا۔

یہی حال کبر و گھمنڈ کا بھی ہوتا ہے۔

گھمنڈی آدمی کے دل و دماغ اور حق کے درمیان گھمنڈ ایک زبردست پردہ بن جاتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''اے محمد! اگر اس چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں تو میں تمہارے دین پر ایمان لے آؤں گا۔''

اللہ کے حکم سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اس طرح نہیں کہ چاند میں کوئی دراڑ پڑ جائے یا اس میں کوئی لکیر نظر آنے لگے، بلکہ ؎

بیچ میں کوہ صفا آیا نظر چاند تھا آدھا ادھر آدھا اُدھر

ابوجہل نے اس حیرت ناک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ ''یہ سب جادو کی باتیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد تمام جنوں اور فرشتوں کو حکم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ”میں اس سے بڑھ کر ہوں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. ”اس نے انکار کیا، وہ متکبر و سرکش ہوا اور کافروں میں سے ہو گیا۔“

یہ بات جو شیطان کے بارے میں بتائی گئی ہے، یہی ہر دور کے منکرین کے سلسلے میں کہی گئی ہے۔ حق کے انکار کرنے میں وہی لوگ آگے آگے رہے جو دولت اور حکومت کے نشے میں چور تھے، انھوں نے اس بات میں اپنی ذلت سمجھی کہ اللہ کے آگے جھکیں اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سخت مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. ”جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس کے مقابلے میں غرور و سرکشی اختیار کی ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

سورۂ حدید میں فرمایا گیا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. ”اللہ تعالیٰ اترانے والے، شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔“

ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. ”وہ شخص جنت میں نہیں داخل ہو سکتا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہو۔“

ایک شخص نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں (کیا یہ تکبر ہے؟“)

ارشاد ہوا: ”(نہیں) اللہ صاحب جمال ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، غرور تو یہ ہے کہ آدمی حق کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔“

مسلم ہی کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَ الْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِي النَّارِ. ”اللہ فرماتا ہے، کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار، تو جس کسی نے ان میں سے کسی کو مجھ سے چھیننا چاہا تو میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرور کی دو قسمیں ہیں، ایک اللہ کے مقابلے میں دوسرے انسانوں کے مقابلے میں۔

اللہ کے مقابلے میں غرور حد بندگی سے تجاوز کرنا ہے اور انسانوں کے مقابلے میں حد انسانیت سے۔

مومن وہ ہے کہ جب اسے اقتدار یا دولت مل جائے تو وہ اللہ کے آگے جھکتا جائے اور بندوں کے مقابلے میں شرافت وانکسار اختیار کرے۔ اس تواضع وانکسار سے اللہ کے نزدیک اور بندوں کی نگاہوں میں اس کا مقام پست نہیں، بلند ہوتا ہے۔

مسلم کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَـانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰـهِ اِلَّا رَفَـعَهُ اللّٰهُ . ”صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، عفو ودرگذر سے اللہ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کردیتا ہے۔“

حسد:

جہاں صاحب مال وکمال کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ گھمنڈی نہ بنے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ جسے اللہ نے محروم کردیا ہے وہ حسد کے اندر نہ مبتلا ہو۔

کسی شخص کے مال، اقتدار، حسن، علم اور حسن کمال کو دیکھ کر رنجیدہ ہوجانا اور اس کے ان کمالات کی تباہی کا آرزومند ہونا یہی حسد ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں دوسروں کی بھلائیاں اور خوبیاں گوارا نہیں ہوتی ہیں اور جب وہ دوسروں کو خوش حال اور آسودہ دیکھتے ہیں تو جل بھن جاتے ہیں اور ہر حال میں یہی تمنا کرتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں برباد ہوجائیں۔

یہ ایک ایسا قابلِ نفرت اور برباد کردینے والا مرض ہے جو انسان کے جسم اور روح کے لیے دق کا حکم رکھتا ہے۔

حسد کی آگ انسان کے دین کو بھی برباد کردیتی ہے اور اس کے جسم کو بھی گھلا گھلا کر کمزور کردیتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. ”اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں حاسد کے اس شر سے جو حسد کی صورت میں نمودار ہو۔“

ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

"تم حسد سے بچو کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔"

مشکوٰۃ میں یہ روایت آئی ہے: لَا يَجْتَمِعُ فِيْ جَوْفِ عَبْدٍ الْاِيْمَانُ وَ الْحَسَدُ.

"ایمان اور حسد دونوں کسی بندے میں جمع نہیں ہو سکتے۔"

یعنی اگر ایمان ہے تو حسد نہیں رہ سکتا اور اگر حسد ہے تو ایمان نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں چاہ کنعان میں ڈال دیا تھا کیوں کہ باپ کی محبت حضرت یوسفؑ کے بھائیوں سے نہ دیکھی گئی۔ معلوم ہوا کہ حسد وہ خطرناک مرض ہے جو انسان کو اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی آمادہ کر سکتا ہے۔

زبان کی حفاظت:

اسلام نے اس بات کی سخت تاکید کی ہے کہ مسلمان اپنی زبان کی حفاظت کرے کیوں کہ زبان کے بیجا استعمال سے بے شمار فتنے جنم لیتے ہیں اور زبان کی معمولی سی بے احتیاطی بڑے بڑے فتنوں اور عداوتوں کا سبب بن جاتی ہے۔

دنیا میں جتنے جھگڑے ہوتے ہیں اگر ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر حالات میں ان کا سبب زبان کا بے جا استعمال ہے۔

یہی نہیں، زیادہ بولنے اور بکواس کرنے سے انسان کا کردار خراب ہو جاتا ہے، دوسری طرف وہ سوچ سمجھ کر کوئی کام کرنے کی صلاحیت، احساس ذمہ داری اور ذمہ دارانہ کردار سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی حفاظت کی سخت تاکید کی ہے۔

بخاری کی حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ. "جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔"

زبان کا استعمال کس قدر مفید اور کس حد تک مضر ہے، ترمذی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جانتے ہو، جنت میں سب سے زیادہ کس وجہ سے لوگ داخل ہوں گے، خدا ترسی اور حسن اخلاق سے۔ جانتے ہو دوزخ میں سب سے زیادہ کس وجہ سے لوگ داخل ہوں گے۔ منہ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرمگاہ (کے غلط استعمال) کی وجہ سے۔"

بخاری کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے:
مَنْ يَضْمَنْ لِي بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَابَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. "جو شخص دو جبڑوں کے بیچ کی چیز (زبان) اور دو پیروں کے بیچ کی چیز (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت نہ صرف یہ کہ انسان کو بہت سے گناہوں سے بچاتی ہے بلکہ اسے پختہ کردار بھی عطا کرتی ہے۔ اس کے برعکس زبان اور شرمگاہ کے بے جا استعمال سے بہت سے کبیرہ گناہوں کا مرتکب بن جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان بے کردار اور بدکردار بن جاتا ہے۔

نرم خوئی و عفو و درگذر:

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم نرم خوئی اور عفو و درگذر ہے۔ یہ وہ بنیادی صفات ہیں جس کی وجہ سے آدمی دوسروں کی نگاہوں میں محبوب اور پسندیدہ بن جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. "(اے رسول) یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو، اور اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔"

مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَمْ يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَ مَالَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ. "اللہ نرم خو ہے وہ نرمی کو محبوب رکھتا ہے اور نرم خوئی پر وہ سب کچھ دیتا ہے جو درشتی پر یا کسی عادت پر نہیں دیتا۔"

اسلام کی ایک اہم اور بنیادی تعلیم غصے پر قابو پانا اور لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں جنتیوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. "یہ وہ لوگ ہیں جو خوشحالی اور تنگ دستی میں (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حسن سلوک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

غصہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ شیطان کا حربہ ہے۔ اس سے بالکلیہ طور پر بچنا چاہئے، اشتعال انگیزی کو طرح دینا چاہئے اور مخالفین کو معاف کر دینا چاہئے، بلکہ اللہ نے تو یہاں تک حکم دیا ہے کہ ہم بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دیں۔ جیسا کہ سورہ حم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَاتَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. "اچھائی اور برائی یکساں نہیں ہوسکتیں، بدسلوکی کا جواب بہترین سلوک سے دو، تو تم دیکھو گے کہ جس شخص کو تم سے دشمنی ہے وہ ایک روز تمہارا جگری دوست ہو گیا ہے۔"

بخاری میں حدیث ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے نصیحت فرمائیے، تو آپؐ نے فرمایا، غصہ نہ کرو، اس نے بار بار یہی کہا اور آپؐ نے ہر بار یہی فرمایا، غصہ نہ کرو۔

غصہ پی جانا اور مخالف کو طرح دینا کمزوری اور بزدلی نہیں بلکہ بہادری ہے۔

بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے، طاقتور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے اوپر قابو رکھتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ پر قابو پانے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ ابوداؤد میں حدیث ہے: "غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لے۔"

ترمذی میں روایت ہے: "جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر اس طرح غصہ چلا جائے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔"

الغرض کسی شخص کی روح کی پاکیزگی اور گندگی کی پہلی اور عام کسوٹی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ باطن جس طرح کا ہوتا ہے، اخلاق بھی ویسے ہی ظہور میں آتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اخلاق و کردار ہی اس کی انسانیت کے آئینہ دار مانے جاتے ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کے فروغ کیلئے

مکتبہ بیت السلام مئو کی معیاری مطبوعات کا مطالعہ کیجئے

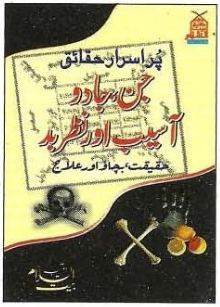

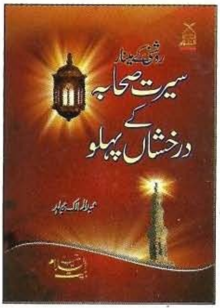

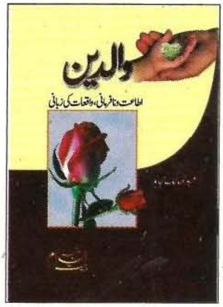

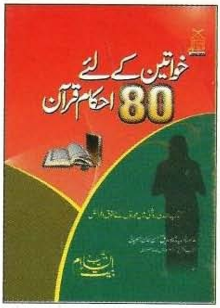

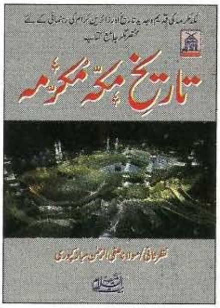

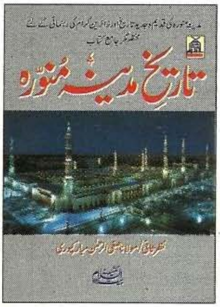

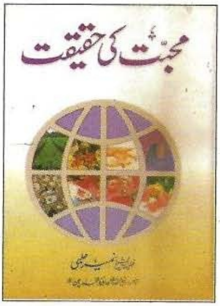

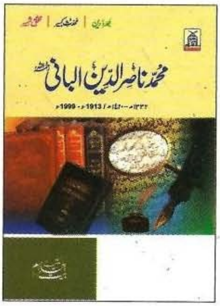

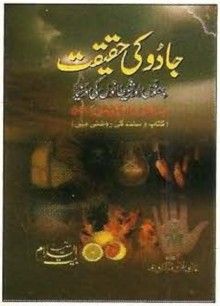

MAKTABA BAIT-AL-SALAM
MAUNATH BHANJAN - U.P. (INDIA)

MAKTABA
BAITUL-SALAM

₹ 200/-